

سفرنامہ

رُوم و مصر و شام

یعنی

مولانا شبلی نعمانی مرحوم کا سفرنامہ جس میں مولانا نے ترکی، شام اور مصر کے
مسلمانوں کے علمی، تعلیمی، اخلاقی اور تمدنی حالات اور دیگر واقعات

سفر اور حوادثِ سیاحت پر تفصیل بیان کئے ہیں



باہتمام

مولوی مسعود علی صاحب ندوی



مطبع معارف اعظم کدہ میں چھپا

۱۳۵۹ھ
۱۹۴۰ء

3/75

134780

فہرست مضامین

سفر نامہ روم و مصر و شام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲	ایرانی ٹوپی کی وجہ سے عربوں کی بے اعتنائی	۸-۲	تہیّد
"	سائپرس (قبرص)		سفر
۲۳	لما مون	۹	سبب و آغاز سفر
۲۶	رودس	۱۰	ببستی
"	ازمیر (سمرنا)	۱۱	سمندر کی ہوا
۳۰	چناق قلعه	۱۲	ایک عیسائی کا عربی زبان کیساتھ تعصب
"	مچھلیوں کا جہاز کے ساتھ دوڑنا	"	پرنڈ جانور ذبح کئے جاتے تھے
۳۱	قسطنطنیہ	۱۳	عدن
۳۳	شیخ عبدالفتاح	"	سماہی قوم کے مبتذل حرکات
"	شیخ علی طیان	۱۴	عدن کی زبان
۳۵	تقصیدہ	۱۵	عجیب و غریب بندر
	قسطنطنیہ کی اجمالی تاریخ اول	۱۶	ایک ناگوار واقعہ
	مختصر حالات	"	مسٹر آرنلڈ کا استقلال
۳۱	موجودہ حالت	"	سویز
۳۲	موقع اور منظر کی خوبی	۱۸	پلٹ سعید
"	قموہ خانے	۲۰	بیروت
		۲۱	حالت سفر میں ایک تغیر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۴	مکتب ملکیت	۴۴	یورپین اور ایشیائی تمدن کے نمونے
۷۷	قدیم تعلیم اور مدارس قدیم	"	اختلاف حالت کی وجہ
۷۹	ترکوں کی علمی حالت	۴۵	عمارتوں کی وضع
۸۳	ترک مصنفین	"	آتش زدگی
۸۴	ترکی اخبارات و رسالے	۴۶	آب و ہوا
۸۸	چھاپہ خانے	"	میوہ جات
۸۹	کتب خانے	۴۷	لباس اور وضع
۹۹	زویا یا خانقاہیں	"	جامع مسجدیں اور شاہی ایوانات
۱۰۱	مساجد جامع اور مشہور مقامات	۴۸	عدالتیں
۱۰۳	جامع ایاصوفیہ		کالج اور اسکول
۱۰۴	قابل دید مقامات	۴۹	ترقی تعلیم
"	ترس خانہ	۵۰	تعلیم قدیم و جدید
۱۰۶	ینگ چری	۵۱	سلطان حال کے زمانہ میں تعلیم کی ترقی
۱۰۷	عجائب خانہ	۵۲	تعلیم کے سالانہ مصارف
۱۰۸	ایک درو انگیز تماشہ	۵۳	مکتب العشار
۱۰۹	سیرگاہیں	۵۴	بڑے بڑے کالج اور اسکول
"	خونکر صوتی	۵۷	بورڈنگ کا طریقہ
۱۱۰	مقر کوئی	۵۹	طالب علموں کا لباس
"	محرّم	۶۱	ترقی تعلیم میں کمی
۱۱۷	سلاطین کی رسم	۶۳	مکتب حرمیہ (ملٹری کالج)
۱۱۸	عید کا جلوس	۶۴	ذکی پاشا
۱۱۹	منوی عید یہ	۷۱	مکتب لطانی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۵	بیروت یونیورسٹی	۱۲۳	ترکوں کے اخلاق و عادات و طرز معاشرت
۱۵۷	پروفیسر انطون	۱۳۰	عورتوں کی تعلیم و تربیت
۱۶۱	انجنین اور انجارات	۱۳۱	عورتوں کا لباس
۱۶۳	رصد خانہ	۱۳۲	قسطنطنیہ میں ہندوستانی
"	علماء اور اہل کمال	۱۳۴	قسطنطنیہ کے اجاب
۱۶۷	بیروت سے روانگی	"	فواد بیک
۱۶۸	یافہ	۱۳۵	عبد السلام آفندی
	بیت المقدس	۱۳۶	خواجہ آفندی
۱۶۱	مسجد تھقی	"	ملا محمد آفندی
۱۶۴	قمامہ	۱۳۷	غازی عثمان پاشا
۱۶۵	علماء اور فضلاء	۱۳۸	تغہ مجیدی
۱۶۸	بیت المقدس سے روانگی	۱۳۹	فرمان سلطانی
	مصر	۱۴۰	قسطنطنیہ سے روانگی
۱۸۰	قاہرہ کا اجمالی حال	۱۴۱	اجاب کی مشایعت
۱۸۲	مصر کی تعلیمی حالت	۱۴۲	جہاز پر ایک ناگوار واقعہ
۱۸۴	کالجوں اور اسکولوں کی تعداد اور ان کے مٹھانے	۱۴۳	بیروت
۱۸۶	دارالعلوم	۱۴۴	بیروت کی موجودہ ترقی
۱۹۱	مدرسۃ الحقوق (دلا کالج)	۱۴۵	بیروت کی علمی ترقی
۱۹۳	مدرسۃ الترجمہ	"	عربی زبان کے ساتھ اعتنا
۱۹۴	مدرسۃ الطب و میڈیکل کالج	۱۵۲	تاریخی تصنیفات
۱۹۵	انجینئرنگ کالج	۱۵۳	بیروت کے مدارس
۱۹۶	مدرسۃ الصنائع (ٹیکنیکل کالج)	"	عورتوں کی تعلیم کے مدارس

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۰	کلب اور انجمنیں	۱۹۶	عام مدارس
۲۲۱	مولد نبوی	۱۹۷	یورپ میں تعلیم پانے والے
۲۲۳	اہل کمال اور مصنفین	۲۰۰	جامع ازہر
۲۲۴	علی پاشا	۲۰۵	کتب خانہ خدیویہ
"	علی پاشا ابراہیم	۲۱۰	قدیم یادگاریں
۲۲۵	امین بک فکری	"	اہرام
"	احمد زکی	۲۱۲	قلعہ
"	شیخ محمد عبدہ	۲۱۳	انتیک خانہ
۲۲۷	شیخ حمزہ فتح اللہ	۲۱۴	سجن یوسف
۲۲۸	سفر کا خاتمہ اور عربوں کے فیاضانہ	۲۱۵	مزارات
	احساق	۲۱۶	مطالع و اخبارات
۲۳۲	حال کی عربی زبان	۲۱۹	تھیٹر

سفرنامہ روم و مصر و شام

جس میں علاوہ ان جزئی و بچپ واقعات کے جو سلسلہ بیان میں آگئے ہیں قسطنطنیہ، بیروت، بیت المقدس، قاہرہ وغیرہ کے متعلق واقعات ذیل یعنی شہر کی عام اجمالی حالت، قابل دید مقامات، سررشتہ تعلیم، دارالعلوم اور مدارس، بورڈنگ اور طلبہ کی تربیت، تعلیم نسوان، مصنفین اور تصنیفات، کتب خانے، اخبارات اور رسالے، مشہور پاشاؤں اور ارباب کمال کی ملاقات، ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، آخر میں ان الفاظ مولدہ کی مختصر سی فرہنگ ہے، جو آج کل مصر و شام میں مستعمل ہو گئے ہیں اور جن کے نہ جاننے کی وجہ سے لوگ عربی اخبارات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے،

ترتیب

شیشلی نعمانی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

در موسم گل گربہ گلستاں زسیدیم از دست ندا دیم تماشاے خزاں را
 رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ میں میں نے قسطنطنیہ وغیرہ کا جو سفر کیا، وہ محض ایک
 طالب علمانہ سفر تھا، اور چونکہ نہ یہ کوئی غیر معمولی امر تھا نہ واقعات سفر میں چنداں ندرت
 تھی، سفر نامہ لکھنے کا میرا ارادہ نہ تھا، لیکن وہاں سے واپس آکر جن بزرگوں اور دوستوں
 سے ملنے کا اتفاق ہوا، سب سفر نامہ کے متقاضی تھے، میں نے خیال کیا کہ چونکہ ایک
 مدت سے ہماری جماعت میں سیروسیاحت کا طریقہ بند ہے اور اس وجہ سے اسلامی
 ممالک کے صحیح حالات سے بالکل اطلاع نہیں حاصل ہوتی، لوگوں کا یہ تقاضا کچھ بجا نہیں جھکو
 خود اپنی حالت یاد آئی کہ سفر سے پہلے قسطنطنیہ وغیرہ کا کوئی سیاح مل جاتا تو میں گھنٹوں ہاں
 کے حالات پوچھا کرتا،

یہ اسباب تھے جنہوں نے مجھ کو ان اوراق پر نشان کی ترتیب پر آمادہ کیا اور
 ایسے عاجلانہ اور معمولی سفر کے حالات قلمبند کرنے اور ان کو سفر نامہ یا کتابِ رحلتہ
 کا لقب دینا تک ظرفی سے خالی نہ تھا، سفر نامہ میں جس قسم کی اطلاعیں لازمی اور ضروری
 ہیں یعنی ملک کی اجمالی حالت، انتظام کا طریقہ، عدالت کے اصول، تجارت کی کیفیت،
 عمارتوں کے نقشے، ان میں سے ایک چیز بھی اس سفر نامہ میں نہیں، البتہ معاشرت اور علمی
 حالت کے متعلق معتدبہ واقعات ہیں اگرچہ وہ بھی اس تفصیل کے ساتھ نہیں ہیں، جس قدر ہونے چاہتے ہیں

غرض جو شخص سفرنامہ کو سفرنامہ کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے وہ اس کتاب سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا، البتہ جن لوگوں کو اسلامی ممالک کے معمولی واقعات میں بھی مزہ آتا ہو انکی دعوت میں یہ ماحضر پیش کیا جاسکتا ہو کہ مالایڈرک کلہ لا یتوک کلہ،

میں نے اگرچہ اس کتاب میں ترکوں کی تمدنی یا ملکی حالت سے کچھ بحث نہیں کی ہے اور نہ اس قسم کی بحث میرے منصب و حالت کے لحاظ سے مناسب تھی، تاہم اس کتاب کو پڑھ کر ناظرین کے دل میں ترکوں کی تہذیب و شنائستگی کا جو درجہ قائم ہوگا وہ اس سے مختلف ہوگا جو یورپ کے عام لٹریچر سے ظاہر ہوتا ہے،

یورپ نے کسی زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف جو خیالات قائم کر لئے تھے، ایک مدت تک وہ علانیہ اس طریقہ سے ظاہر کئے جاتے تھے، کہ مذہبی تعصب کا رنگ صاف نظر آتا تھا، اور اس وقت قبول عام کا یہی بڑا عمدہ ذریعہ تھا، لیکن جب یورپ میں مذہب کا زور گھٹ گیا اور مذہبی ترانے بالکل بے اثر ہو گئے تو اس پالیسی نے دوسرا پہلو بدلا، اب یہ طریقہ چنداں مفید نہیں سمجھا جاتا کہ مسلمانوں کی نسبت صاف صاف متعصبانہ الفاظ لکھے جائیں بلکہ بجائے اس کے یہ دانشمندانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہو کہ اسلامی حکومتوں اسلامی قوموں اسلامی معاشرت کے عیوب تاریخی پیرایہ میں ظاہر کئے جاتے ہیں، اور عام تصنیفات قصوں، ناولوں، ضرب المثلوں کے ذریعہ سے وہ لٹریچر میں اس طرح جذب ہو جاتے ہیں کہ تحلیل کیمیاوی سے بھی جدا نہیں ہو سکتے اگرچہ یہ طریقہ کل اسلامی قوموں سے برتا جاتا ہے، لیکن اس وقت ہم کو خاص ترکوں سے بحث ہے، یورپین لٹریچر پڑھ کر ترکوں کی نسبت تحقیر کے خیالات نہ پیدا ہونے بعینہ ایسا ہے جیسا خواب آور دوا کھا کر نیند کا نہ آنا،

یورپ میں مصنفین کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور اس وجہ سے ان میں متعصب

نیک دل، ظاہر میں، دقیق النظر، ہر درجہ اور ہر طبقہ کے لوگ ہیں، لیکن ترکوں کے ذکر میں وہ اختلاف مدارج بالکل زائل ہو جاتا ہے، اور ہر سارے سے وہی ایک صدا نکلتی ہے، مثلاً آج کل کے سچے سے سچے یورپین مصنف کی راست بیانی یہ ہے کہ وہ ترکی حکومت کے ذکر میں، قرضہ کی گرا بناری صنائع و فنون کا بقدر کافی موجود نہ ہونا، اضلاع میں تعلیم کی عدم وسعت، آلات و اسلحہ میں یورپ کی احتیاج، ان تمام امور کو بالکل راست راست لکھتا ہے، لیکن جو اصلاحیں حال میں ہوئی ہیں انکے ذکر سے اس طرح دامن بچا جاتا ہے کہ گویا اصلاح کا سرے سے وجود ہی نہیں، خزانہ کا انتظام، تمام اضلاع میں زراعتی بنکوں کا قائم ہونا، اور مدارس رشدیہ کی تعداد کا ۹۶ سے ۱۰۵ تک ترقی کر جانا بڑے بڑے کالجوں کا جاری ہونا، ریلوے کی وسعت، اداے قرضہ کے انتظامات فوجی قوت کی ترقی ان واقعات کو بھول کر نہیں لکھتا،

کسی قوم یا کسی شخص کے قابل مدح یا ذم ثابت کرنے کا یہ نہایت آسان طریقہ ہے کہ اس کے حالات اور واقعات کی یک رخ تصویر کھینچی جائے، اور انصاف یہ ہے کہ یورپ نے اس فریب آمیز طریقہ کو دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ برتا ہے، بے شبہہ یورپ میں ایسے فیاض دل بھی ہیں جنکو تعصب سے کچھ واسطہ نہیں، لیکن بچپن سے جس قسم کے خیالات میں انہوں نے پرورش پائی ہے، ان کے گرد و پیش معلومات کا جو سرمایہ ہے، جو آوازیں ہر طرف سے ان کے کانوں میں آتی ہیں، ان چیزوں کے مقابلے سلطان حال کے عہد میں جو علمی اور علمی ترقیاں ہوئی ہیں، اسکی تفصیل میں ایک مستقل کتاب لکھی گئی ہے جو قسطنطنیہ میں شائع ہوئی ہے، اور خاص بجز ترقیوں کے ذکر میں راسم بک آفندی کار سالہ حال میں شائع ہوا ہے، جس کا نام "دور ترقی" ہے،

میں ان کی بے تعصبی بھی کچھ کام نہیں دیتی، ایک صاحب جو نہایت بے تعصب اور عالم شخص ہیں، اور مجھ کو ان کی خدمت میں نیاز حاصل ہے، قسطنطنیہ و مصر وغیرہ کا سفر کر کے واپس آئے تو میں نے ان سے برسپیل تذکرہ پوچھا کہ آپ نے قاہرہ میں جامع ازہر کی سیر بھی کی؟ بولے ”مجھ کو اس کی سیر کا بہت شوق تھا، لیکن میرے رہنما نے کہا کہ عیسائیوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔“ اگرچہ واقعہ محض غلط ہے میں خود جامع ازہر میں ایک مہینہ سے زیادہ مقیم رہا اور میرے عیسائی احباب بے تکلف مسجد ہی میں مجھ سے ملنے آتے تھے لیکن چونکہ یورپ میں مسلمانوں کا تعصب اور تنگ خیالی علوم متعارفہ کے قریب ہی ان حساب کو اپنے رہنما کی بات کے یقین کرنے میں کیونکر تامل ہو سکتا تھا؟

طرہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عام شاہراہ سے الگ ہو کر کچھ کہا یا لکھا تو یورپ کے نقارخانہ میں اس کی آواز طوطی کی آواز سمجھی جاتی ہے، ایک انگلش شہزادی نے پندرہ سولہ برس قسطنطنیہ میں رہ کر دو اڑوہ سالہ حکومت عبدالحمید ثانی کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اگرچہ اس کے اعتبار کے لئے مصنفہ کی علمی قابلیت پندرہ سولہ برس کا تجربہ اور یافت حالات کے صحیح وسائل یہ تمام قرآن موجود تھے، لیکن چونکہ وہ ترکوں کی عیب گوئی میں یورپ کی ہمزبان نہ تھی، اس کو استناد اور اعتماد کا درجہ نہ حاصل ہو سکا ہم نے تعلیمیافتہ اشخاص کو اس کی نسبت یہ کہتے سنا ہے کہ ”عجب نہیں یہ کتاب فرضی مصنف کے نام سے خود ترکوں نے لکھی ہو یا اس انگلش شہزادی کو سلطانی انعامات نے ایسی کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہو، لیکن یہی کتاب اگر ترکوں کے معائب میں ہوتی تو ان اشخاص کے نزدیک اس کا ہر حرف قطعی و یقینی ہوتا، پروفیسر ویلمبر می نے اپنے محققانہ تجربہ سے ترکوں کی تہذیب و تالیقی پر جو مضامین لکھے وہ بھی اسی وجہ سے بے اثر رہے کہ پروفیسر مذکور نے ترکوں

کی موجودہ علمی ترقی کا اعتراف کیا تھا،

ترکوں کی نسبت اگرچہ یورپ کے عام لٹریچر کی یہ حالت ہی لیکن ہیکو موقع کے لحاظ سے ترکی کے سفر ناموں کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہئے، کیونکہ یورپ کی تاریخی تصنیفات کا سرمایہ بھی بہت کچھ انہی سفر ناموں سے یا گیا ہے، سفر نامہ اگرچہ تاریخی سلسلہ کا ایک دلچسپ حصہ ہے لیکن جس قدر دلچسپ ہو اسی قدر غلطیوں کے احتمالات سے مملو ہو، ایک بڑی غلطی جو عموماً سفر نامہ لکھنے والوں کو واقع ہوتی ہے، جزئیات سے کلیات کا قائم کرنا ہے، سفر میں انسان کو جن اشخاص سے سابقہ پڑتا ہے، وہ ان کے اخلاق، عادات، خیالات سے تمام قوم کی نسبت عام رائے قائم کر لیتا ہے، حالانکہ ممکن ہو کہ وہ امور انہی چند اشخاص کے ساتھ مخصوص ہوں، اسی طرح ہر واقعہ سے وہ ایک عام نتیجہ نکالنا چاہتا ہے، اور واقعہ کے خاص اسباب کی جستجو میں نہ وہ اپنا وقت صرف کرنا چاہتا ہے نہ اس کو اس قدر فرصت مل سکتی ہے،

غلطی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جو شخص کسی ملک کا سفر کرتا ہے، اسکی نسبت پہلے سے اس کے خیالات دوستانہ یا مخالفانہ ہوتے ہیں، وہاں پہنچ کر اول اول جو کچھ وہ دیکھتا اور سنتا ہے وہ محض سرسری ہوتا ہے اور چونکہ ایسی اجمالی واقفیت، استنباط نتائج کے لئے کافی نہیں ہوتی اور وہ نتیجہ قائم کرنے میں دیر تک انتظار نہیں کر سکتا، اس لئے وہ ہر واقعہ کے ساتھ قیاسات کو دخل دیتا جاتا ہے، ان قیاسات کے وقت وہ حسن ظن یا سو رطن جو پہلے سے اسکے دل میں موجود تھا، چپکے چپکے اپنا کام کرتا ہے اور اسکو خبر تک نہیں ہوتی اس قسم کی غلطی کا احتمال اگرچہ دنیا کی تمام قوموں سے متعلق ہے، لیکن یورپ والوں کو اس میں ایک خاص تریح حاصل ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ استنباط نتائج میں یورپ والوں کو

جو بے صبری ہے اور کسی قوم کو نہیں ہے، اسی کا اثر ہے کہ یورپ کا ایک عام سیاح پائین
اتفاق سے ہندوستان میں آنکلتا ہے تو صرف ہفتہ دو ہفتہ کے تجربہ کی بنا پر یورپ کے
اخباروں اور میگزینوں میں اس دعویٰ کے ساتھ بڑے بڑے آرٹیکل شائع کرتا ہے کہ گویا
ہندوستان کی معاشرت و تمدن کے تمام راز اس پر کھل گئے ہیں۔

ایک اور بڑا سبب یہ ہے کہ سیاح کو چونکہ حالات کے دریافت کا نہایت شوق ہوتا
ہے، اس لئے وہ ہر شخص سے جو اس کو مل جاتا ہے کچھ نہ کچھ معلومات کا سرمایہ حاصل کرنا چاہتا ہے،
اس سبب میں وہ ان تحقیقات کی کہ وہ شخص ثقہ ہے یا غیر ثقہ، روشن ضمیر ہے یا متعصب، دقیق
النظر ہے یا ظاہر میں کچھ پرواہ نہیں کرتا اور کرنا بھی چاہے تو کامیابی نہیں ہو سکتی، یورپ
والے اس باب میں اور بھی بے احتیاط ہیں، اکثر یورپین سیاح جو قسطنطنیہ کا سفر کرتے ہیں
معمولاً یونانی اور غلطہ کے ہوٹلوں میں ان کو ٹھہرنے کا اتفاق ہوتا ہے، وہ جہاں کہیں
جانا چاہتے ہیں ایک گائڈ درہنما، ان کے ساتھ ہوتا ہے جو نہ صرف ان کو عمارات اور مقامات
کی سیر کرتا ہے، بلکہ ان کے تمام سوالات کا جو موقع بموقع وہ پوچھتے جاتے ہیں جواب
دیتا جاتا ہے، یہ گائڈ عموماً عیسائی ہوتے ہیں، اور روپیہ دو روپیہ وزانہ ان کی اجرت
ہوتی ہے، ان گائڈوں کی معلومات جس قسم کی ہو سکتی ہیں ہر شخص خود اس کا اندازہ کر سکتا ہے،
فاطمہ خانم نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یورپ کی معزز خاتونیں جن سے

۱۔ یہ ایک نہایت معزز اور تعلیم یافتہ خاتون ہے، عربی و فارسی و ترکی کے علاوہ جو اس کی مادر زبان ہے، فرنگی
زبان نہایت عمدہ جانتی ہے، یورپ کو ترکی خاتونوں کی نسبت جس قسم کی غلط معلومات حاصل ہیں انکی اصلاح کیلئے اس نے
مادل کے طور پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام نساہ المسلمین ہے، یہ کتاب عربی میں ترجمہ ہو گئی ہے اور امریکہ کی نمائش میں پیش ہو کر وہاں
استام سے انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ ہو گیا ہے، اردو میں بھی اس کا ترجمہ ہو گیا ہے، اور مجن پریس علی گڑھ میں چھپا ہے۔

مجھ کو ملنے کا اتفاق ہوا، جب ترکی خاتونوں کے متعلق واقعات کے طور پر کچھ بیان کرتی تھیں، تو مجھ کو گمان ہوتا تھا کہ یہ کسی اور قوم کا تذکرہ ہے، یا ناول کے طور کے قصے ہیں، فاطمہ خانم نے اس پر اسے دی ہے کہ "ان بے چاروں کا کچھ قصور نہیں، گاڈ جو کچھ سیتا حوں سے کہہ دیتے ہیں انکو یقین کرنا پڑتا ہے۔" ہمارے دوست جو جامع ازہر کی سیر سے محروم رہ گئے تھے ان کو بھی گاڈ ہی نے دھوکا دیا تھا،

غرض یورپ کی تحریروں اور سفرناموں سے میرے سفرنامہ کا مختلف ہونا لازمی بات تھی، اگرچہ اس اختلاف کے اسباب کے بیان کرنے میں اس قدر اطمینان کہ بجائے خود ایک مستقل مضمون بن جائے موزوں نہ تھا،

ترکی کے سفر سے جو اثر میرے دل پر ہوا اس کا یہاں ظاہر کرنا چننا ضرور نہیں، اس سفرنامہ کے پڑھنے سے خود اس کا پتہ لگ سکتا ہے، البتہ اس قدر کہنا ضرور ہے کہ سلطنت کی حیثیت سے اگر قطع نظر کی جائے تو مسلمانوں کی حالت وہاں بھی کچھ زیادہ مسرت اور اطمینان کے قابل نہیں ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ بہت سی باتوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کے قریب سب سے صنعت سے ان کو کچھ واسطہ نہیں، تجارت میں ان کا بہت کم حصہ ہی معمولی دکاندار تک یہودی یا عیسائی ہیں، پرانی تعلیم نہایت اتر ہے، اور ہوتی جاتی ہو، ہی تعلیم کے متعلق جو شکایت یہاں ہے وہاں بھی ہی پرانی تہذیب اور نئی تہذیب میں ابھی تک قیامت ہے، اور دونوں سے ملکر کوئی مرکب مزاج پیدا نہیں ہوا، پرانے خیال والے ابھی تک مانہ کی رفتار سے بے خبر ہیں، نئے مذاق کے لوگ جس قدر کہتے ہیں کرتے نہیں ہمت، غیرت، جوش، عزم، استقلال کے بجائے کل قوم پر دمن حیث الاغلب، افسردگی کا چھائی ہوئی ہو، جو شخص جس مال میں ہے اسی پر قانع ہو، موجودہ حالت تو یہ ہے، ولعل اللہ یحدث بعد ثلاث امرا،

سفر کا ارادہ اور آغاز

سفر کے ارادہ
کا سبب

جس زمانہ میں مجھ کو ہیروز آف اسلام کا خیال پیدا ہوا، اسی وقت یہ خیال بھی آیا کہ ہمارے ملک میں جس قدر تاریخی سرمایہ موجود ہے وہ اس مقصد کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا، یہی خیال تھا جس نے اول اول اس سفر کی تحریک دل میں پیدا کی کیونکہ یہ یقین تھا کہ مصر و روم میں اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے، ان سے ایک ایسا سلسلہ تالیف ضرور تیار ہو سکتا ہے،

اگرچہ یہ عزم مستقل ہو چکا تھا لیکن چند و چند اسباب سے دیر ہوتی گئی، یہاں تک کہ بظاہر اسباب ناامیدی سی پیدا ہو گئی، اور وہ عزم ایک ضعیف سا خیال رہ گیا، گذشتہ سال عجیب اتفاقاً طور پر اس ارادہ کو تحریک اور تحریک کے ساتھ تکمیل ہوئی، پچھلے سال میں اکثر بیمار رہا، یہاں تک کہ علاج سے تنگ آ کر تبدیل آب و ہوا کا ارادہ کیا، چنانچہ مکان وغیرہ کے بندوبست کے لئے المورہ اور کشمیر میں دوستوں کو متعدد خط لکھے، اسی اشارے سے معلوم ہوا کہ مسٹر آرنلڈ جو مدرسۃ العلوم کے پروفیسر فلاحی اور میرے استاد ہیں انہوں نے ان سے فرینچ زبان سیکھی ہی، آج ہی کل ولایت جانے والے ہیں، دفعۃً خیال آیا کہ مصر و روم کا سفر، آب و ہوا کی تبدیلی، مسٹر آرنلڈ کا ساتھ، اتفاق سے یہ سامان جمع ہو گئے اس موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے، چنانچہ اسی وقت صاحب موصوف کے پاس گیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں، انہوں نے نہایت خوشی ظاہر کی، اور فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہے، سفر کے ضروری کاموں میں مدد دینگا،

ہو وقت جہاز کی روانگی میں پندرہ گھنٹے چسار روز باقی تھے، اجاب اور اعزہ نے سنا تو سخت مستعجب ہوئے اور اکثروں نے سمجھایا کہ اس جلدی اور بے سرو سامانی کے ساتھ اتنا بڑا المبا سفر کون سی دانش مندی کی بات ہے، میں نے کہا،

ہرچہ یاد اباد میں کشتی درآبِ ختم

کالج میں گرمیوں کی تعطیل معمولاً تین مہینے کی ہوا کرتی ہے، مدت ملازمت کے لحاظ سے مجھ کو تین مہینے کی پریولج رخصت کا حق حاصل تھا، اس طرح دونوں کو ملا کر چھ مہینے کی رخصت ملی گئی اور ۲۶ اپریل ۱۸۹۲ء کو میں علی گڑھ سے چل کھڑا ہوا، مسٹر آرنلڈ اپنے ایک دوست ملنے کے لئے ایک دو دن پہلے جھانسی روانہ ہو گئے تھے، جھانسی کے اسٹیشن سے ان کا ساتھ ہوا، اور تمام راہ بڑے لطف و مسرت سے گئی، مسٹر آرنلڈ نے حاجی رحمت اللہ بن داؤد کو جو بمبئی کے ایک معزز اور روشن ضمیر تاجر ہیں، خط کے ذریعہ سے اپنے آنے کی اطلاع دیدی تھی جس میں میری معیت کا بھی ذکر تھا، چونکہ اتفاقاً ہمارے پہلے انتظام میں کسی قدر تبدیلی ہو گئی، ہم لوگ تاریخ معینہ کے دو دن بعد بمبئی پہنچے، مسٹر آرنلڈ میرا اور اپنا اسباب لے کر وٹن ہوٹل کو گئے، میں بازار میں پھر رہا تھا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی، میں نے اس سے پوچھا کہ تم حاجی رحمت اللہ کو جانتے ہو بولا کہ آپ مولوی شہلی تو نہیں ہیں، میں اس کے اس تفرس پر جو کشف سے کم نہ تھا حیرت زدہ ہو گیا، اس نے کہا کہ ہم دو دن سے آپ کے لئے حیران ہوتے ہیں، چلئے! حاجی صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں، حاجی صاحب نے مسٹر آرنلڈ کو بھی ہوٹل سے بلا لیا، اور ہم دونوں ان کے باغ میں ٹھہرے،

جس روز ہم بمبئی پہنچے اس کے دوسرے دن ہمارا جہاز روانہ ہونے کو تھا اس لئے

ہم نے اپنا تمام وقت سفر کے ضروری کاموں میں صرف کیا اور بمبئی میں جو اسلامی مدرسے اور انجمنیں ہیں، ان کی سیر نہ کر سکے، کک کمپنی کی معرفت جہاز کا ٹکٹ لیا جس جہاز پر ہم جانے والے تھے اسکا کرایہ بمبئی پورٹ سعید تک سکند کلاس کا ماغٹہ تھا، میں نے یہ سخت غلطی کی کہ ریٹرن ٹکٹ نہیں لیا، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ واپسی کے وقت پورٹ سعید سے بمبئی تک کے لئے عسٹ پونڈ یعنی ساؤتھ روم دینے پڑے پہلی مئی کی صبح کو فوجی ہم جہاز پر سوار ہوئے تو تیاراً بارہ بجے جہاز نے لنگر اٹھایا، اور ہم نے بسم اللہ پڑھا اور سہا پڑھ کر ہندوستان کو خدا حافظ کہا، سکند کلاس میں صرف پانچ مسافر تھے اور یہ عجیب اتفاق کہ سب کے سب مختلف قوم اور مختلف نسل سے تھے یعنی ایک مسلمان، ایک انگریز، ایک پارسی، ایک اسپینیز، ایک سیامی،

جہاز کی حرکت اول اول تو چنداں ناگوار نہیں معلوم ہوئی، لیکن شام کے قریب طبیعت متغیر ہونی شروع ہوئی، رات کا کھانا کھا کر سو رہے، صبح کو آنکھ کھلی تو عجیب کیفیت تھی، دورانِ سر اور متلی کی ایسی سخت تکلیف تھی جو کسی طرح بیان میں نہیں آسکتی، دو دن غشی کی سی حالت رہی، جہاز کا ملازم کبھی کبھی چلے، بسکٹ، نارنگیاں لاتا تھا، کہ کچھ کھا لو، لیکن ان چیزوں کے دیکھنے سے ابکائی آتی تھی، مسٹر آرنلڈ چائے پی لیا کرتے تھے، اگرچہ ہضم نہیں ہوتی تھی، لیکن قے کرنے سے طبیعت ہلکی ہو جاتی تھی، ان کے اصرار سے میں نے بھی دو ایک بار چائے پی کرتے کی اور فائدہ محسوس ہوا، تیسرے دن ہم سب اٹھ بیٹھے،

سمندر کی ہوا،

ہم سنا کرتے تھے کہ سمندر کی ہوا تندرستی کے لئے نہایت مفید ہے، اور حقیقت جہاز کا سفر ستوا علاجوں کا ایک علاج ہے، میں جہاز پر سوار ہونے کے وقت تک ضعیف اور مضمحل تھا، لیکن روز بروز چاق و چست ہوتا گیا، طبیعت کو ہر وقت نشاط رہتا تھا، اور بھوک خوب لگتی تھی، ہلوگوں

کو پانچ وقت کھانا ملتا تھا یعنی صبح کو آٹھ بجے چائے دودھ، بکٹ، گیارہ بجے معمولی کھانا جس میں متعدد قسم کے سالن ہوتے تھے ایک بیکے ٹفن، پانچ بجے ڈز جس میں معمولی گوشت کے علاوہ مرغ، بط، کبوتر ہر قسم کی پڈنگ تر اور خشک میوے ہوتے تھے، کبھی کبھی برت کی قفلیاں بھی ہوتی تھیں، رات کو نو بجے چائے اور کھن اہر وقت کا کھانا پٹ بھر کر کھاتے تھے اور سب مضمہ ہو جاتا تھا،

میں تمام دن دریا کے سیر و تماشے میں مشغول رہتا تھا، مسٹر آرنلڈ نے عربی پڑھنی شروع کر دی تھی، ہمارے ساتھ جو اسپین کا عیسائی تھا، مسٹر آرنلڈ کے عربی پڑھنے سے بہت جلتا تھا اگر ان کے پاس آتا اور تحیر کے ساتھ عربی حروف کو نہایت بُرے بھم سے ادا کرتا اور کہتا کہ یہ زبان اونٹوں کی زبان ہے، اگرچہ مجھ کو اس کی ان حرکتوں سے رنج ہوتا تھا، لیکن جو قوم ایک مدت تک ذلت کے ساتھ عرب کے زیر دست رہ چکی تھی عرب اور عربی زبان کے ساتھ اس کا یہ سلوک بیجا نہ تھا،

چونکہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جہاز پر پرند ذبح نہیں کئے جاتے اور مولیٰ سمیع اللہ خان صاحب نے اپنے سفر نامہ میں تجربہ سے اس کی تصدیق بھی کی ہے، میں نے دو تین روز تک پرند گوشت کھانے سے پرہیز کیا، مسٹر آرنلڈ نے مجھ سے اسکا سبب دریافت کیا، میں نے کہا کہ ہمارے مذہب میں منخفقہ حرام ہے، بولے کہ اس جہاز پر جانور ذبح کئے جاتے ہیں، گردن مروڑ کر مارے نہیں جاتے، چونکہ شرعاً ان کی تہا شہادت کافی نہ تھی، میں خود گیا اور اس کی تصدیق کی، ذبح کرنے والا عیسائی تھا، وہ ذبح کرنے کے وقت کچھ پڑھتا تھا، صرف گردن پر چھری پھیر دیتا تھا، اگرچہ حنفیوں کے ہاں یہ ذبیحہ حلال نہیں، لیکن اس مسئلہ میں چند دنوں کے لئے میں شافعی بن گیا تھا، جن کے ہاں ہر طرح کا ذبیحہ جائز ہے

ایک عیسائی
کا عربی زبان
کیا تھ نصیب

پرند جانور
ذبح کئے جاتے
تھے

جہاز پر مسٹر آرنلڈ وہ آرنلڈ نہیں رہے تھے جو علی گڑھ میں تھے، نہ وہ متانت تھی نہ وہ کم آمیزی، اکثر ہنسی مذاق کیا کرتے، بچوں سے کھیلتے اور جہاز کی چھت پر اُچھلتے کودتے چلتے، میں نے حالات سفر کے متعلق ایک تصدیق لکھنا شروع کر دیا تھا، اور درحقیقت سمندر کی فضا کچھ ایسی دلچسپ اور نشاط انگیز ہے کہ موزوں طبع آدمی جہاز کے سفر میں خواہ مخواہ گنگنا اُٹھتا ہے،

۱۸۹۲ء کو جہاز عدن پہنچا اور کنارے سے کسی قدر فاصلہ پر لنگر انداز ہوا۔ عدن میں بڑی دلچسپی یہ ہے کہ سماںی قوم کے بہت سے لڑکے ڈونگیوں پر سوار جہاز کے قریب آتے ہیں اور جہاز والوں سے انعام لینے کے لئے عجیب عجیب بتزل حرکتیں کرتے ہیں، کچھ ناچتے گاتے ہیں، کچھ آپس میں مل کر بے معنی الفاظ کہتے ہیں، اور بغلیں بجاتے جاتے ہیں، بڑا کمال یہ ہے کہ لوگ دوٹی، چوٹی، پیسے جو کچھ انعام دینا چاہتے ہیں سمندر میں پھینک دیتے ہیں، اور وہ غوطے مار کر نکال لاتے ہیں، اکثر انگریز اس تماشے میں مصروف تھے اور آرنلڈ کو بھی اس میں مزہ آتا تھا، لیکن میری کچھ اور حالت تھی، چونکہ غلطی سے میرا یہ خیال تھا کہ یہاں عموماً عرب آباد ہیں، اس لئے یہ طبعی بات تھی کہ میں ان کو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا، لیکن وہ انعام لینے کے لئے ایسی بتزل، ناموزوں اور حقیر حرکات کرتے تھے کہ کسی طرح طبیعت کو گوارا نہیں ہو سکتا تھا، عبرت ہوتی تھی کہ عرب کی اب یہ حالت ہے کہ غیروں کے سامنے اس قسم کی حرکات سے ان کو شرم نہیں آتی، ان خیالات سے بے اختیار میرا دل بھر آتا تھا، یہاں تک کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بے اختیار زبان سے بھلا تم یا مسٹر آرنلڈ پاس تھے، میری تغیر حالت پر ان کو خیال ہوا، میں نے دل

سماںی قوم کے
بتزل حرکت

کی کیفیت اور اسکا سبب جب بیان کیا، ایک بار آنکھ اٹھا کر میری طرف دیکھا اور چپ ہونے
شہر میں جا کر جب میں نے تحقیق کی اور تمام باتوں سے ثابت ہو گیا کہ سماجی قوم عرب نہیں ہے
تو مجھ کو کسی قدر تسکین ہوئی، یہی غصہ اور سنج تھا جس کی وجہ سے میں نے قصیدہ سفریہ میں
اس کجبت قوم کی سخت ہجو کی ہے، اور درحقیقت وہ اس کے مستحق ہیں،

چونکہ وقت کم تھا اس لئے میں شہر کے اندرونی حصہ کو نہ دیکھ سکا ہندوستان کو
روانہ کئے، ایک خط کے سرنامہ پر یہ اشعار لکھے جو اسی وقت موزوں ہوئے تھے،

چوں کہ بستم بعزم میں اس سفر از روی عزم	دشمن ہم دوست را در چرخ و تاب انداختم
ہر کسی را بس شگفت آمد کہ حال چہیزم	تا چہرا خود را بدیں ساں در عذاب انداختم
ہر یکے ندیم ہی داد وہی گفتمے کہ من	زیں سخن از عارض معنی نقاب انداختم
چوں بجا جت از حد بردند گفتم بس کنید	ہر چہ باد اباؤن کشتی در آب انداختم

عدن کی زبان عموماً عربی ہے، اور پارسی، ہندو، بنگالی جو تجارت یا نوکری کے
ذریعہ سے یہاں رہتے ہیں بے تکلف عربی بولتے ہیں، چونکہ میں نے کبھی کسی ہندو
کی زبان سے اس مقدس زبان کے الفاظ نہیں سنے تھے، بیوں اور بقالوں کو این
تروح ما تبغی بولتے دیکھ کر عجب مزہ آتا تھا،

یہاں کی زبان گو عربی ہے، لیکن نہایت یہودہ اور غیر فصیح ہے، اگرچہ آج کل تمام
ان ملکوں میں جہاں عربی بولی جاتی ہے، قدیم عربی نہیں رہی، لیکن عدن کی زبان
سب سے زراعی ہے، دو چار معمولی الفاظ کے سوا میں کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا، غالباً یہاں
کی زبان ایک مذت سے اجنبیوں کے اختلاط کی وجہ سے خراب ہوتے ہوتے
اس حالت کو پہنچی ہے، علامہ مقدسی جو عرب کا ایک نامور سیاح گذرا ہے، اور جس نے

عدن کی زبان

چوتھی صدی کے آغاز میں دینا کا سفر کیا تھا اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ "عدن میں جو قومیں رہتی ہیں ان میں زیادہ اہل فارس ہیں" علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا کہ "یہاں عموماً جیم کے بچے کاف بولتے ہیں، اور رچلیہ کے بجائے رچلینہ و علی ہذا، جب علامہ موصوف کے عہد میں یہ حال تھا تو مرہٹوں اور گجراتیوں کے اختلاط کے بعد یہاں کی زبان کی نسبت کیا شکایت ہو سکتی ہے،

عدن میں ایک جرمن ہمارے جہاز پر سوار ہوا، جو جرمنی کے مشہور عجائب خانہ کا ملازم ہے، اور مدت تک ان اطراف میں رہ کر یورپ کو واپس جا رہا ہے، سیاحتی و تجارت کی بدولت وہ متعدد زبانوں میں بے تکلف بات چیت کر سکتا ہے، جب وہ جہاز کے افسروں سے ٹالین میں آرنلڈ سے انگریزی میں، مجھ سے عربی میں گفتگو کرتا تھا تو مجھ کو سخت تعجب اور رشک ہوتا تھا، کھانے کی میز پر جب ہم سب جمع ہوتے تھے تو یہی ایک شخص تھا جو سب کا ترجمان بنتا تھا، اس نے عرب و افریقہ کے جنگلوں سے بہت سے عجیب و غریب جانور ہم پہنچائے ہیں، ایک بڑے پتھرے میں افریقہ کے بندر تھے، جن کی سلیت معمولی بندروں سے کچھ الگ تھی، ان میں زیادہ تر تعجب انگیز بات یہ تھی کہ جب وہ کسی کو اپنی طرف آتا دیکھ کر غل مچاتے تھے تو ان کی آواز سے بعض حروف مفہوم ہوتے تھے، میں نے اولاً خیال کیا کہ ہم لوگ جس طرح مثلاً بلی کی آواز کو میاؤں سے تعبیر کرتے ہیں یہ بھی اسی قسم کے فرضی الفاظ ہیں، لیکن چند بار میں نے غور سے سنا تو صاف صاف ل اور یا یا کی آواز محسوس ہوتی تھی، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص پر دسے سے سنا تو ہرگز خیال نہ کر سکتا کہ بندر کی آواز ہے، میں نے مٹر آرنلڈ سے اس کا ذکر کیا تو ہنسی نے بھی تصدیق کی غالباً اسی قسم کی مثالوں سے یورپ میں بعض لوگوں کو خیال

عجیب و غریب بندر

سید ہوا ہے کہ بندر بھی بول سکتے ہیں، چنانچہ مشہور ہے کہ ایک صاحب نے مدیجے
تجربہ اور تحقیق کے بعد اس زبان کے چند حروف دریافت کئے ہیں،

عدن سے چونکہ دہیسی کے نئے سامان پیدا ہو گئے تھے، اسلئے ہم بڑے لطف
سے سفر کر رہے تھے، لیکن دوسرے ہی دن ایک پُرخطر واقعہ پیش آیا جس نے تھوڑی
دیر تک مجھ کو پریشان رکھا، امرسی کی صبح کو میں سوتے سے اٹھا تو ایک ہمسفر نے کہا
کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا، میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم گھبرائے پھرتے
تھے، اور اس کی درستی کی تدبیریں کر رہے تھے، انجن بالکل بیکار ہو گیا تھا، اور جہاز
نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا، میں سخت گھبرایا اور نہایت ناگوار خیالات
دل میں آنے لگے، اس اضطراب میں اور کیا کر سکتا تھا، دوڑا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس
گیا، وہ اس وقت نہایت اطمینان کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، میں نے ان سے
کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟ یوے ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے، میں نے کہا کہ آپ کو کچھ
اضطراب نہیں؟ بھلا یہ کتاب دیکھنے کا کیا موقع ہے؟ فرمایا کہ اگر جہاز کو برباد ہی
ہونا ہے، تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے، اور ایسے قابل قدر وقت کو
رائنگاں کرنا بالکل بے عقلی ہے، ان کے استقلال اور جرات سے مجھ کو بھی اطمینان
ہوا، آٹھ گھنٹے کے بعد انجن درست ہوا اور بدستور چلنے لگا،

۱۳ امرسی کو جہاز سویز پہنچا اور تین چار گھنٹے کے لئے ٹھہرا، مصری عرب، پنیرا کھجور
روٹیاں بیچنے کے لئے لائے، ان میں سے ایک نے مجھ کو ہندوستانی خیال کر کے
اردو میں باتیں کرنی شروع کیں، مجھ کو تعجب ہوا اور جب دریافت سے معلوم ہوا کہ اس نے
کبھی ہندوستان کی صورت نہیں دیکھی، تو اردو کی عالمگیری پر مجھ کو اور بھی تعجب

ایک ناگوار
واقعہ

مسٹر آرنلڈ کا
استقلال

ہوا، ۱۴ مئی کو ہم پورٹ سعید پہنچے، اور نہایت افسوس کے ساتھ مجھ کو آرنلڈ سے جدا ہونا پڑا۔
 بمبئی سے میں نے برٹنڈزی تک کانکٹ کیا تھا، پورٹ سعید پہنچ کر یہ خیال ہوا کہ برٹنڈزی
 تک تو آرنلڈ کا ساتھ ہے، لیکن وہاں سے قسطنطنیہ تک ایک ہفتہ کا سفر ہے، اتنی مدت
 تک محض اجنبیوں سے سابقہ اور زبان اور ملک کی اجنبیت کی وجہ سے ہر کام میں وقت
 ہوگی، اس خیال کی بنا پر میں نے پہلی اسکیم بالکل بدل دی اور ارادہ کر لیا کہ شام
 کے راستہ سے قسطنطنیہ جاؤں گا،

جہاز نے جس وقت لنگر کیا، لگ کمپنی کا ایک ملازم اپنے مسافروں کی خبر گیری کیلئے
 جہاز پر آیا، جہاز کنارے سے ذرا فاصلہ پر کھڑا ہوتا ہے، اس لئے مسافروں کے اتارنے
 کے لئے لگ کمپنی کی طرف سے ایک چھوٹی سی کشتی ہمیشہ تیار رہتی ہے، ان بندرگاہوں
 میں جہاز سے اترنے کے وقت نا تجربہ کار آدمی کو سخت مصیبت پیش آتی ہے، جہاز
 کے لنگر کرنے کے ساتھ قلی اور ملاح ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں، اور مسافروں
 کو سخت پریشان کرتے ہیں، ان کے ہجوم، شور و غل اور اسباب کی چھینا چھٹی میں
 مسافر بالکل بدحواس ہو جاتا ہے، ہزار وقت کنارے پر پہنچا تو گھنٹوں کراہی کی کجست
 اور تکرار رہتی ہے، ان بلاؤں سے محفوظ رہنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ لگ کمپنی کے ملازموں
 کے سوا، اور کسی سے کچھ واسطہ نہ رکھے،

ہم کنارے پر پہنچے تو شیمویل نے جو پہلے سے ہمارے انتظار میں کھڑا تھا، ہر
 ہم سے نیک ہینڈ کی، یہ شخص قوم کا یہودی ہے، اور لگ کمپنی کی طرف سے مسافروں
 کی خبر گیری اور ہر قسم کی مدد دینے کے لئے متعین ہے، وہ متعدد زبانیں جانتا ہے
 اور بالخصوص عربی، انگریزی، فرینچ، نہایت بے تکلفی سے بول سکتا ہے، لطف یہ ہے

کہ اردو میں بھی نہایت آسانی سے بات چیت کر سکتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مدت تک ہندوستان میں رہ چکا ہے، ہم اس کے ساتھ دفتر میں گئے، دفتر کا مکان بڑا دریا ہے، اور میز کرسیوں سے اچھی طرح آراستہ ہے، میز پر ہمیشہ بہت سے اخبارات موجود رہتے ہیں جن میں زیادہ تر جہازوں کے متعلق خبریں اور اشتہارات ہوتے ہیں، سب سے پہلے ہم نے اس سے ٹکٹ بدلوانے کی بابت گفتگو کی، یعنی یہ کہ اگر ہم یہاں اتر جائیں اور قسطنطنیہ کا نیا ٹکٹ لیں تو جو زائد کرایہ ہم برائڈزی تک کا دے چکے ہیں وہ بحال سکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ وہ خود اس کا جواب نہیں دے سکتا تھا، کمپنی کے بڑے دفتر میں گیا اور وہاں سے واپس آکر کہا کہ تم اسی ٹکٹ سے قسطنطنیہ جا سکتے ہو صرف دو پونڈ یعنی پچاس روپے اور دینے ہوں گے، میں بہت خوش ہوا، اور اس کارگزاری کے صلہ میں آٹھ روپے اس کے نذر کئے، یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ قسطنطنیہ جانے والا جہاز اس وقت تیار تھا ورنہ پندرہ دن تک پورٹ سعید میں ٹھہرنا پڑتا،

پورٹ سعید ایک چھوٹا سا خوبصورت بندرگاہ ہے، آبادی کے دو حصے ہیں، جو حصہ دریا سے متصل ہے، اس میں عموماً یورپین سوداگر رہتے ہیں اور بہت بڑے بڑے ہوٹل، قہوہ خانے اور تھیٹر وغیرہ ہیں، ایک قہوہ خانہ عین دریا کے کنارے پر ہے اور بہت ہی پر فضا ہے، نہایت ترتیب کے ساتھ سنگ مرمر کے تختے کی چھوٹی چھوٹی میزیں اور ان کے گرد کرسیاں لگی ہوئی ہیں، قہوہ چائے، تو س کھن ہر وقت تیار رہتا ہے، اس حصہ میں کثرت سے دوکانیں ہیں، اور نہایت شان دار اور آراستہ ہیں، دوسرے حصہ میں زیادہ تر یہاں کے اصلی باشندے سکونت رکھتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ تمام چیزیں نہایت پست حالت میں ہیں ہوٹل کے بجائے

پورٹ سعید

باورچیوں کی کثیف دکائیں ہیں،

اول اول جب میں اس شہر کی سیر کو نکلا تو ہر چیز کو بڑے شوق اور استغراب کی نگاہ سے دیکھتا تھا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے سلطنت اسلامی کی آبادی دیکھی (حریم نشین کی زیارت سے گو اس سے پہلے مشرف ہو چکا تھا، لیکن وہ خدا کا ملک ہے، اور میں دنیوی سلطنت اور حکومت کا ذکر کر رہا ہوں) جب کوئی بلند اور شاندار عمارت دیکھتا تو اس خیال سے خوش ہوتا کہ احمد مدان ملکوں میں مسلمان خوش حال اور دولت مند ہیں، لیکن دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوتا کہ کسی یورپین سوداگر کا مکان ہی سارے شہر میں ایک بھی عمدہ دوکان یا بلند عمارت کسی مسلمان کی نہ تھی، افسوس ع

ہرز میں کہ رسیدیم آسماں پیداست

البتہ یورپین آبادی کے خاتمہ پر ایک شاہی مسجد ہے، اور وہ بہت پُر رفعت اور شاندار ہے،

تھوڑی دیر بازار میں پھر پھر اگر قسطنطنیہ جانے والے جہاز پر سوار ہوا، شیمول او مسٹر آرنلڈ ساتھ تھے چونکہ میت المقدس کے حج کا زمانہ تھا، اس لئے فرسٹ اور سکند دونوں درجے عیسائی حاجیوں سے بھرے ہوئے تھے، مسٹر آرنلڈ نے کہا مجھ کو ڈر ہے کہ تم کو تکلیف نہ پہنچے، یہ لوگ مذہب کے سخت پابند ہیں، اور اس لئے ضرور ہے کہ ان میں تعصب ہو، تم غیر مذہب، غیر قوم، تمہاری معیت ان کو کیونکر گوارا ہوگی، لیکن مجھ کو تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ مسٹر آرنلڈ کا خیال صحیح نہ تھا، وہ لوگ پابند مذہب تھے، لیکن فرنج اور اٹالین تھے انگریز نہ تھے، اس کم آمیزی اور فاتح مفتوح کا امتیاز جو فاتح قوم کی مخصوص صفتیں ہیں ان میں بالکل نہ تھیں، مسٹر آرنلڈ تھوڑی دیر کے بعد

رخصت ہوئے، میں نے ان کو خدا حافظ کہا، اور ساتھ ہی یہ فکر پیدا ہوئی کہ دیکھتے
تہائی میں اب کیونکر گذرتی ہے،

۱۵ مئی کو جہاز یافتہ پہنچا، ہمارے اکثر یورپین ہمسفر یہاں اتر گئے، بیت المقدس
یہاں سے صرف رات بھر کا راستہ ہے، چونکہ وقت کم تھا، اس لئے میں یہاں اتر
نہ سکا،

۱۶ مئی کو بیروت پہنچے، یہاں جہاز عموماً دوپہر سے کم نہیں ٹھہرتا، چونکہ یہ ایک
تاریخی مقام اور نہایت قدیم شہر ہے، اس لئے میں اس کے دیکھنے کا بہت شائق تھا،
کنارتے پر پہنچ کر بڑی وقت پیش آئی، کہ وہاں تذکرہ یعنی پروانہ راہداری کے بغیر کسی کو اترنے
نہیں دیتے تھے، میں ہندوستان سے اس عجلت میں چلا تھا کہ پاسپورٹ لینے کا
موقع نہیں مل سکا تھا، پہلے تو میں بہت گھبرایا کہ افسوس یہ سیر مفت رہی جاتی ہے
لیکن پھر خیال آیا اور میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا صرف سیر
کرنی مقصود ہے، ان لوگوں میں سے ایک نے خدا جانے کیونکر پہچانا کہ میں ہندوستان
کارہنے والا ہوں، غریب الوطن سمجھ کر مہربانی کی، اور ایک آدمی ساتھ کر دیا کہ یہ شہر
کی سیر کرائے گا،

چونکہ پہلے سے ارادہ تھا کہ قسطنطنیہ سے واپس آتے ہوئے یہاں دو ایک روز
قیام کروں گا، اس لئے اس دفعہ صرف سرسری طور پر بازار وغیرہ کی سیر کی کتابوں
کی دکانیں دیکھیں، گذرگاہ عام پر ایک قہوہ خانہ تھا، تھوڑی دیر تک وہاں ٹھہرا، اور
راہ چلتوں کا تاشا دیکھتا رہا، جب کوئی شخص شان و شوکت کے ساتھ گاڑی یا گھوڑے
پر سوار سامنے سے گذرنا تو میں اپنے رہتا سے پوچھتا کہ کون ہے؟ اور اکثر وہ یہ جواب دیتا کہ "عیسائی"

بیروت کی سیر

یہاں سب سے زیادہ مجھ کو یہ بات پسند آئی کہ تمام دکاندار اور پیشے والے، حتیٰ کہ قلی او
مزدور بھی نہایت خوش وضع اور پاکیزہ لباس تھے، تین چار گھنٹے ادھر ادھر پھر کر واپس
آیا، ایک اٹھنی رہنما صاحب کی نذر کی اور ان سے رخصت ہو کر جہاز پر پہنچا،

پورٹ سعید
حالت سفر میں
ایک تقریب

پورٹ سعید سے سفر کی حالت میں جو تجدد ہوا، وہ یہ تھا کہ بمبئی سے پورٹ سعید
تک جہاز پر کوئی مسلمان نہ تھا، یہاں پہنچ کر دو ایک مسلمان نظر آئے، اور بیروت میں تو
سارا جہاز شامی عربوں سے بھر گیا، بد قسمتی سے فرسٹ اور سکند کلاس کو تو یہ عزت نصیب
نہیں ہوئی، لیکن تیسرے درجے میں ہر طرف مسلمان ہی مسلمان تھے، میں شروع
سفر سے مسلمانوں کی صورت کو ترس گیا تھا، یہ مجمع دیکھ کر حد سے زیادہ خوشی ہوئی ہوسٹ
کلاس کی چھت نہایت صاف اور پر فضا جگہ تھی، اور میں اکثر وہیں بیٹھ کر دریا کی سیر کیا
کرتا تھا، لیکن جب یہ صحبت نصیب ہوئی تو میں نے بھول کر بھی ادھر قدم نہیں رکھا،
اول اول مجھ کو ان لوگوں سے میل جول پیدا کرنے میں سخت وقت پیش آئی یہ لوگ
چھت پر جا بجا پھیلے ہوئے تھے اور دو دو چار چار آدمیوں کی جماعتیں تھیں ہیں برسے
شوق سے ان کے پاس گیا، لیکن وہ مطلقاً متوجہ نہ ہوئے، جس شخص کے پاس کھڑا
ہوا اس نے ایک بار آنکھ اٹھا کر میری طرف دیکھا اور گردن سچی کر لی مجھ کو اس بد اخلاقی
پر سخت تعجب ہوا اول میں کہتا تھا کہ عربوں کی مہمان نوازی کی یہ کچھ تعریفیں سنی تھیں،
ان کو تو بات چیت میں بھی مضائقہ ہے، ان میں مدرسہ حریم کے چند طلبہ تھے، جو رخصت
لے کر وطن میں آئے تھے اور اب قسطنطنیہ جا رہے تھے، وہ کبھی دل بہلانے کے لئے
عربی دیوان پڑھا کرتے تھے، میں نے خیال کیا کہ ہمہ فنی کے ذریعہ سے تعارف پیدا
کروں، چنانچہ ان کے پاس گیا اور دخل در معقولات کے طور پر اپنی مولویت او

علمیت جتنی شروع کی وہ اس پر بھی متوجہ نہ ہوئے، میں اپنا سامنہ لیکر چلا آیا، لیکن مجھ کو یقین تھا کہ اس واقعہ کا ضرور کوئی خاص سبب ہے، اتفاقاً ایک موقع پر ایک شخص نے میرا مذہب پوچھا میں نے کہا، "اسلام" بولا "اللہ اھذا طربوش المسلم" یعنی "پیرگز نہیں کہیں مسلمان ایسی ٹوپی اورٹھتے ہیں" بد قسمتی سے میرے سر پر ایرانی ٹوپی تھی اور اس وجہ سے تمام عرب مجھ کو مجوسی سمجھتے تھے، یہ معما جب حل ہوا تو میں نے ان لوگوں کے دل سے اس بدگمانی کو رفع کر دیا، اور پھر وہ ایسے شیر و شکر ہوئے کہ ایک دم کو مجھ سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے، مدرسہ حرمیہ کے طلبہ سے زیادہ صحبت رہتی تھی، قسطنطنیہ کے متعلق میں نے بہت سی ضروری باتیں ان سے دریافت کیں، اور درحقیقت ان معلومات سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا،

اس بات کا اثر کہ اب ہم اسلامی دنیا میں ہیں جہاز پر بھی محسوس ہوتا تھا، پہلی سے سوئز تک تھرڈ کلاس کے مسافروں کے ساتھ قلیوں کی طرح برتاؤ کیا جاتا تھا، لیکن ان ممالک میں یہ حالت بالکل بد لگتی، جہاز کے افسر اور ملازم عموماً یورپین ہیں، ان مسافروں کو دل میں جو کچھ سمجھتے ہوں، لیکن ظاہر میں ان سے کوئی برابر تاؤ نہیں کر سکتے تھے، متعدد موقع پیش آئے، جن میں میں نے دیکھا کہ زیادتی مسلمانوں ہی کی طرف سے ہوتی تھی، لیکن افسران جہاز کو اغماض کرنا پڑتا تھا، 134780

، ارمنی کو جہاز سائپرٹس پہنچا، یہ ایک مختصر سا جزیرہ ہے، جو بحر روم میں واقع ہے اور جس کو عربی میں قبرس کہتے ہیں، یہ جزیرہ اسلام کی قدیم فتوحات کی یادگار ہے،

لے جغرافیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس جزیرہ میں نوبلے بارہ شہزادے سو پانچ گاؤں والا ملک باشندے تھے، ترکوں نے اس پر قبضہ کیا اب باشندے ستر ہزار ہیں، یہاں کی شراب نہایت مشہور ہے اور حیرت انگیز عمدہ ہوتا ہے،

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ۲۷ھ میں امیر معاویہ نے اس پر حملہ کیا، شہر والوں نے اس پر صلح کی کہ جس طرح ہم سلطنتِ روم کو خراج دیتے ہیں تم کو بھی سات ہزار دوسو دینار سالانہ دیا کریں گے اور تم میں اور رومیوں میں کبھی جنگ ہوگی تو ہم کو کسی سے واسطہ نہ ہوگا امیر معاویہ نے یہ شرط قبول کر لی، لیکن ۳۲ھ میں ان لوگوں نے خلافتِ عہدِ مسلمانوں کے مقابلہ میں رومیوں کو مدد دی، امیر موصوف نے پانسو کشتیوں کے بیڑے کے ساتھ دوبارہ چڑھائی کی اور نہایت آسانی سے فتح کر لیا، تاہم تعدادِ خراج اور صلح کی شرطیں وہی رہی رہیں، ان کے حکم سے بارہ ہزار عرب وہاں جا کر آباد ہوئے اور مکانات اور مسجدیں تعمیر کیں، ایک مدت کے بعد یہ جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جا مارا اور کئی بار فتح ہو کر پھر نکل گیا، سب سے اخیر ترکوں نے ۱۵۷۷ھ میں عیسائیوں سے واپس لیا، اور اب تک انہی کے قبضہ میں تھا، روم و روس کی اخیر جنگ میں انگریزوں نے اس شرط پر لیا کہ سالانہ خراج جو سلطان کو ملتا تھا، اب بھی ملتا رہے گا، چنانچہ اب وہاں انگریزی حکومت اور انگریزی انتظام ہے،

اس جزیرہ میں لرنکہ اور لمامون دو بڑے شہر ہیں اور دونوں جگہ جہاز تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے لنگر کرتا ہے، میں نے لمامون کی سیر کی، چونکہ یہاں انگریزی حکومت ہے اس لئے راہداری کے پروانہ کی پرس وجو نہ تھی، میں داخل ہوا تو میرے سر پر اپنی ٹوپی اور بدن میں شروانی اچکن تھی، غالباً وہاں کے لوگوں نے یہ وضع کبھی دیکھی نہ تھی، میں جدھر سے گذرتا، لوگ تعجب سے دیکھتے اور کہیں کھڑا ہو جاتا تو تماشائیوں کی بھڑک جاتی، سب سے پہلے میں جامع مسجد میں گیا، مسجد کے متصل ایک مکتب ہے، وہاں ایک مولوی صاحب جو نہایت باوقار اور خوش لباس تھے، ابتدائی صفوں کو درس

دے رہے تھے، میں نے سلام علیک کی، وہ کھڑے ہو گئے، اور نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیکر بیٹھنے کا اشارہ کیا، لڑکے پٹائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، میں بھی ان کی برابر بیٹھ گیا، مولوی صاحب کے اشارہ سے ایک لڑکے نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں، میرے دل پر عجیب اثر ہوا، خیال آتا تھا کہ کہاں وہ حجاز کا ریگستان! کہاں بحرِ روم کے دور دراز جزیرے، اس مقدس کلام (مستراں) میں کیا تاثیر تھی کہ مشرق سے مغرب تک برقی قوت بن کر دوڑ گئی اور آج تک باقی ہے، وہ معصوم لڑکا خوش سخن بھی تھا، اور اصولِ قرأت کے مطابق پڑھتا تھا، اتفاق سے آیتیں بھی موثر تھیں، ان باتوں نے مجھ کو بالکل مدہوش کر دیا اور دیر تک ایک عجیب حالت طاری رہی،

اگرچہ پندرہ سولہ برس سے انگریز یہاں حکومت کر رہے ہیں، لیکن حکمتِ عملی کے لحاظ سے طرزِ انتظام میں بہت سی قدیم باتیں قائم رکھی ہیں، محکمہٴ قضا بالکل الگ ہے اور شرعی مقدمات سے حکومت انگریزی کو کچھ واسطہ نہیں، اتفاق سے مجھ کو قاضی صاحب سے بھی نیاز حاصل ہوا بہت خلیق اور باوقار آدمی ہیں، تعلیم کا طریقہ بھی بالکل ترکی تنظیم کے مطابق ہے، تمام مکتبوں اور مدرسوں میں ترکی سرشتہٴ تعلیم کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، جس مکتب کا میں نے ابھی ذکر کیا اس میں قرآن مجید، فقہ کا ابتدائی رسالہ، تاریخِ جغرافیہ درس میں داخل ہے، اور تعلیم نہایت خوبی سے ہوتی ہے، قسطنطنیہ سے داپسی کے وقت بھی میں اس مکتب میں گیا تھا، صبح کا وقت تھا، اور مدرس صاحب اس وقت تک تشریف نہیں لائے تھے، دو تین لڑکے موجود تھے، وہ نہایت ادب اور خوش خلقی سے پیش آئے، ایک نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا وطن کہاں ہے، میں نے کہا ہندوستان بولا "ہندوستان ایک وسیع ملک ہے، خاص شہر کا نام بتائے، میں نے

علی گڑھ کا نام یا کہنے لگا، میں نقشہ میں دیکھتا ہوں، کہاں واقع ہے، ہندوستان
 کا نقشہ سامنے آویزاں تھا، اُس نے ایک سرسری نگاہ ڈالی اور فوراً علی گڑھ پر انگلی
 رکھ کر کہا "ہاں یہ ہے" اس کی عمر دس برس سے زیادہ نہ تھی، اس لئے مجھ کو اسکی
 اس تیزی اور یادداشت پر تعجب ہوا، میں نے پوچھا تمہارا بادشاہ کون ہے، بولا آفندم
 آفندی ترکی زبان میں جناب مخدوم کے ہم معنی ہے، اور جب میم متکلم کے ساتھ استعما
 کیا جائے تو عموماً اس سے سلطان مراد ہوتے ہیں، میں نے کہا "یہاں تو انگریز حکومت
 کر رہے ہیں" بولا کہ "ہاں مستاجری کے طور پر لیا ہے، اور سالانہ خراج ادا کرتے
 ہیں" انگریزوں کی حکمت علی نہایت دانش مندانہ ہے کہ کسی ملک پر قبضہ کرتے ہیں
 تو اس تدریج اور آہستگی سے کہ ملک والوں کو انقلاب حکومت کی خبر بھی نہیں ہوتی،
 یہاں کی زبان ترکی ہے، اور یہاں سے قسطنطنیہ تک ہر شہر اور قصبہ کی یہی زبان
 ہے، اس سے ترکوں کی حکومت کی سطوت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ممالک مفتوحہ
 کی زبان تک بدل دی، ایشیائے کوچک اتنا بڑا وسیع ملک ہے، اور کثرت سے عیسائی
 آباد ہیں، جن کی زبان کسی زمانہ میں یونانی یا لیٹن تھی، لیکن اب تمام ملک میں ترکی بولی
 جاتی ہے، سپیرس کے مولوی صاحب اور قاضی صاحب جن کا میں نے ذکر کیا اگرچہ
 عربی بخوبی جانتے تھے، لیکن بول نہیں سکتے تھے، البتہ معمولی جملے سمجھ لیتے تھے اور
 اسی سہارے پر میں نے ان سے بات چیت کی تھی،
 مجھ کو اس قدر قلیل زمانہ میں یہاں کے مسلمانوں کی حالت کا صحیح اندازہ تو
 کیا ہو سکتا تھا، لیکن ظاہر طور سے قیاس ہوتا تھا کہ اچھی نہیں، جس قدر بلند مکانات یا عمارتیں
 دکائیں نظر آئیں، دریافت سے معلوم ہوا کہ کل عیسائیوں کی ہیں،

۸ مئی کو جہاز رومس پہنچا اور تین چار گھنٹے ٹھہرا یہ چھوٹا سا جزیرہ ہے، جس کی وسعت ہمارے قدیم مورخوں نے ساٹھ میل بیان کی ہے اور جغرافیہ مترجمہ سوسائٹی علی گڑھ میں طول چالیس میل اور عرض پندرہ میل لکھا ہے، یہ بھی قدیم فتوحات میں سے ہے، امیر معاویہ کے عہد میں ۲۵ھ میں فتح ہوا، اور اسی وقت بہت سے مسلمان وہاں جا کر آباد ہوئے، قدامت کے لحاظ سے اس کی سیرکامتاق تھا، لیکن بد قسمتی سے رات کا وقت تھا، اور جہاز والوں میں سے اور کسی نے میرا ساتھ نہ دیا، زیادہ بد قسمتی یہ کہ واپسی کے وقت بھی اتفاق سے یہی اسباب پیش آئے، اور اس کی سیر سے بالکل محروم رہ گیا،

۲۰ مئی صبح کے وقت از میر پہنچے، چونکہ یہ ایک بہت بڑا بندرگاہ ہے، جہاں دو روز تک یہاں مقیم رہا میں اپنے شامی دوستوں کے ساتھ جہاز سے اُترا، کنارہ پر وہی تذکرہ (پروانہ راجداری) کی باز پرس تھی، لیکن ساتھیوں کی بدولت مجھ کو چنداں زحمت نہیں ہوئی، یہ شہر جس کو انگریزی میں سمرا نا کہتے ہیں، ایشیا کے کوچک کا صد مقام ہے اور اس صوبہ میں اس سے زیادہ وسیع اور آباد کوئی شہر نہیں ہے، قدامت اور تاریخی واقعات کے لحاظ سے بھی ایک یادگار مقام ہے، ہومر جو یونان کا مشہور شاعر گذرا ہے، اور جس کی نسبت یورپ کا خیال ہے کہ دینا کا سب سے بڑا شاعر تھا، اسکی قبر یہیں ہے اسات مقدس گرجے جن کا ذکر انجیل کے سفر روایا میں ہے، ان میں سے ایک اسی شہر میں تھا، زمانہ کے انقلابات نے اس کو دس دفعہ تباہ و برباد کیا، تاہم اسکی موجودہ آبادی ایک لاکھ سے زائد ہے، اطراف کی زمین نہایت سیر حاصل ہے، اور خود شہر تجارت کا بہت بڑا مرکز ہے، ہمیشہ بیسیوں دُخانی اور بادبانی جہاز بندرگاہ

میں موجود رہتے ہیں، ریل بھی یہاں جاری ہے، اور دو وقت یہاں سے ٹرین روانہ ہوتی ہے،

اسلامی آثار کثرت ہیں، لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ مسجدوں کی تعداد تین سو سے کم نہیں جن میں بعض بڑی شوکت و شان کی ہیں،

جہاز سے ہم اترے تو نہایت بلند اور شان دار عمارتوں کا سلسلہ نظر آیا، جو دو ایک بجڑ مستقیم دریا کے کنارے چلا گیا ہے، یہ عمارت ہوٹل، قہوہ خانے، تھیٹر، ناچ گھر، اور عیسائی تاجروں کی دکانیں ہیں اور نہایت خوش منظر اور پر فضا ہیں اور ان کے وقت ہمیشہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی میلہ یا شادی کی تقریب ہے، قہوہ خانوں، اور ناچ گھروں کے علاوہ سڑک پر کثرت سے مجمع رہتا ہے، اور جدھر جاؤ، منگھڑے و سرور کی آواز آتی ہے، اس سلسلہ عمارات کے عقب میں عیسائیوں کا محلہ ہے، اور اس محلہ بلند اور عالی شان عمارتیں ہیں کہ میں نے اب تک کہیں نہیں دیکھی، اس محلہ کے تمام گلی کوچے نہایت صاف اور ہموار ہیں،

اس محلہ کی سیر سے فارغ ہو کر میں نے شہر کا رخ کیا، شہر اگرچہ نہایت پر رونق ہے اور آدمیوں کی کثرت سے ہر وقت ایک میلہ سا معلوم ہوتا ہے، لیکن تمام سڑکیں ناہموار و ناصاف ہیں اور گلی کوچوں میں تو نجاست اور کچر کی وجہ سے راستہ چلنا مشکل ہے ^{حقیقت} یہ ہے کہ ان تمام ممالک میں میونسپلٹی کا انتظام نہایت خراب ہے، اور حکومت ترک کے لئے یہ ایک نہایت قابلِ لحاظ امر ہے، چلتے چلتے ہمارے شامی دوستوں کو بھوک لگی اور ایک نان بائی کی دوکان پر جا بیٹھے، مجھ کو اگرچہ استہانہ تھی، لیکن ان کے اصرار سے شریک ہوا، نان بائی کے لفظ سے ہمارے ناظرین کو ہندوستان کے

نان بانوں اور ان کی ذلیل دکانوں کا خیال آیا ہوگا، لیکن یہ قیاس صحیح نہیں، یہاں معمولی سے معمولی دکان کی آراستگی کی یہ صورت ہے کہ متعدد چھوٹی چھوٹی میزیں اور ان کے گرد کرسیاں لگی ہیں، میزوں پر نہایت صاف چادر کھچی ہوئی ہے، دیوار کے ایک کونے میں ٹونٹی لگی ہے، اور اس کے نیچے طشت اور دائیں طرف صابون اور تولیہ رکھا ہے۔ یہ نہایت معمولی دکانوں کی کیفیت ہے، اور بڑی بڑی دکانیں جن کو ہوٹل کہا جاسکتا ہے، نہایت پُر تکلف اور پریشان ہیں، لیکن اس قسم کے جس قدر ہوٹل ہیں عموماً عیسائیوں کے ہیں،

میں نے مدرسوں کی سیر کرنی چاہی، لیکن چونکہ جمعہ کا دن تھا، تمام مدرسے بند تھے، نماز جمعہ جامع حصار میں پڑھی، یہ مسجد پُر تکلف اور آراستہ ہے، چھت پر طلائی نقش و نگار ہیں، بڑی خوبی یہ ہے کہ صحن کے دونوں طرف دو بڑے بڑے ستونوں پر گھنٹے لگے ہیں جن سے اوقات نماز معلوم ہونے کے ساتھ مسجد کی زیبائش بھی ہے، ہمارے ہندوستان میں اس کی تقلید کی جاتی تو اچھا ہوتا، خطبہ و نماز میں یہاں بعض جہتیں ہیں، مگر نہ بے عیب ہیں ان کی کچھ اصل ہے نہ بجائے خود وہ موزوں ہیں، خطیب جب خطبہ پڑھتا ہے تو بیچ بیچ میں رکنا جاتا ہے، اُس وقت چند اشخاص آواز ملا کر کچھ پڑھتے ہیں، یہ چپ ہوتے ہیں تو خطیب پھر شروع کرتا ہے اور اس طرح کئی بار اتفاق ہوتا ہے، نماز میں عموماً چھوٹی سورتیں پڑھتے ہیں جو تین چار آیتوں سے زیادہ نہیں ہوتیں، حالانکہ تمام دنیا میں جمعہ کی نماز میں بڑی سورتوں کے پڑھنے کا دستور ہے،

نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں کتب خانہ میں گیا، یہ کوئی بڑا کتب خانہ نہیں ہے، مسجد کے کونے میں ایک چھوٹا سا حجرہ ہے، اور کتابوں کی تین چار چھوٹی چھوٹی الماریاں

ہیں، نماز کے بعد اکثر علماء اور ارباب تصانیف یہاں آ بیٹھتے ہیں، جس وقت میں پہنچا، اصحاب
ذیل تشریف فرماتے تھے، مولانا مصطفیٰ آفندی امام جامع مسجد و مدرس مدرسہ صبری آفندی،
مدرس مدرسہ اعدادی، مولانا سعید، شکر ی بک حسنی آفندی سابق مہتمم تعلیمات، سلام علیک
اور مزاج پُرسی کے بعد ایک صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ ابھی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو
کرتے تھے، اگر آپ پسند کریں تو وہ مسئلہ پھر چھیڑا جائے، میں نے خوشی سے منظور
کیا، متعہ کے متعلق بحث تھی، اور وہی مشہور شبہہ پیش تھا کہ خود حضرت عمر کے قول
سے ثابت ہوتا ہے کہ متعہ کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات تک جاری
تھا، میں نے کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی، اور تمام حاضرین نے اس سے اتفاق کیا، یہ
لوگ عربی نہیں سمجھتے تھے اس لئے میں فارسی میں گفتگو کرتا تھا، ان ملکوں میں بحث و
مذاکرہ کا یہ طریقہ عموماً رائج اور نہایت شایستہ طریقہ ہے، اچھی شخص کو علم کے
گروہ سے ملنے اور ان سے ربط و اختلاط پیدا کرنے کا اس سے زیادہ آسان اور
منفید کوئی ذریعہ نہیں، بڑی خوبی یہ ہے کہ مناظرہ نفسانیت اور ترفع کے لحاظ سے
نہیں ہوتا، بلکہ اثنائے تقریر میں اگر ان کو اندازہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مخاطب
اعتراض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تو قصداً دوسرا تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں، اس قسم کی
علمی مجلسیں اس سفر میں میری کامیابی کا بڑا ذریعہ تھیں، اور بعض جگہ تو انہی کی بدولت
مجھ کو ایسی دشواریوں سے نجات ملی جن سے رہائی کی اور کوئی تدبیر نہ تھی،
۲۱ مئی کو شام کے قریب جہاز نے لنگر اٹھایا یہاں سے قسطنطنیہ تک کوئی پڑا
اسٹیشن نہیں ہے، بعض بعض مقامات پر جہاز تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرا، لیکن
ہم اتر نہ سکے، یہ مقامات زیادہ تر جنگ کی ضرورتوں کے لئے ہیں، اور ہر جگہ کثرت

سے جنگی آلات فراہم ہیں، چناق قلعہ ایک مقام ہے، جہاں نہایت مضبوط قلعہ ہے لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ فتح کرنے کا عزم کیا تو اس وقت توپ اور گولے کا عام رواج نہ تھا، محمد نے خود توپیں ڈھالیں اور مٹی کا گولہ بنوایا، جن میں سے چند یادگار کے طور پر اب بھی محفوظ ہیں، یہ گولے پختہ اور نہایت مضبوط ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ لوہے کے گولوں سے کم نہیں، از میرے قسطنطنیہ تک دریا کے دونوں طرف ایسے محفوظ قلعے اور مدے تیار کئے گئے ہیں اور اس کثرت سے سامان جنگ موجود ہے، کہ قوی سے قوی سلطنت بھی اس راستے سے دارالسلطنت پر حملہ کرنے کا قصد نہیں کر سکتی، یہ تمام قلعے اور مدے حر فاتح کے عہد کے ہیں، یہ نامور شہنشاہ جب قسطنطنیہ کی تسخیر کے ارادہ سے بڑھا تو راہ میں جا بجا جنگی چھاؤنیاں بنوائیں اور قلعے اور مدے تیار کرائے، لیکن یہ تمام تفصیل لوگوں کی زبانی روایت ہے، میں نے تاریخ سے اسکی تصدیق نہیں کی ہے،

چناق قلعہ سے آگے بڑھ کر ہم نے ایک عجیب تماشا دیکھا، ہمارے تیزی سے جا رہا تھا کہ دور سے پانی میں ایک فوارہ سا چھوٹا نظر آیا، تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ سامنے سے چار پانچ مچھلیاں جہاز کی طرف دوڑی آرہی ہیں، قریب آگئیں تو جہاز کے ساتھ ہو لیں، ان کا جسم پانی کی سطح سے صاف نظر آتا تھا، جہاز اگرچہ نہایت تیزی سے جا رہا تھا، لیکن وہ برابر ساتھ ساتھ آتی تھیں، کبھی کبھی جب سانس چڑھ جاتی تھی تو بڑے زور سے پھنکار مارتی تھیں، اس وقت پانی میں فوارہ سا چھوٹا نظر آتا تھا، قریباً دو تین میل تک جہاز کے ساتھ ساتھ دوڑیں، تمام لوگ حیرت سے تماشا دیکھتے تھے بعضوں کو خیال ہوا کہ ان مچھلیوں نے کبھی جہاز کی صورت نہیں دیکھی تھی، اسلئے اس کو کوئی جانور

سمجھیں اور مقابلہ کے جوش میں چاہتی تھیں کہ جہاز ان سے بڑھنے نہ پائے، واپسی کے وقت بھی ایسا ہی اتفاق ہوا، اور اس وقت دریافت سے معلوم ہوا کہ اس مقام پر ایک دفعہ اتفاق سے یہ مچھلیاں اگئی تھیں اور جہاز کے ملازموں نے ان کے لئے کھانے کی کوئی چیز دریا میں ڈال دی تھی، اسی کی طرح پر جب کوئی جہاز اُدھر سے گذرتا ہے تو اکثر یہ مچھلیاں آجاتی ہیں اور دور تک جہاز کے ساتھ ساتھ دوڑتی ہیں،

۱۳ مئی صبح کے وقت قسطنطنیہ پہنچے، جہاز نے لنگر کیا یہ ایسا وقت تھا کہ مجھ کو منزل مقصود پر پہنچنے کی نہایت خوشی ہونی چاہئے تھی، لیکن قلیوں اور ملاحوں کے ہنگامے اور شور و غل میں میرے حواس جاتے رہے، ملاحوں نے تمام جہاز گھیر لیا، ان کے شور و غل اور کشاکش سے ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا، میں نے پہلے سے کچھ طے نہیں کیا تھا، اور نہ کر سکتا تھا کہ جہاز سے اتر کر کہاں جاؤں، ہوٹل میرے مناسب حال نہ تھا اس کی وجہ آگے چل کر معلوم ہوگی، اور سہراؤں پر ناواقفیت کی وجہ سے اطمینان نہیں ہو سکتا تھا، سخت مصیبت یہ ہوئی کہ شامی احباب جن سے ہر قسم کی مدد کی توقع ہو سکتی تھی، ان کو کاجوں میں پہنچنے کی جلدی تھی، اس لئے وہ میرا انتظار نہ کر سکے، مجھ کو اکیلا پار ملاحوں اور قلیوں نے اور بھی دق کرنا شروع کیا، میرا اضطراب اس خیال سے اور بڑھتا جاتا تھا کہ جہاز پر زبان کی اجنبیت کی وجہ سے یہ وقت ہے تو شہر میں کیا حال ہوگا؟ اس لیت و لعل میں زیادہ دیر ہوتی جاتی تھی، اکثر مسافر جہاز سے اتر گئے، اور اترتے جاتے تھے، آخر خالنا ماں کو اسباب سپرد کیا اور اس سے کہا کہ میں شہر کی سیر کر کے واپس آتا ہوں، مقصد یہ تھا کہ پہلے شہر میں جا کر قیام کا انتظام کر آؤں تب اسباب جہاز سے اتاروں، شام کے چند عربوں نے ایک کشتی کر ایہ کی تھی، میں بھی ان کے ساتھ ان کے ساتھ ہو گیا، کنارے پر بندر

کی پرس وجو تھی، میں نے انگریزی چھیاں دکھائیں لیکن وہ پاسپورٹ مانگتے تھے، غرض ہزار
دقت رہائی ہوئی اب حیران تھا کہ کہاں جاؤں، ایک شامی عربے جن کا نام عبد الفتاح
تھا کشتی میں تعارف ہو گیا تھا، میں نے ان سے اپنی پریشانی بیان کی اور کہا کہ آپ مجھ کو کوئی
معقول طریقہ بتائیں، انہوں نے کہا کہ "میری حالت بھی تمہارے قریب قریب ہے، اسلئے
بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں ساتھ رہیں، یہ طریقہ اگرچہ احتیاط کے خلاف تھا، لیکن ناواقفیت
اور اجنبیت زبان کی وجہ سے مجبوراً اختیار کرنا پڑا، اور سچ پوچھئے تو یہی اتفاقی معیت میری
تمام کامیابیوں کا دیا چہ تھی،

یہاں مسافروں کے ٹھہرنے کے چند طریقے ہیں، سب سے زیادہ اطمینان اور آرام تو
ہوٹلوں میں ہے، لیکن اولاً تو ان کا کرایہ ایک پونڈ یعنی پونڈ روزانہ سے کم نہیں، دوسرے
اکثر بلکہ قریباً تمام عمدہ ہوٹل یورپین آبادی میں ہیں، جو استنبول سے دور ہے، اور جامع
کتب خانے، مدرسے، مکاتب جس قدر ہیں سب استنبول میں ہیں،

ہوٹل کے بعد خانات یعنی سرائیں ہیں، لیکن یہ سرائیں ہندوستان سے کچھ نسبت
نہیں کھتیں، یہاں بڑی بڑی سراؤں میں جس قدر کمرے ہوتے ہیں عموماً وسیع اور پر فضا
ہوتے ہیں، اور ان میں ہر وقت نواز کا پلنگ، توشک، چادر کھافت اور اور ضروری چیزیں
مہیا رہتی ہیں، ایک ایک کمرے میں کئی کئی پلنگ ہوتے ہیں، فی پلنگ آٹھ دس آنہ
کرایہ ہوتا ہے،

تیسرا طریقہ کرایہ کے مکانات ہیں، یہ مکانات اکثر دو منزلے سے منزلے ہوتے ہیں،
ہر درجہ میں متعدد کمرے اور ہر کمرے میں، میز، کرسی، کوچ، لپٹ، فرش، پلنگ، توشک،
کھافت آئینہ مہیا رہتا ہے، کرایہ فی کمرہ دس روپیہ ماہوار سے بیس تیس تک ہوتا ہے، ان

ان مکانوں کے مالک یا اجارہ دار عموماً عیسائی ہیں، وہ خود بھی انہی مکانوں میں رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے مسافروں کو بہت کچھ آرام ملتا ہے،

اگرچہ جیسا میں نے ابھی بیان کیا کہ یہ کامکان لینا زیادہ آرام کا طریقہ تھا، لیکن میں اور میرے شاہی دوست دونوں اس طریقہ سے ناواقف تھے، اس لئے ایک خان یعنی سرے میں جا کر ٹھہرے، اس انتظام کی طرف سے اطمینان ہوا تو جہاز پر جا کر اپنا بسا اٹھوا لایا، چھ سات دن تک ہم اس خان میں رہے، پھر باب عالی کے پاس ایک عمدہ مکان کرایہ پر لے لیا،

خوش قسمتی سے شیخ عبدالفتاح جن کے ساتھ میں نے زبردستی دوستی پیدا کی تھی بڑے معزز خاندان کے آدمی نکلے دمشق میں حضرت خالد نقشبندی ایک بزرگ گذرے ہیں جن کے ساتھ یہاں کے لوگوں کو اس قدر ارادت ہے کہ ان کا نام نہیں لیتے، بلکہ حضرت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، یہ بزرگ ہمارے خاک ہندوستان کے تربیت یافتہ یعنی حضرت میرزا جان جاناں دہلوی کے مرید تھے، شیخ عبدالفتاح انہی کے بھتیجے ہیں، اور اس تعلق سے لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے ہیں، چونکہ قسطنطنیہ میں شایموں کا ایک بڑا گروہ ہے، دو ہی چار روز میں شیخ عبدالفتاح کی اکثر لوگوں سے شناسائی ہو گئی اور ان کے ذریعہ سے مجھ کو بھی ان لوگوں سے تعارف ہوتا گیا،

ایک دن شیخ علی ظلیان جن کے والد ایک مشہور صوفی ہیں، شیخ عبدالفتاح سے ملنے آئے میں بھی اس وقت موجود تھا، اور اتفاق سے رسالہ اسکات المعتمدی جو میری قدیم تصنیف ہے، اور عربی زبان میں ہے، سامنے رکھا ہوا تھا، انھوں نے اٹھا کر دیکھا، اور کہا کہ، "اے یہ رسالہ مدت ہوئی میں نے دمشق میں اپنے شیخ کے پاس دیکھا تھا، تو انھوں نے

اس کے مصنف کی نسبت کہا تھا "شکراً للہ مساعیلاً" شیخ علی ظہیان کو جب معلوم ہوا کہ وہ رسالہ میری ہی تصنیف ہے تو اٹھ کر بڑی گرجوشی سے لے اور نہایت لطف و مہربانی سے پیش آئے، مجھ کو اس بات سے کہ میری ناچیز تصنیف یہاں تک پہنچی، اور لوگوں نے اس کو نگاہ قبول سے دیکھا نہایت مسرت ہوئی اور سفر کی کس پیرسی میں اتنا ذریعہ تعارف بہت غنیمت معلوم ہوا۔ شیخ علی ظہیان نوجوان آدمی ہیں، فقہ کی تحصیل شیخ عبدالرحمن سے کی ہے جو مصنف ردالمحتار (مشہور بہ شامی) کے نواسے اور شاگرد تھے، اگرچہ ان کو اکثر علوم متداولہ میں دخل ہے، لیکن ادب میں زیادہ مہارت ہے، ایک غیر منظم تصنیف سلطنت کی مدح میں پیش کیا تھا، جس پر ان کو صلہ و انعام بھی عطا ہوا۔ مدت درویش پاشا کے مہمان ہیں، اور پاشاے موصوف ان کے ساتھ عزیزانہ برتاؤ رکھتے ہیں، مجھ سے ان کا تعلق روز بروز بڑھتا گیا، یہاں تک کہ باوجود بعد مسافت قریباً ہر روز میرے مکان پر تشریف لاتے اور کبھی کبھی تمام دن میرے پاس رہتے، شیخ عبدالفتاح چند روز کے بعد دمشق کو واپس چلے گئے، اس وقت تنہائی میں شاید مجھ کو تکلیف پہنچتی، لیکن شیخ علی ظہیان کی نگہ کاریوں نے تمام ترددات دل سے دور کر دیئے،

مکان جو ہم نے کرایہ پر لیا تھا، اگرچہ نہایت خوش فضا اور موزوں تھا، لیکن چونکہ مکان کا مالک (عارضی) نہایت بد معاملہ اور آوارہ مزاج تھا، چند روز کے بعد میں نے دوسرا مکان کرایہ پر لیا اور اخیر تک وہیں رہا، یہاں مکان کی خوبی کے ساتھ بڑا آرام یہ تھا کہ مالک مکان ایک نیک مزاج عورت تھی، اگرچہ اس کا مذہب عیسائی تھا اور قوم کی اٹالین تھی، تاہم بقدر ضرورت عربی بول لیتی تھی، اور مسلمانوں سے ایک خاص

اُنس رکھتی تھی،

کھانے پینے کے انتظام کی ہم کو کچھ ضرورت نہ تھی، ہوٹل اور دوکانیں کثرت سے ہیں اور نہایت مرتب اور پُر تکلف ہیں، بازار میں کھانا یہاں مطلق عیب نہیں، میں نے اکثر موٹوں عمدہ داروں کو ہوٹلوں میں کھاتے دیکھا، یہ ہوٹل عموماً عیسائیوں کے ہیں، مسلمانوں کی دوکانیں بجز اس کے کہ میزوکرسی وہاں بھی ہوتی ہے، باقی اور باتوں میں ہندوستان کی دوکانوں سے مشابہ ہیں،

جہاز پر جو میں نے قصیدہ لکھنا شروع کیا تھا، قسطنطنیہ پہنچ کر تمام ہوا، اس میں سفر کے حالات کا اجمالی خاکہ ہے، اور چونکہ ناظرین تمام حالات کی تفصیل سے واقف ہو کہ قصیدہ کے قصہ طلب حوالے بخوبی سمجھ سکیں گے، اور ان کو زیادہ لطف و مزہ آئیگا، میں اس قصیدہ کو بتامہ یہاں نقل کرتا ہوں،

قصیدہ

روزگار سیت کہ میدا شتم آہنگِ سفر	بہر تکمیل فن و ہم پے تحصیلِ عبر
خوآ شتم تا بسوسے روم شوم راہ سپر	فارس از حج و زیارت چو مرا کرد خدا
یک تاخیر ہی رفت بہ فرمانِ قدر	گرچہ من گرم طلب بودم و بس مستعمل
کہ فلاں جز ہو سِ خام نذار و در سر	دیر آں مایہ شد آخر کہ حسوداں گفتند
تے تکلف بسفر حیت بہت است مگر	روم گوئی دوسہ گامت کہ این خام طبع
چوں میسر شود آں را کہ نہ زورست و نہ زر	رہ چنین دور و دراز و سفر این مایہ خطیر
ناگماں شاہد مقصود در آمد از درہ	من دریں غصہ و غم خونِ جگر می خورم

اتفاقے عجب گشت مرا عقدہ کشائے
 یک دومہ پیشتر کہ انکہ زخم کوسِ حیل
 چون ستوہ آدم از تپ بدل آمد کہ مرا
 عزم دیرینہ بیاد آمد و گفتم چه خوش است
 کہ نلڈ آنکہ رفیق است و ہم استاد مرا
 گفتم این صحبت میں اقعہ نادر افتد
 چوں ازیں داعیہ دم ہمہ آگہ گشتند
 ہمہ را ہر بید و بید و آمد و دل؟
 دل بہجراں منہ و رسم و فارا نگذار
 روز کے چند بیاساے و پیش سازیدہ
 با خود از نقد و ہم از متہ آن مایہ بگیر
 مصلحت نیست کہ میں مرحلہ تہا سپری
 گفتم میں جملہ کہ گفیند بود عین صلح
 مرد این مرحلہ گامے کہ فرا پیش نہاد
 الغرض از رمضان بست و ششم بود کہ من
 اوقادم برہ کوہ و بیاباں یک چند
 ز جمعے صعب کشیدیم گشتی دوسہ روز
 کس نیارست سرش باز گرفت از بایاں
 نمود مایہ آزار گشتی چیزے
 کہ از وہم و گماں نیز نمی داشت خبر
 بودم از رحمت تپ خستہ دل و تفتہ گبر
 چارہ جز نقل مکان ہیج نباشد ایدر
 کہ بیک جیلہ دو تا کار بردا و اور
 ہم دریں عرصہ بانگ کند، ہی خواست سفر
 بس بعزم سفر از جائے بحبتم مضطر
 ہم بیاران و عزیزان وطن رفت خبر
 جملہ گفند کہ این رحمت بیصرفہ مبر
 ورتخواہی کہ کشی پایے ازیں آہ گزر
 ساز و برگ سفر آن گونہ کہ باشد و رخوا
 کہ اگر دیر بمانی بنو و ایح خطہ
 لا جرم خاوکے نیز بہمراہ ہیر
 یک طالب نبودد کہ و نفع و ضرر
 باز پس مے نہ کشد کہ ہمہ مرگ آرد بر
 گرم بر خاستم از جائے و شدم راہ سپر
 بس کشتی بنشستم من و یارانِ دگر
 بسکہ از موج بہر خطہ شدی زیر و زبر
 کس نیارست جدا کردتش از بستر
 غیر ازیں محنت سہ وزہ کردنیت سفر

نان خوش بود ز ہر گونہ ہیما مارا
 گرچہ من زان می پالودہ نیا لودم لب
 ہفتیم ماہ مئی چون برسیدیم عدن
 من فردو آدم دروے بشہر آوردم
 کوہسار است کہ ہر چند بلندست فراخ
 ہر کجائی گزری ریگ و انت و خرف
 گبر و ترسا کہ نزل اندوریں بقعہ ہمہ
 مردم شہر کہ خود را بہ سہالی نامند
 خوار و بد بخت تہہ کار و سیہ چرودہ و زشت
 خوشین را بہ عرب بستہ جانشا کہ عرب
 چون بان ہمہ تازی بود و ہم چو عرب
 عایماں در غلط افتند و گماں باز برند
 تخم و ہم ریشہ این نخل ز خاک حبش است
 شاگہ گشتے ما باز بر قار آمد
 بہ سوئی آمد و استاد و چنان و دو گزشت
 این ہماں نہر عجیبیت کہ ز نیساں کاری
 بست فرنگ از ست بہ ہینا چندان
 مردی از اہل فرسا کہ پیش نام است
 ال خرد و چو در آغاز بدعوی برخواست

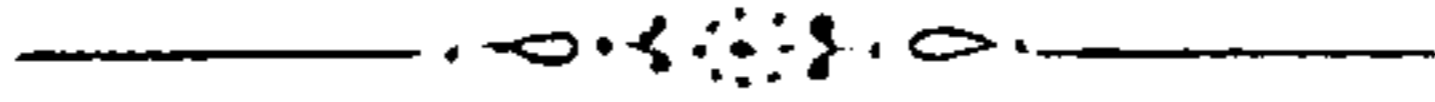
از کباب برہ و مرغ وے و نقل و شکر
 دیگران یک علی الرعم ز دندے ساغر
 کشتی آسود و بینداخت زمانے نگر
 تا خبر جویم ازیں مملکت از بد و حضر
 یک از سبزہ و گل نیست روپچ اثر
 ہر طرف می نگری خاک سیاہست و حجر
 بزبان عربی حرف زو ندی یکسر
 حیوان اندنہ بل از حیواں ہم بدتر
 سفلہ و مہتن و کج روش و بد گوہر
 این چنین خوار و زلیوں شان بہ پسند اور
 نام شاں بستہ بود بالقب جد و پدر
 کہ مگر در نسب و نسل ز معداند و مضر
 کہ دریں جائے بیار آمد افشاںد شمر
 تا یک ہفتہ گذر کرد ز بحر الاحمر
 کہ ز کیفیت حالش نشدم بیخ خبر
 جز در افسانہ پاریں نہ شنیدیم دگر
 کہ دو واپور توانند از و کرد گذر
 زوہ این نقش و در اقصائی جہاں گشت
 کہ تو اں آمدن از عہدہ این کار بدر

مردمان سخرہ گرفتندش و گفتند کہ این
 از منی چارو ہم بود کہ در پورٹ سعید
 در میان من و آرنلڈ بیفتا و فراق
 پورٹ جائست کہ تا چشم و نگہ کار کند
 صد بہ بینی کہ بر افراشته اینجاریت
 شاگہ کشتی ما باز رواں گشت و گذشت
 من بسا عل شدم و مردی از اینجایے حلب
 خوب جائست کہ ناخواستہ در بازو دل
 موضعی خرم و سیرے خوش و جائے لکش
 گبر و مسلم ہمہ خوش جائے موزوں اندام
 جاہماتان بعرب ماند و درزی و لباس
 چون بروں رفتم ازین جائے ازاں چارہ بود
 از منی شانزدہم بود کہ گشتیم رواں
 این ہمہ جائے قدیمیست کہ در عہد امیر
 حایا دولت انگلیزند طرقتش از ترک
 مسجد جامع و ایوانگہ قبرس دیدم
 رووس و سکر برہ آمدوزاں پس از میر
 من سوی شہر رواں گشتم و یک یک دیدم
 فرض آمدینہ ادا کردم و از بعد نماز

ہرزہ ہست کہ فرزاندہ ندارد و باور
 برسیدیم و شستیم بہ و باور و گر
 زانکہ راہ من و او گشت جدا زین معبر
 زورق و کشتی و باور بود سرتاسر
 صد بہ بینی کہ در انداختہ آنجا تلگر
 از رہ یافتہ و پس کرد بہ سیروت مفر
 ہمہ ہم گشت و بہر ناجیہ ام شد رہبر
 ہر کہ سوزی بدش دارد و دردی بگر
 راہ ہموار و زمین پاک مکاں خوش منظر
 خاص و عامی ہمہ گلگون تن و زیبا سپر
 بیچ فرقی ز مسلمان نبود تا کافر
 پیش و میرفتم و بازم بقفا بود نظر
 پس بہ قبرس برسیدیم ہنگام سحر
 سپہ رفت بہ تخریش و زوقاں ظفر
 لیک با صلح نہ از یاوے تیغ و تبر
 سیراں بقعہ مرا بس عجب افزود عبر
 کشتہ استاد بہ از میر و شہی بردسبر
 مسجد و مکتب بازار ورہ و کوچہ و د
 در کتب خانہ سلطانیہ افتاد گذر

مجلسے از فقہا بود در آن جاو ہم
 زان یکے رو بن آورد کہ چونی چہ کسی
 گفتیم از ہندم و از خوان ادب نہ رہا
 گفت حال سخن از مستعہ ہمیرفت تو ہم
 من پیاخ در معنی در دم و مستعماں
 پس ز از میرد و ال گشتم و در عرض دورو
 مختصر گفتہ ام این حرف و تو ہم میدانی
 بخت از مستعہ ہمیرفت ہم از قول عمرؓ
 تا چرا بر زدہ و ا من محنت بکر
 طرفے برم از ہر جہت و ہر کشور
 گر توانے سخن گوے و مثالے اور
 لب تحسین بکشاد ند پس از بخت و نظر
 طے شد این راہ و پیا یاں برید این دفتر
 کہ دریں باد یہ پس تنگ بود راہ گرز

ہر کہ جو یا بود از حال من و در حال من
 بایدش گفت کہ این نظم بخواند یکسر



قسطنطنیہ کی اجمالی تاریخ اور مختصر حال

قبل اس کے کہ میں یہاں کے تفصیلی حالات جدا جدا عنوان سے بیان کروں ضرور ہے کہ نہایت مختصر طور پر اس کی قدیم تاریخ اور اس کے ساتھ اس کی عام موجودہ حالت اجمالی کے ساتھ بیان کروں، اس شہر کی ابتدائی تاریخ (یعنی جب وہ بزنطائن کے نام سے پکارا جاتا تھا) نہایت قدیم ہے، جس زمانہ سے اس کا نام قسطنطنیہ ہے اسکو بھی کچھ کم عرصہ نہیں گذرا، ۳۲۵ء میں قسطنطین اعظم نے اس کی بنیاد ڈالی، اور اس وقت سے محمد فاتح کے زمانہ تک قیصرانِ روم کا پایے تخت رہا، انگریزی اور حال کے انگریزی اور حال کے اسلامی جزائیوں میں اس کے حالات نہایت تفصیل سے ملتے ہیں، قدیم اسلامی جزائیوں میں بھی اس کا ذکر ہے، لیکن ابن بطوطہ کے سوا مجھکو کوئی اسلامی مصنف معلوم نہیں جس نے اس زمانہ کے واقعات چشم دید لکھے ہوں، ابن بطوطہ نے ۷۱۵ء میں اس شہر کو دیکھا، اس وقت یہاں عیسائی حکومت تھی، وہ لکھتا ہے کہ یہ نہایت عظیم الشان شہر ہے، اور ایک نہر کے حائل ہونے کی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا ہے، ایک حصہ جو شہر کے مشرقی کنارے پر ہے، استنبول کہلاتا ہے اور قیصر روم اور ارکانِ دولت و امرا اس حصہ میں رہتے ہیں، دوسرا حصہ غلطہ کے نام سے موسوم ہے، اس میں عموماً یورپ کے بڑے بڑے تاجر رہتے ہیں، جن کو قیصر بزرگ اپنی اطاعت میں رکھتا ہے، ابن بطوطہ نے ان سوداگروں کی وسعت تجارت کی تعریف اور ان کے غلے پن کی ہجو کی ہے، وہ

لکھتا ہے کہ "جب میں اس شہر میں داخل ہوا تو چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے علاوہ قریباً سو بڑے بڑے جہاز موجود تھے، لیکن تمام بازار نہایت نجس اور کثیف ہے، اور گرجے تک اس سے مستثنیٰ نہیں۔" مسلمانوں نے قرن اول ہی میں اسکو تسخیر کی نگاہ سے دیکھا تھا، چنانچہ سب سے اول جس نے اس کی شہر نیاہ کے آہنی دروازے پر تلوار ماری وہ عبدالقدیر بن المطلب خلیفہ ولید بن عبدالملک کا سپہ سالار تھا، اس کے بعد اور خلفاء و سلاطین نے بھی اس پر حملے کئے، لیکن قیصرانِ روم کا خاتمہ محمد فاتح کے ہاتھ سے ہونے والا تھا، جس نے ۱۴۵۳ء میں اس عظیم الشان دارالسلطنت پر صلیب کے بجائے علم اسلام بلند کیا، اس حیرت انگیز معرکہ کی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ عیسائیوں نے بندرگاہ کا راستہ دریا کی طرف سے روک رکھا تھا، ترکوں نے باسفورس اور گولڈن ہارن کے درمیان جو سنگلاخ زمین ہے، اس پر پانچ میل تک لکڑی کے تختے بچھا دیئے اور جہازوں کو جن میں پہنچے لگائے تھے، اس پر چلا کر تمام فوجیں گولڈن ہارن میں اتار دیں، اس وقت اس نامور فاتح کی عمر کل ۲۳ برس تھی، اس فتح کا مادہ تاریخ "بلدہ طیبہ" ہے،

موجودہ حالت

موجودہ حالت یہ ہے کہ آبنائے باسفورس کی شاخ جو دور تک چلی گئی ہے، یہ شہر اس کے دو کناروں پر آباد ہے، اور اس وجہ سے اس کے دو حصے بن گئے ہیں، ایک حصہ استنبول کہلاتا ہے اور تمام بڑی بڑی مسجدیں، کتب خانے، سلاطین کے مقبرے اسی حصہ میں ہیں، مسلمان کی آبادی بھی کثرت سے یہیں ہے، دوسرا حصہ پیرہ سے شروع ہوتا ہے، اور اس کے انتہائی جانب پر شکطاش وغیرہ واقع ہیں، جہاں سلطان کا ایوان نشانی اور قصر عدالت ہے، پیرہ کی دوسری طرف غلطہ ہے، اور چونکہ تمام بڑے بڑے لے ابن بطوطہ کے بیان کو ہم نے اس لحاظ سے نقل کیا ہے کہ موجودہ حالت سے موازنہ کر سکیں،

یورپین سوڈاگر اور سفرائے سلطنت یہیں سکونت رکھتے ہیں، اس کو یورپین آبادی کہتا
زیادہ مناسب ہے،

کہتے ہیں کہ دینا کا کوئی شہر قسطنطنیہ کے برابر خوش منظر نہیں ہے، اور حقیقت یہ ہے
کہ منظر کے لحاظ سے اس سے زیادہ خوشتا ہونا خیال میں بھی نہیں آتا، اسی لحاظ سے اس کی
بندرگاہ کو انگریزی میں گولڈن ہارن یعنی شاخِ زریں کہتے ہیں، کہیں کہیں عین دریائے
کنارے پر عمارتوں کا سلسلہ ہے، اور دور تک چلا گیا ہے، عمارتوں کے آگے جو زمین ہے
وہ نہایت ہموار اور صاف ہے، اسکی سطح سمندر کی سطح کے بالکل برابر ہے، اور وہاں
عجیب خوش نما منظر پیدا ہو گیا ہے،

شہر کی وسعت اور تمدن کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خاص استنبول میں
پانچ سو جامع مسجدیں، ۱۷ حمام، ۳۲ سراییں، ۱۶۴ مدارس قدیم، ۵۰۰ مدارس جدید،
۱۲ کالج، ۴۵ کتب خانے، ۳۰۵ خانقاہیں، ۴۸ چھاپے خانے ہیں، کاروبار اور کثرت
آمدرفت کی یہ کیفیت ہے کہ متعدد ڈراموں کے گاڑیاں، بارہ و خانی جہاز، زمین کے اندر
کی ریل، معمولی ریلیں (جو ہر آدھ گھنٹے کے بعد چھوٹی ہیں) ہر وقت چلتی رہتی ہیں، اور
یاد چھوڑ اس کے سڑکوں پر پیادہ چلنے والوں کا اس قدر ہجوم رہتا ہے کہ ہر وقت
میلہ سا معلوم ہوتا ہے، غلطہ اور استنبول کے درمیان میں جو پل ہے، اس پر سے
گزرنے کا محصول فی شخص ایک پیسہ ہے، اس کی روزانہ آمدنی پانچ چھ ہزار روپے
سے کم نہیں ہے،

توہ خانے نہایت کثرت سے ہیں، میرے تخمینہ میں چار پانچ ہزار سے کم نہ ہوں گے
بعض بعض نہایت عظیم الشان ہیں، جن کی عمارتیں شاہی محل معلوم ہوتی ہیں، توہ خانوں

توہ خانے

میں ہمیشہ ہر قسم کے شربت اور چائے و قہوہ وغیرہ مہیا رہتا ہے، اکثر قہوہ خانے دریا کے ساحل پر اور بعض عین دریا میں ہیں جن کے لئے لکڑی کا پل بنا ہوا ہے، قہوہ خانوں میں روزانہ اجارات بھی موجود رہتے ہیں، لوگ قہوہ پیتے جاتے ہیں اور اجارات دیکھتے جاتے ہیں، قسطنطنیہ بلکہ ان تمام ممالک میں قہوہ خانے ضروریات زندگی میں محسوب ہیں، میرے عرب احباب جب مجھ سے سنتے تھے کہ ہندوستان میں اس کا رواج نہیں تو تعجب سے کہتے تھے، بالمشیت یسولون یعنی وہاں لوگ جی کیونکر بہلاتے ہیں، ان ملکوں میں دوستوں کے بلنے جلتے اور گرمی صحت کے موقعے ہی قہوہ خانے ہیں،

انسوس ہے کہ ہندوستانیوں کو ان باتوں کا ذوق نہیں، وہ جانتے ہی نہیں کہ اس قسم کی عام صحتیں زندگی کی دلچسپی کے لئے کس قدر ضروری ہیں، اور طبیعت کی تشگفتگی پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے، دوستانہ مجلسیں ہمارے ہاں بھی ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی دوست کے مکان پر دو چار اجاب کبھی کبھی مل بیٹھتے ہیں، لیکن اس طریقہ میں دو بڑے نقص ہیں، اولاً تو تفریح کے جلسے پر فضا مقامات میں ہونے چاہیں، کہ تازہ اور لطیف ہوا کی وجہ سے صحت بدنی کو فائدہ پہنچے، دوسرے سخت خرابی یہ ہے کہ چونکہ یہ جلسے پرائیویٹ جلسے ہوتے ہیں، اس لئے ان میں غیبت، تکایت اور اس قسم کی لغویات کے سوا اور کوئی تذکرہ نہیں ہوتا، بخلاف قہوہ خانوں کے جہاں مجمع عام کی وجہ سے اس قسم کی باتوں کا موقع نہیں مل سکتا، قسطنطنیہ اور مصر میں ہمیشہ شام کے وقت دوستوں کے ساتھ قہوہ خانوں میں بیٹھا کرتا تھا، لیکن میں نے کبھی اس قسم کے تذکرے نہیں سنے، تفریح اور بذلہ سنجی کے سوا وہاں کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا اور نہ ہو سکتا تھا،

قسطنطنیہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کسی کو یورپین اور ایشیائی تمدن کی تصویر
ایک مرقع میں دکھانی ہو تو یہاں دیکھ سکتا ہے، کتب فروشوں کی دوکانوں کی سیر کر تو
ایک طرف ایک نہایت وسیع دکان ہے، سنگ خام کا فرش ہی، شیشہ کی نہایت خوبصورت
الما ریاں ہیں، کتابیں جس قدر ہیں جلد ہیں، جلدیں بھی معمولی نہیں بلکہ عموماً مطلقاً و مذہب
مالک دوکان میز کرسی لگائے بیٹھا ہے، دو تین کم سن خوش لباس لڑکے ادھر ادھر کام
میں لگے ہیں، تم نے دکان میں قدم رکھا ایک لڑکے ڈکڑی لاکر سامنے رکھ دی، اور کتابوں
کی فہرست حوالہ کی، قیمت فہرست میں مذکور ہے، اور اس میں کمی بیشی کا
احتمال نہیں،

دوسری طرف سڑک کے کنارے چبوتروں پر کتابوں کا بے قاعدہ ڈھیر لگا
زمین کا فرش اور وہ بھی اس قدر مختصر کہ تین چار آدمی سے زیادہ کی گنجائش نہیں قیمت چکانے
میں گھنٹوں کا عرصہ درکار ہے،

اسی طرح ہر پیشہ و صنعت کی دکانیں دونوں نمونہ کی موجود ہیں، عام صفائی اور
زیب و زینت کا بھی یہی حال ہے، غلطیہ کو دیکھو تو یورپ کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے، دکانیں
بلند اور آراستہ، سڑکیں وسیع اور ہموار، کچڑ اور نجاست کا کہیں نام نہیں، بخلاف
اس کے استنبول میں جہاں زیادہ تر مسلمانوں کی آبادی ہے، اکثر سڑکیں ناصاف اور
بعض بعض جگہ اس قدر ناہموار کہ چلنا مشکل،

اس شہر میں اگر ایک سیاح کے دل میں غالباً جو خیال سب سے پہلے آتا ہوگا، وہ یہ
ہوگا کہ اس عظیم الشان دارالسلطنت کے دھڑوں میں اس قدر اختلاف
کیوں ہے، چنانچہ میرے دل میں سب سے پہلے یہی خیال آیا، میں نے اس کے متعلق

بہت کچھ بحث و تفتیش کی، باشندوں کے اختلافِ حالت کا سبب تو میں نے آسانی سے معلوم کر لیا، یعنی مسلمانوں کا افلاس اور دوسری قوموں کا تمول، لیکن سڑکوں اور گزرگاہوں کی ناہمواری و غلاظت کا بظاہر یہ سبب قرار نہیں پاسکتا تھا، اس لئے میں نے ایک معزز ترکی انسری یعنی حسین حسیب آفندی پولیس کمشنر سے دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ ہماری مینوسپلٹی کے ٹیکس بہت کم ہیں، بہت سی چیزیں محصول سے معاف ہیں، لیکن غلطی میں یورپین سوداگر خود اپنی خواہش سے بڑے بڑے ٹیکس ادا کرتے ہیں، اس لئے مینوسپلٹی ان رقموں کو فیاضی سے صرف کر سکتی ہے، مجھے خیال ہوا کہ وہی غلطی ہے، جس کی نسبت ابن بطوطہ نے نجاست اور میلہ پن کی سخت شکایت کی ہے، یا اب ان کو صفائی و پاکیزگی کا یہ اہتمام ہے کہ اس کے لئے بڑے بڑے ٹیکس ادا کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ صفائی اور خوش سلیقگی آج کل بڑے کا خمیر بن گیا ہے،

یہاں کی عمارتیں ہندوستان کی عمارتوں سے بالکل جدا وضع کی ہیں، مکانا
عموماً سہ منزلہ چو منزلہ ہیں، صحن مطلق نہیں ہوتا، عمارتیں تمام لکڑی کی ہیں، بڑے
بڑے امرا اور پاشاؤں کے محل بھی لکڑی ہی کے ہیں اور یہی سبب ہے کہ یہاں
اکثر آگ لگتی ہے، کوئی مہینہ بلکہ ہفتہ خالی نہیں جاتا کہ دو چار گھر آگ سے جل کر
تباہ نہ ہوں، اور کبھی کبھی تو محلے کے محلے جل کر خاک سیاہ ہو جاتے ہیں، آگ بجھانے
کے لئے سلطنت کی طرف سے نہایت اہتمام ہے کہ کئی سو آدمی خاص اس کام
پر مقرر ہیں، ایک نہایت بلند منارہ بنا ہوا ہے، جس پر چند ملازم ہر وقت موجود
رہتے ہیں، کہ جس وقت کہیں آگ لگتی دکھیں فوراً خبر کریں، اس قسم کے اور بھی

عمارتوں کی وضاحت

آتش زدگی

چھوٹے چھوٹے منارے جا بجا بنے ہوئے ہیں، جس وقت کہیں آگ لگتی ہے فوراً توپیں سر ہوتی ہیں، اور شہر کے ہر حصہ سے آگ بجھانے والے ملازم تمام آلات کے ساتھ موقع پر پہنچ جاتے ہیں، ان کو حکم ہے کہ بے تحاشا دوڑتے جائیں، یہاں تک کہ اگر کوئی راہ چلتا ان کی جھپٹ میں آکر پس جائے، تو کچھ الزام نہیں، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ پتھر کی عمارتیں کیوں نہیں بنتیں، معلوم ہوا کہ سردی کے موسم میں سخت تکلیف ہوتی ہے، اور تندرستی کو نقصان پہنچتا ہے،

آب و ہوا یہاں کی نہایت عمدہ ہے، جاڑوں میں سخت سردی پڑتی ہی، اور کبھی کبھی برت بھی گرتی ہے، گرمیوں کا موسم جس کا مجھ کو خود تجربہ ہوا، اس قدر خوش گوار ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا، تعجب ہے کہ ہمارے یہاں کے امرا شملہ اور نیننی تال کے بجائے قسطنطنیہ کا سفر کیوں نہیں کرتے، پانی پہاڑ سے آتا ہے، اور نہایت ہاضم اور خوش گوار ہے،

ہر قسم کے میوے کثرت سے ہیں، اور خصوصاً انگور اور خرپزہ بے مثل ہوتا ہے، لکھنؤ کے خرپزے لطافت میں تو شاید بڑھ کر ہوں، لیکن شیرینی میں یہاں کے خرپزوں کی برابری نہیں کر سکتے، امرود جن کو اہل عرب انجاس کہتے ہیں، عجیب مخروطی شکل کے ہوتے ہیں، رنگ میں تو نہیں لیکن صورت میں گاجروں سے مشابہ مگر نہایت شیریں اور لذیذ، سیب کابل کے سیب سے بڑے اور زیادہ شیریں، ایک میوہ یہاں ہوتا ہے جس کو شمش کہتے ہیں، وہ ہمارے یہاں کی جان سے کچھ مشابہ ہے، ہر قسم کے میوے نہایت ارزاں ہیں، انگور ۲ سیر تک آتے ہیں، عمدہ سے عمدہ پیسے کے دو دو علی ہذا،

آب و ہوا

میوہ جاتا

لباس اور وضع

لباس اور وضع بالکل یورپین ہی، ظاہری ہنیت سے کسی شخص کا مسلمان یا عیسائی ہونا معلوم نہیں ہو سکتا، لال ٹوپی جو ترکوں کا امتیازی لباس ہو سکتا ہے عیسائی اور یہودی بھی استعمال کرتے ہیں، اور اس وجہ سے دونوں قوموں میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں، یہ طریقہ ایک اعتبار سے تو اچھا ہے کیونکہ دنیا کی مختلف قوموں میں اختلاف کے آثار جس قدر ملتے جاتے ہیں تمدن کے لئے مفید ہے، لیکن سوشل ضرورتوں میں اس سخت ہرج ہرج ہوتا ہے، مجھ کو اس کی وجہ سے اکثر دشواریاں پیش آئیں، اور ہمیشہ خیال آتا تھا، کہ حضرت عمرؓ نے اگر عیسائیوں کو قومی لباس کی پابندی کا حکم دیا تو بہت بجا کیا، تعجب یہ ہے کہ یہاں مذہبی گروہ، یعنی علماء اور مدرسین بھی یورپ کے اثر سے نہیں بچ سکے ان کے پاجاموں میں تیلون کی طرح بٹن ہوتے ہیں، صرف یہ فرق ہے کہ اوپر گھیر ہوتا ہے، اور خوبصورتی کے ساتھ چٹیس ہوتی ہیں، کرتہ یا اچکن کے بجائے صرف واسکوٹ ہوتا ہے، واسکوٹ کے اوپر عبا پہنتے ہیں، اور یہی امتیازی علامت ہے جو ان کو اور گروہ کے آدمیوں سے الگ کرتی ہے، اس میں بھی یورپ کا یہ اثر ہے کہ عبا کے ٹکے نہیں لگاتے اور سامنے سے واسکوٹ کھلا رہتا ہے، ٹرکی ٹوپی عموماً یہ لوگ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن اس پر سپید کپڑے کی ایک دھچی لپٹی ہوتی ہے، جس کو عربی میں لہم کہتے ہیں، اور وہ اہل علم کی خاص علامت خیال کی جاتی ہے، عورتوں کے لباس کی تفصیل میں عورتوں کی تہذیب و معاشرت کے ذکر میں لکھوں گا،

جامع اور شاہ
ایوانات

یہاں کی عمدہ اور یادگار عمارتیں، جامع مسجدیں اور شاہی ایوانات ہیں، جامع مسجدوں کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ جداگانہ عنوان سے آگے آئیگا،

شاہی ایوانات کو یہاں سرے کہتے ہیں، ان کی تعداد بیس یا اکیس ہے، اور سب دور دور فاصلے پر واقع ہیں، یہ عمارتیں مختلف سلاطین کے عہد کی ہیں، اور نہایت عظمت و شان کی عمارتیں ہیں، ایک ایوان عین لب دریا ہے، جو سرتاپا سنگِ رخام کا ہے، اور نہایت وسیع، بلند، خوشنما ہے، حال میں شہنشاہِ جرمنی سلطان کا ہاں ہوا تھا تو اسی ایوان میں ٹھہرا تھا،

یہ بات نہایت تعجب کی ہے کہ تمام شہر میں کوئی ٹاؤن ہال نہیں، پبلک گارڈن یعنی باغِ عامہ بھی ایسا مختصر ہے کہ اس عظیم الشان دارالسلطنت کے لئے کسی طرح موزوں نہیں،

کوئی ٹاؤن ہال
نہیں

عدالتیں (بجز دو تین کے) سب یکجا واقع ہیں اور اس محسوسی عمارت کو بابِ عالی کہتے ہیں، وزیرِ اعظم کا محکمہ بھی یہیں ہے، یہ عمارتیں چند ان شان دار نہیں ہیں، ہائی کورٹ جس کو یہاں محکمہ التمییز کہتے ہیں، بابِ عالی سے فاصلہ پر ہے، میں اس کے اندر تو نہیں گیا، لیکن باہر سے بڑی شاندار عمارت معلوم ہوتی ہے، پولیس کمانڈر کی عدالت غلطہ میں ہے، میں نے اس کی اچھی طرح سیر کی، عمارت چنداں قابلِ ذکر نہیں ہے، لیکن نہایت مرتب اور آراستہ ہے، اجلاس کے کمرہ میں بیش قیمت ترکی قالین بچھا ہوا ہے، کرسیاں بھی نہایت خوبصورت اور موزوں ہیں، معارف یعنی سررشتہ تعلیم کا محکمہ بھی میں نے دیکھا، معمولی عمارت ہے، لیکن صفائی اور خوش سلیقگی کی وجہ سے خوشنما معلوم ہوتی ہے،

عدالتیں

ترقی تعلیم کالج اور سکول

ترقی تعلیم

اس دور دراز سفر سے کتب خانوں کی سیر کے علاوہ اگر میرا کچھ اور مقصد ہو سکتا تھا، تو یہاں کی طرز تعلیم اور ترقی تعلیم کا اندازہ کرنا تھا، چنانچہ میں نے اس پر بہ نسبت اولیٰ تمام باتوں کے زیادہ توجہ کی، اور جہاں تک ہو سکا کوشش اور محنت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، لیکن ناظرین کو یہ امید نہ کرنی چاہئے کہ میں اپنے مقاصد میں پورا کامیاب بھی ہوا، اور یہ کہ میری تعلیمی رپورٹ کوئی مکمل رپورٹ ہوگی، تحقیقات کے لئے میں جو کوشش کر سکتا تھا وہ یہ تھیں کہ چند بار سررشتہ تعلیم کے دفتر میں گیا، افسرانِ تعلیم سے تحقیق طلب باتیں دریافت کیں، بڑے بڑے کالج اور اسکول خود جا کر دیکھے، ٹیچروں اور پروفیسروں سے ملا، کالجوں کی سالانہ رپورٹیں حاصل کیں، لیکن یہاں ان تمام کوششوں پر بھی پوری کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، ترکوں میں یہ عجیب دستور ہے کہ وہ ہر ایک بات کو پائلٹیکس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور اس وجہ سے کسی معاملہ کا منظر عام میں آنا پسند نہیں کرتے، سررشتہ تعلیم کی رپورٹ جو سالانہ کے ساتھ شائع ہوتی ہے، نہایت مختصر اور محض مجمل ہوتی ہے، یہاں تک کہ مصارفِ تعلیم اور پروفیسروں اور ٹیچروں کی تنخواہوں کا ذکر تک نہیں ہوتا، بعض بعض کالجوں مثلاً مکتبِ حریبہ، مکتبِ سلطانی کی جداگانہ رپورٹیں شائع ہوتی ہیں، لیکن ان میں نتائج امتحان اور نصابِ تعلیم کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا،

اول اول مجھ کو خیال ہوا کہ چونکہ میری رسائی کے وسیلے کم تھے، اس لئے یہ حالت کم معلوم ہو سکے، لیکن جب میں نے خیر الدین پاشا وزیر ٹونس کی کتاب پڑھی تو تسکین ہو گئی، اس نے جہاں ترکی کا ذکر کیا ہے، اور اس کی تہذیبی و تعلیمی ترقیوں کا حال لکھا ہے، نہایت اجمال سے کام لیا ہے اور یہ معذرت کی ہے کہ میں نے ترکی کے جو حالات لکھے وہ انگریزی کتابوں کے ذریعہ سے لکھے اور اس وجہ سے مفصل نہ لکھ سکا، لیکن مسلمانوں کی تحریرات میں اس قدر بھی نہیں مل سکتا، اس تہید اور معذرت کے بعد میں اصل مطلب شروع کرتا ہوں،

قسطنطنیہ بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں تعلیم کے دو طریقے ہیں، قدیم و جدید، قدیم تعلیم، ترکی حکومت کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی، چنانچہ آر خان المتوفی ۱۲۶۱ھ نے جو اس سلسلہ کا دوسرا بادشاہ تھا، ارتیق میں ایک مدرسہ قائم کیا، یہ پہلا مدرسہ تھا جو ممالک عثمانیہ میں قائم ہوا، آر خان کے بعد اور سلاطین نے حوصلہ شاہانہ سے تعلیم پر توجہ کی اور سیکڑوں دارالعلوم اور مدرسے قائم کئے، چنانچہ ہمارے رسالہ "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے، نئی تعلیم کی تاریخ اس وقت سے شروع ہوتی ہے، جب ترکی حکومت ایشیائی قالب چھوڑ کر یورپین قالب میں آئی، اس انقلاب کا بانی سلطان محمود تھا، جس نے اول اول یورپین وضع اختیار کی، اور فوج کو یوپی کے طرز پر آراستہ کیا، اسی مجدد نے ۱۲۵۰ھ میں مکتب حربیہ کی بنیاد ڈالی جو تعلیم جدید کا پہلا کالج تھا، یہ کالج اب بھی موجود ہے، اور تمام حربی مدارس کامرگز ہے، سلطان محمود کے بعد سلطان عبد الحمید نے ۱۲۶۱ھ میں جدید تعلیم کو زیادہ وسعت دی اور مکاتب رشدیہ قائم کئے، اس

تعلیم کے مختلف طریقے

عہد سے اب تک یہ تعلیم نہایت وسعت کے ساتھ جاری ہے، اور روز افزوں ترقی کر رہی ہے تعلیم جدید کے چار درجے قرار دیئے گئے ہیں،

ابتدائی تعلیم

ابتدائیہ، اس کی مدت تعلیم زیادہ سے زیادہ پانچ برس ہے، لیکن ذہین اور ہوشیار طالب علم دو تین برس بلکہ برس دو برس میں ہی اس کو ختم کر کے اوپر ترقی کر سکتا ہے، اس میں قرآن مجید، ترکی زبان، عربی کا املا، خط، حساب تقسیم تک سکھایا جاتا ہے،

رشدیہ

رشدیہ، مدت تعلیم تین برس، اس میں ترکی املا، مفردات زبان ترکی، نحو ترکی، عقائد اسلام، زبان ترکی، حساب چاروں حصے، فریح زبان، عربی زبان، جغرافیہ، اقلیدس، کاغذات تجارت کے اصول، نقشہ کشی کی تعلیم ہوتی ہے، یہ درجہ تقریباً ہمارے یہاں کے ٹڈل کے برابر یا اس سے کچھ بڑھکر ہے،

اعدادیہ اولیٰ اسکے طلبہ کی تعداد

رشدیہ کے بعد اعدادیہ ہے، جس کو انٹرنس کہا جاسکتا ہے، اس کلاس کے طالب علم کی مجموعی تعداد ۱۸۹۲ء میں ۵۲۱۵ تھی، اس میں تمام اضلاع اور خود پایہ تحت کے مدارس شامل ہیں،

اعدادیہ کے بعد خاص خاص کالج ہیں، مثلاً مکتبہ ملیکہ، مکتبہ الحقوق وغیرہ جن کا مفصل بیان آگے آئے گا، ہر قسم کے عام و خاص مدرسے جو قسطنطنیہ میں ہیں، ان کی تعداد پانسو ہے، جن میں ۳۱ بڑے بڑے کالج ہیں،

حالیہ حالات کے زمانہ میں تعلیم کی ترقی

یہ امر عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ سلطانِ حال کے عہد میں تعلیم نے نہایت ترقی کی ہے، اور روز بروز کرتی جاتی ہے، سلطان کی تخت نشینی کے وقت مدارسِ رشدیہ کی تعداد ۹۶ تھی، لیکن اب ۴۰۵ ہے، ہر قسم کے نئے مدارس جو سلطان کی شانزہ سالہ حکومت میں قائم ہوئے، ان کی تعداد دو ہزار ہے، اس کے ساتھ اسکولوں اور کالجوں میں طلبہ کی

کی تعداد اس کثرت سے بڑھتی جاتی ہے، کہ ترقی تعلیم کے سالِ ماقبل کی رپورٹ سالِ مابعد سے کچھ نسبت نہیں رکھتی، پروفیسر دیبر نے اب سے چند برس پہلے ترکوں کی عام ترقی پر جو لکچر دیا، اس میں مکتبِ احقوق (قالونی کالج) کے طالب علموں کی تعداد تین سو بیان کی ہے، لیکن جب میں قسطنطنیہ میں تھا تو اس کالج میں بارہ سو طالب علم موجود تھے، میں نے زمانہ قیامِ مصر میں قاہرہ کے مشہور اخبار الموند میں پڑھا تھا، کہ سلطانِ حال نے جب عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی، تو مصارفِ تعلیم تین لاکھ پونڈ سالانہ تھے، لیکن اب آٹھ لاکھ پونڈ سالانہ ہیں۔ یہ رقم ہمارے یہاں کے ایک کروڑ میں لاکھ کے مساوی ہے،

تعلیم کے ساتھ
مصارف

حقیقت میں سلطان کو تعلیم کے ساتھ عجیب و غریب ہے، مکتبِ ملکیہ اور مکتبِ احقوق جو قسطنطنیہ کے نامور کالج ہیں خاص سلطان کے قائم کردہ ہیں، حضرت مدوح کو ان کالجوں کی طرف یہ التفات ہے کہ چند بار بنفسِ نفس ان کے معائنہ کو شریف لاکھے ہیں،

جس زمانہ میں میں قسطنطنیہ میں تھا، حضرت مدوح نے تمام بڑے بڑے کالجوں کے طالب علموں کی شاہانہ دعوت کی، قسطنطنیہ میں کاغذخانہ ایک مشہور سیرگاہ ہے جہاں ہفتہ میں ایک بار تماشائیوں کا مجمع ہوتا ہے، یہ مقام دعوت کے لئے تجویز کیا گیا اور حکم ہوا کہ ہر کالج کے لڑکے باری باری وہاں بلائے جائیں، سب سے پہلے مکتبِ حربیہ، پھر مکتبِ ملکی (سول سروس کالج) اور دوسرے کالجوں کے طلبہ مدعو ہوئے، طالب علم کالج سے چلتے تھے تو سلطان کے حکم کے موافق شاہی بینڈ ان کے آگے آگے بجاتا تھا، چونکہ مصارجِ ملکی کی وجہ سے سلطان خود ان جلسوں میں شریک

نہیں ہو سکتے تھے ہمیشہ ان کی طرف سے ایک وزیر شریک دعوت ہوتا تھا، اور طالب علموں کو سلطان کا سلام پہنچاتا، اُس وقت تمام طالب العلم بڑے جوش اور اخلاص سے بادشاہ ہم چوق یشا کا لغزہ بلند کرتے تھے، یعنی ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے۔

تعلیم کے صیغہ میں ایک نہایت مفید ایجاد جو حال میں سلطان کی خاص تجویز سے ہوئی، وہ مکتب العشار کا قائم ہونا ہے، اگرچہ اس وقت تمام ممالک عثمانیہ میں تعلیم کو ترقی ہے، لیکن اب تک عرب کے قبائل اس فیض سے قریباً بالکل محروم تھے، جس کی وجہ خود ان کی بے پروائی اور بدویت تھی، اس ضرورت سے سلطان نے خاص قبائل عرب کی تعلیم کے لئے ایک کالج اور اس کے ساتھ ایک وسیع اور مرتب بورڈنگ قائم کرنے کا حکم دیا، میرے زمانہ قیام ہی میں حکام اور عمال کے نام فرامین صادر ہوئے تھے کہ حجاز، یمن، دیار بکر، بصرہ، بغداد، طرابلس، المغرب، حلب، موصل، شام میں عرب کے جو معزز قبائل ہیں ان کے رُہ کے انتخاب کر کے بھیجے جائیں، سلطان نے ان کے ہر قسم کے مصارف حکومت کی طرف سے دینے منظور کئے، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو یہ کالج بڑی شوکت و شان کے ساتھ کھولا گیا، اور افتتاحی رسمیں ادا کی گئیں، عربوں کی تہذیب و تربیت کے لئے ایسی عمدہ کوشش کی نظیر تمام اسلامی تاریخ میں نہیں مل سکتی،

اس سے بھی زیادہ شاہانہ فیاضی کا ثبوت وار الشفقہ سے ملتا ہے، جو خاندانِ عثمانیوں کے لئے قائم ہوا ہے، اس مدرسہ میں ایک ہزار یتیم تعلیم پاتے ہیں اور

سب کے سب بورڈ ہیں، اس گروہ کثیر کے، خوراک لباس اور تمام دوسرے ضروری
مصارف کا بار سررشتہ تعلیم پر نہیں بلکہ سلطان اعظم کی ذات خاص پر ہے،
کالجوں اور اسکولوں میں سے جو زیادہ تر قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں،

چونکہ میں نے ان کالجوں کو خود دیکھا ہے اور ان کے
طریقہ تعلیم وغیرہ کے متعلق تفصیلی حالات دریافت
کئے ہیں، اس لئے آگے چل کر ان کو جداگانہ عنوان لکھوں گا

مکتب حریریہ شاہانہ

مکتب سلطانیہ

مکتب ملیکہ

اس کالج میں مضامین ذیل پڑھائے جاتے
ہیں، فقہ، اصول فقہ، روٹن لاء، قانون تجارت،
اصول محاکمہ، تعزیرات، قانون بحری،
پولیسکل اکاؤنٹی، یعنی سیاست مدن،
قوانین سلطنت ہائے یورپ، مختصر طور پر
قانون کی ایجاد کی تاریخ اور اس کے عہد
بعہد کی ترقیاں، طالب علموں کی کل تعداد
بارہ سو ہے، جن میں چھ سو بورڈ ہیں،
یہاں کے تعلیم یافتہ منصف اور
صدر الصدور وغیرہ ہو سکتے ہیں، مدت
تعلیم چار برس ہے،

مکتب الحقوق (یعنی قانونی کالج)

مدت تعلیم چھ برس، یہ رٹ کی کالج
کے مشابہ ہے،

مکتب المندسہ

<p>اس میں جرمن، فرینچ، یونانی، ارمینی، لاطین، اٹالین، روسی زبانیں سکھائی جاتی ہیں،</p>	<p>مکتب اللسان</p>
<p>اس کا سالانہ خرچ ۸۲۵۰ پونڈ یعنی ۲۷۵۰ روپے ہیں، طالب علموں کی تعداد ۲۴۰ ہے اور یہ کل ۱۲۰ لڑکے ہیں، ان کے مصارف خود مدرسہ کے فنڈ سے ادا ہوتے ہیں، اس میں اب تک حدادی، بخاری وغیرہ سکھائی جاتی تھی، لیکن سال گذشتہ میں مہتمم مدرسہ توفیق بک آفندی نے درخواست کی کہ کلوں کا کام سکھایا جائے،</p>	<p>مکتب الصناعتہ (یعنی ٹکنیکل اسکول)</p>
<p>یہ کالج نہایت عمدہ اصول پر قائم کیا گیا ہے، زمانہ ماقبل میں قاضی و مفتی جو مقرر ہوا کرتے تھے، ان کے لئے کسی قسم کی خاص تعلیم میں امتحان دینا مشروط نہ تھا، اب یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے، کہ جو شخص اس کالج کا تعلیم یافتہ نہ ہو وہ شرعی مناصب پر مقرر نہیں ہو سکتا، اس طریقہ نے سعی سفارشوں کی تقریروں کا راستہ بالکل مسدود کر دیا ہے، اس کالج میں فقہ کی تہمت</p>	<p>مکتب نواب</p>

اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہوتی ہے، تعلیم جدید کی
بعض چیزیں بھی اضافہ کی گئی ہیں، تاکہ موجود
زمانہ کی ضروریات پر واقفیت ہو،

اس میں فن جہاز رانی کی تعلیم ہوتی ہے،

مکتب بحریہ

اس میں کاشتکاری کی تعلیم ہوتی ہے،

مکتب الزراعة

طریقہ تعلیم کے متعلق چند باتیں زیادہ قابلِ لحاظ ہیں،

(۱) یہ کہ قریباً تمام کالجوں اور اسکولوں میں فرینچ زبان لازمی ہے، جس کا یہ نتیجہ

ہے کہ تعلیم جدید کا معمولی تعلیم یافتہ بھی فرینچ زبان سے نا آشنا نہیں مل سکتا،

(۲) تمام بڑے بڑے کالجوں میں فزیکس، کیمسٹری، جیالوجی وغیرہ کی تعلیم لازمی

ہے، اور ان علوم کی عملی مشق کرائی جاتی ہے، اس غرض سے ہر کالج میں کثرت سے ان

فنون کے آلات مہیا رہتے ہیں،

(۳) تاریخ کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے، مکتب ملیکہ کاکورس میں نے دیکھا

تھا، چھ ضخیم جلدوں میں ہے، جس میں علاوہ اور ملکوں کے یورپ کی مفصل تاریخ ہے،

اس کے ساتھ بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے متعلق یورپ کے اکثر مصنفین نے

نے جو غلطیاں کی ہیں، ان سے بچت اور اس پر رد و قدح ہوتی ہے،

(۴) بجز مکتب سلطانیہ کے جس میں عیسائی طالب علم کثرت سے ہیں، باقی اور

تمام مدارس میں ہر قسم کے علوم و فنون ملکی زبان یعنی ترکی میں پڑھائے جاتے ہیں،

تمام علوم جدیدہ کا ترکی زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے، اور وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، اگرچہ

یہ امر بحث طلب ہے کہ ترجمہ تعلیم کا عمدہ ذریعہ ہے یا نہیں، اور ہندوستان کے

طریقہ تعلیم کے متعلق
قابلِ لحاظ امور
فرینچ زبان کا
لازمی ہونا،

فنون
کی تعلیم

تاریخ کی اعلیٰ
درجہ کی تعلیم

علوم جدیدہ کی
تعلیم ترکی زبان
کے ذریعہ سے
کرائی جاتی ہے،

بڑے بڑے نامور اربابِ رائے نے اس بحث میں نفی کا پہلا اختیار کیا ہے لیکن غالباً وہ بحث ہندوستان کے ساتھ مخصوص ہے، جہاں کی ملکی زبان گورنمنٹ کی زبان نہیں ہے، ترکی زبان سلطنت کی زبان ہے، اور اس کی مثال تمام دنیا میں نہیں مل سکتی کہ کسی سلطنت نے غیر قوم کی زبان میں علوم و فنون حاصل کر کے ترقی کی ہو، انگلستان کی نشوونما اس وقت شروع ہوئی جب علوم و فنون لیٹن سے انگریزی زبان میں منتقل ہو کر آئے، اور کچھ شبہ نہیں کہ ترکی کی ترقی بھی اگر ہو سکتی ہے، تو ملکی ہی زبان کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے،

بورڈنگ کا
طریقہ

(۵) تعلیم و تربیت کے معاملہ میں جو چیز سب سے زیادہ قابلِ قدر اور قابلِ عزت ہے وہ بورڈنگ سسٹم ہے، حقیقت یہ ہے کہ ٹرکی نہایت فخر سے اس بات کا دعویٰ کر سکتی ہے کہ اس نے بورڈنگ کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ تمام بڑے بڑے کالجوں کے ساتھ بورڈنگ ہیں، اور ان میں نہایت کثرت سے طلبہ رہتے ہیں، لیکن یہ التزام ہے کہ خوراک، لباس، وضع، مکان، فرنیچر تمام چیزیں ایک سی ہوں، اور طالب علموں کی حالتوں میں فرق مراتب کا کوئی شائبہ نہ ہو، بورڈنگ کا کر ایہ اور خوراک کی جو فیس لی جاتی ہے، اس کے ساتھ کپڑوں کے دام بھی لئے جاتے ہیں، اور طالب علموں کے کپڑے خود کالج کے اہتمام سے طیار ہوتے ہیں، تمام لڑکے میز اور کرسیوں پر کھاتے ہیں اور ہر چیز میں تکلف، صفائی، خوش منظرگی کا نہایت اہتمام کیا جاتا ہے، فیس کی تعداد کسی کالج میں ۵ پونڈ سالانہ سے کم نہیں ہے، اور مکتب سلطانیہ میں ۴۰ پونڈ یعنی چھ سو روپیہ سالانہ ہے،

ترکوں کی یہ عجیب قابلِ قدر فیاضی ہے کہ باوجود زیادتی فیس کے عربان

کابجوں کے فیض سے محروم نہیں ہیں، ہر کالج میں غریب طالب علموں کی معتمد بہ تعداد ہے، اور دولت مند ترکوں کی طرف سے ان کو اس قدر امداد دی جاتی ہے، کہ وہ کالج کے تمام مصارف ادا کر سکتے ہیں، مکتب سلطانی جس کی فیس چالیس پونڈ سالانہ ہے، اس میں ۲۰۰ طالب علم غریب اور کم مقدور ہیں، ان میں سے ڈیڑھ سو طالب علموں کی فیس امرار اور اراکین حکومت ادا کرتے ہیں، اور پچاس کی سلطان اپنی جیب خاص سے عطا فرماتے ہیں، اس کا یہ اثر ہے کہ کالج کے احاطہ میں جا کر کوئی شخص کسی طرح تیز نہیں کر سکتا، کہ فلاں طالب علم غریب اور کم مقدور ہے، طالب علموں کی یکساں حالت، ان میں اتحاد اور قومیت کا نہایت قوی خیال پیدا کرتی ہے، اور غربا کو اعلیٰ درجہ کی معاشرت کا حاصل ہونا ان میں حوصلہ مندی اور بلند نظری کا مادہ پیدا کرتا ہے، یورپ کے بڑے بڑے کالجوں میں یہ بڑی کمی ہے، کہ کم مقدور لوگوں کو انکی فیاضی سے چنداں فائدہ نہیں پہنچتا، ترکوں نے اسی نقصان کا تدارک کیا ہے، اور نہایت خوبی سے کیا،

بورڈنگ کا یہ طریقہ : دیکھ کر مجھ کو اپنا درستہ العلوم یاد آتا تھا، اور میں اس کے بورڈنگ کے اختلاف مراتب پر افسوس کرتا تھا، لیکن میرا افسوس درحقیقت مدرسہ العلوم کی حالت پر نہ تھا، بلکہ قوم کے ان بزرگوں پر تھا، جن کو خدانے دولت اور مقدور دیا ہے، لیکن یہ توفیق نہیں دی کہ اپنی فیاضی سے اس بات کی کوشش کریں، کہ ہماری تعلیم گاہ میں غربا اور اہل قدرت ایک ہی بلند سطح پر نظر آئیں، میں علانیہ کہتا ہوں کہ ہمارے قومی کالج میں جو چیز سب سے زیادہ ضروری اور نہایت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ تمام طالب علموں کا لباس، وضع، خوراک، مکان، فرنیچر،

کلیتہً ایک کر دیا جائے، اور جو مختلف سطحیں آج کالج میں قائم ہیں بالکل مٹا دی جائیں
اگر یہ نہیں تو کالج میں قومیت کی روح نہیں،

طالب علموں
کا لباس،

یہاں کالجوں اور اسکولوں میں ایک جدت ہے، اور نہایت مفید اور موثر ہے،
وہ یہ کہ ہر طالب علم کے کوٹ کے گریبان پر سنہری کلابتوں میں اس کالج یا اسکول
کا نام کڑھا ہوا ہوتا ہے، جس میں وہ تعلیم پاتا ہے، کلابتوں کے صرف اُبھرے ہوئے
اعلیٰ درجہ کے خط نسخ کے مطابق ہوتے ہیں، چار بجے کے قریب کالجوں اور اسکولوں
کی گذرگاہوں پر جاؤ تو عجیب و غریب سیر نظر آتی ہے، غول کے غول لڑکے مدرسوں
سے نکل کر متعدد صفوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، اور اس ترتیب و انتظام سے چلتے ہیں کہ
گو یا باقاعدہ فوج جا رہی ہے، لڑکوں کا سرخ و سپید رنگ، اس پر سیاہ کوٹ اور
کوٹوں کے گریبان پر کالجوں کا زریں طغرا اس قدر خوش نما معلوم ہوتا ہے کہ
بیان سے باہر ہے،

اس طریقہ سے علاوہ زیب و زینت اور شان و شوکت کے ایک بڑا فائدہ
یہ ہے کہ طالب علم سیر و تماشے کی غرض سے بازار میں بھٹکتے ہیں، تو کوئی نامناسب
حرکت نہیں کر سکتے، کالج کا لباس جس کا ہر وقت پہننا لازمی ہے، پہنچوا دیتا ہے
کہ وہ طالب علم ہیں، اس لئے خواہ مخواہ ان کو کالج کے ناموس کا لحاظ کرنا پڑتا
ہے، اس پر بھی اگر کوئی لڑکا کسی ناروا صحبت میں شریک یا کسی بیہودگی کا مرتکب
ہو تو پولس مین پکڑ کر اس کو اس کالج یا اسکول میں پہنچائے گا جہاں وہ
تعلیم پاتا ہے،

یہاں کے بورڈنگ سسٹم میں بظاہر ایک نقصان معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ لنگ

ایک ایک
کمرے میں بہت
سے طالب علموں
کا رہنا

ایک کمرے نہیں ہوتے، بلکہ چچاس چچاس ساٹھ ساٹھ لڑکوں کے لئے، ایک بڑا
ہال ہوتا ہے، جس میں ان کی تعداد کے موافق پنک بچھے ہوتے ہیں، ہر پنک کے سر
ایک چھوٹی سی الماری ہوتی ہے، جس میں معمولی کپڑے اور کتابیں آجاتی ہیں،
میں نے اول اول یہاں کے بورڈنگ دیکھے تو فی الجملہ ان کی حقارت کا خیال پیدا
ہوا، خصوصاً اس وجہ سے کہ مدرسہ العلوم کے پرنسپل اور آراستہ کمرے میری
آنکھوں کے سامنے تھے، لیکن زیادہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ فائدہ سے خالی
نہیں، اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس کمی کی اصلی وجہ کثرت آبادی اور کافی
زمین کا نہ میسر آنا ہے، لیکن ان فوائد کے لحاظ سے جو بغیر اس خاص طریقہ کے حاصل
نہیں ہو سکتے، اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ قصداً ایسا کیا گیا ہے، اور ایسا ہی مناسب
تھا تو کچھ بھانہ ہوگا،

اس طریقہ سے جو نہایت مفید کام لیا گیا ہے، وہ یہ ہے، کہ تمام بورڈروں کی
روزانہ زندگی یکساں اصول پر قائم کی گئی ہے، مثلاً صبح ہوئی اور چوکیداروں نے جو
تمام رات سونے کے کمرے میں ٹھہلا کرتے ہیں تمام بورڈروں کو جگا دیا، دیوار میں
لڑکوں کی تعداد کے موافق ٹونٹیاں لگی ہیں، اور ان کے نیچے پکی تالی بنی ہے تمام
لڑکے وہاں جا کر ایک ساتھ بیٹھ گئے، لڑکوں کے ایک ساتھ آجانے کا اس قدر
التزام ہے کہ بعض بعض کاجوں میں ایک کل ہے جس کے پھرانے سے تمام
ٹونٹیوں کا منہ ایک ساتھ کھل جاتا ہے، جب تمام لڑکے آجاتے ہیں تو نوکر
اس کل کو پھراتا ہے، اور وقت مقررہ کے گزرنے پر بند کر دیتا ہے، اگر
کوئی لڑکا دیر کر کے آئے تو اس کو واپس جانا ہوگا، کیونکہ صرف ایک شخص کے لئے

تمام بورڈروں
کی یکساں
معاشرت

بہت سا پانی رائیگاں نہیں کیا جاسکتا، ہاتھ منہ دھو کر تمام لڑکے ریڈنگ روم میں رجو کتب بینی کے لئے مخصوص ہے، اور جہاں ایک نگران معلم موجود رہتا ہے، جا کر بچوں پر بیٹھ گئے، اور سبق کے یاد کرنے یا مطالعہ کے دیکھنے میں مصروف ہوئے، تمام طالب علم ایک ساتھ اٹھ کر کھانے کے کمرے میں گئے، کھانے کے بعد کالج کی گھنٹی ہوئی اور سب کالج کے کمروں میں جا بیٹھے، رات کو بھی تمام طالب علم ایک ہی کمرے (ریڈنگ روم) میں پڑھتے ہیں اور جب سونے کا وقت آتا ہے، تو سب ساتھ اٹھ کر سونے کے کمرے میں چلے جاتے ہیں، غرض سو کر اٹھنا، ہاتھ منہ دھونا، سبق مطالعہ کرنا، کھانا کھانا، کھیلنا، نماز کا پڑھنا، اور رات کے دس بجے اپنے اپنے پلنگ پر جا کر پڑھنا، یہ سارے کام طالب علموں کو ایک ساتھ کرنا پڑتے ہیں، اس طریقہ سے حفظ اوقات کی عادت ہو جاتی ہے، اور رفتہ رفتہ وہ طبیعت ثابینہ بن جاتی ہے اس طریقہ کے لئے ضرور ہے، کہ ایک ایک کمرے میں پچاس پچاس ساتھ ساتھ طالب علم کے رہنے کا انتظام کیا جائے ورنہ الگ الگ کمروں میں تمام کاموں کے ایک ساتھ انجام پانے کا کسی طرح انتظام نہیں ہو سکتا، ہمارے کالج میں ظہور حسین وارث جو ابھی قائم ہوا ہے، اسی اصول پر قائم ہوا ہے،

ترقی تعلیم میں
ابھی تک بعض
باتوں کی کمی
ہے

تعلیم کی وسعت اور ترقی کے متعلق اگرچہ یہ سب کچھ اہتمام ہے تاہم چونکہ نئے طریقہ تعلیم نے حال میں رواج پایا ہے، اس لئے ابھی بہت سی باتوں کی کمی ہے، جس کی نسبت امید ہے کہ رفتہ رفتہ پوری ہو جائے گی، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کالج بلکہ تمام شہر میں کوئی ڈیٹنگ کلب اور علی انجمن نہیں ہے، اس لئے طالب علموں کو تقریر کا ملکہ بہم پہنچانے کا کوئی موقع نہیں ملتا، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کالجوں

کے ڈگری یافتہ مجمع عام میں کسی مضمون پر لکچر یا اسپچ نہیں دے سکتے، اسی کا یہ بھی اثر ہے کہ تعلیم یافتہ گروہ میں ابھی تک وہ زندہ دلی، آزاد خیالی، حوصلہ مندی، بلند نظر نہیں پیدا ہوئی ہے، جو نئی تعلیم کا لازمہ ہے۔

ایک بہت بڑا نقص یہ ہے کہ کالجوں اور بڑے بڑے اسکولوں کا وجود اور نفاذ کی شہر بنیاد تک محدود ہے، بڑے بڑے شہروں میں اگرچہ کثرت سے مدرسے قائم ہو گئے ہیں، لیکن وہ عموماً اہستہ اور رشیدیہ یعنی اوسط درجہ کے مدارس میں جہاں تک میری واقفیت ہے، بیروت، دمشق، حلب، بیت المقدس میں ایک بھی ایسا علمی مدرسہ نہیں، جس پر کالج کا لفظ صادق اُسکے۔

اس سے بڑھ کر یہ افسوس ہے کہ قسطنطنیہ کے تمام کالج اور دارالعلوم جن کا میں نے ذکر کیا، حکومت کی طرف سے ہیں، قوم نے ابھی تک اس طرف کچھ توجہ نہیں کی ہے، یعنی اتنے بڑے دارالسلطنت میں ایک بھی قومی کالج نہیں، کوئی گورنمنٹ گورنمنٹی ہی مقتدر اور دولت مند ہو، لیکن تمام ملک کی علمی ضرورتوں کی کفیل نہیں ہو سکتی، اگر ہو بھی تو چنداں مفید نہیں، جس قوم کی تمام ضرورتیں گورنمنٹ انجام دیا کرتی ہے اُس کی دماغی اور روحانی قوتیں مردہ اور بیکار ہو جاتی ہیں۔ یورپ میں جو عظیم الشان علمی کارخانے پھیلے ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر قوم کا حصہ ہے، انگلستان کی مشہور یونیورسٹیاں، کیمبرج اور آکسفورڈ قومی ہی کوششوں سے قائم ہوئی ہیں، اور اس وقت تک اُنھوں نے گورنمنٹ کا زیر بار احسان ہونا منظور نہیں کیا ہے،

اس اجمالی رپورٹ کے بعد ہم بعض بعض کالجوں کا ایسی حال لکھتے ہیں،

مکتبِ حریب

یہ بہت بڑا کالج بلکہ بہت بڑی یونیورسٹی ہے، جس پر ترکوں کو فخر ہے، اور درحقیقت وہ اس فخر کا مستحق ہے، اگرچہ عربی تعلیم اصطلاحی تعلیم کے مفہوم سے کسی قدر الگ ہے، اس لحاظ سے ترقی تعلیم کے ذیل میں مکتبِ حریب کا ذکر کرنا بظاہر موزوں نہ تھا، لیکن اس کالج میں عربی علوم کے علاوہ طبیعیات، کیمیا، ریاضی اور بالخصوص طب کی تمام شاخوں کی تعلیم اس حد تک ہوتی ہے کہ ہم اس کو اصطلاحی تعلیم کے دائرہ سے باہر نہیں کہہ سکتے، یہ کالج ۱۲۵۰ء میں سلطان محمود نے قائم کیا تھا، اس زمانہ کی بہ نسبت عمارت میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے، اور نصابِ تعلیم تو اس قدر وسیع اور اعلیٰ ہو گیا ہے کہ گویا وہ کالج ہی نہیں رہا،

اس کالج کے ماتحت جس قدر عربی مدارس ہیں ان کی تعداد (۴۷) ہی جنہیں (۱۸) اعدادویہ ہیں، (۲۷) رشیدیہ جن میں کل ۹۲۲۴ طالب علم تعلیم پاتے ہیں، تفصیل نقشہ ذیل سے معلوم ہوگی،

قسم مدرسہ	مدارس پائے تحت		مدارس اضلاع	
	بورڈر	غیر بورڈر	بورڈر	غیر بورڈر
اعدادی	۱۰۹۶	۰	۷۴۵	۰
رشیدیہ	۱۵۵	۲۴۲۵	۱۲۸	۲۲۲۵

یہ کالج (مکتبِ حریب) بڑی عظمت و شان کا کالج ہے، اگرچہ قسطنطنیہ میں

عام دستور ہے کہ سکریٹری مدرسہ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی مدرسہ کے احاطہ میں داخل نہیں ہو سکتا، لیکن اس کالج میں اور بھی زیادہ اہتمام اور روک ٹوک ہے، میں نے جب اس کی سیر کا قصد کیا تو لوگوں نے کہا کہ اس کے لئے "ارادہ سنیہ" یعنی خود سلطان کی اجازت درکار ہے، اگرچہ ممکن تھا کہ عثمان پاشا جن سے اس زمانہ میں مجھ کو شرفِ ملازمت حاصل ہو چکا تھا، مجھ کو بآسانی اجازت دلاتے لیکن میں نے اس کام کے لئے ان کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا، حسین حبیب آبی پوسٹ کمنٹر سے بے تکلفانہ ملاقات تھی، ان سے تذکرہ کیا بولے کہ "در حریم مازولہ نیستم" مجبوراً مجھ کو ذاتی کوشش پر بھروسہ کرنا پڑا، اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ مکتب حریم کے سکریٹری ذکی پاشا ہیں، جو نہایت لائق اور اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ ہیں، میں نے خیال کیا کہ بغیر کسی واسطے کے خود ان سے ملنا چاہئے، شیخ علی ظہیان نے بھی یہی رائے دی، چنانچہ ہم دونوں پاشاے موصوف کے مکان پر گئے،

اتفاق سے وہ باہر جا چکے تھے، آدمی نے کہا ذرا مٹھڑ جائیے، شاید جلد آجائیں

اسی اثنا میں وہ آ پہنچے، گاڑی سے اترنے کے ساتھ انھوں نے ہماری طرف

رخ کیا، شیخ علی ظہیان اور میں دونوں عربی لباس میں تھے اگرچہ میرے سر پر ریشمی

عمامہ اور کمر میں سنہری پیٹی تھی، لیکن قفطان اور عبا کی وجہ سے مجموعی صورت

سے عرب معلوم ہوتا تھا، پاشاے موصوف کو اس وقت نہایت جلدی تھی، سلام علیک

کے ساتھ ہی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ عجیب دیاں (ترکی سکے) نکالیں، پہلے تو

مجھ کو سخت تعجب ہوا، پھر یہ خیال آیا کہ نعوذ باللہ انھوں نے ہم کو عام عربوں کی

طرح گداگر سمجھا، اس خیال کے ساتھ مجھ کو نہایت رنج اور رنج کے ساتھ غصہ

مکتب حریم کی
سیر کے لئے
ذکی پاشا
سے ملاقات

آیا میں نے چلا کر کہا شوہن، ماجئنا لہذا، لسان من الفقراء، یعنی یہ کیا ہے؟ ہم اس لئے نہیں آئے، ہم محتاج نہیں ہیں، پاشا موصوف اگرچہ عربی نہیں سمجھتے تھے، لیکن چہرے کی ہیئت اور لہجہ کلام سے سمجھے کہ یہ امر اس کو ناگوار گذرا، شیخ علی ظہیان کی طرف متوجہ ہوئے، کہ یہ غیظ میں کیوں ہیں؟ اور چاہتے کیا ہیں؟ شیخ علی ظہیان لوٹی پھوٹی ترکی بول لیتے تھے، میرے آنے کی غرض و غایت بیان کی، پاشا موصوف نہایت شرمندہ ہوئے، معذرت کے ساتھ کہا کہ آپ بالاخانے پر چلئے، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں، بالاخانے پر چند معزز عمدہ دار جمع تھے، انہوں نے نہایت احترام کے ساتھ ہمارا استقبال کیا، معمول کے موافق قہوہ آیا، ایک ایک سے مزاج پر سعی ہوئی، ان لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ میں ہندوستان کا باشندہ ہوں اور تحقیقاتِ علمی کی غرض سے یہاں آیا ہوں تو اس قدر گرویدہ ہوئے کہ ہر لفظ اور ہر ادا سے شوق اور محبت کا اظہار ہوتا تھا، نہایت افسوس تھا کہ میں ترکی سمجھتا تھا، نہ فریج اور وہ ان زبانوں کے سوا اور کسی زبان میں گفتگو نہ کر سکتے تھے، اٹھ اٹھ کر میرے پاس آ بیٹھتے تھے اور اظہارِ محبت کے ساتھ افسوس ظاہر کرتے تھے کہ ہم آپ کی زبان نہیں سمجھتے، تھوڑی دیر کے بعد ذکی پاشا نے معذرت کے ساتھ کہلا بھیجا کہ مجھ کو ضروری کام درپیش ہے، اس لئے میں خود نہیں آ سکتا، لیکن میں نے ایک افسر کو حکم دے دیا ہے، وہ آپ کو اچھی طرح کالج کی سیر کرادے گا، ان صاحب کا نام رضا بک تھا، اور میرا لائی کارتب رکھتے تھے، پاشا موصوف کی معذرت اگرچہ بہانہ پر محمول نہیں ہو سکتی تھی، واقعی ان کو بہت سے محکے سپرد ہیں، اور تمام تمام دن ان کو

دورے میں گذر جاتا ہے، لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ ان کو اپنی حرکت پر سخت
ندامت ہوئی تھی اور یہ بھی ان کے نہ آنے کا ایک سبب تھا،

مجھ کو اس بات کے معلوم ہونے سے کہاں علماء اور متصوفین جب کسی امیر

یا عہدہ دار سے ملتے ہیں تو اسی غرض سے ملتے ہیں کہ ایضاً نوری ہاتھ آئے
ذکی پاشا کی بدگمانی کا رنج تو جاتا رہا، لیکن اس فرقہ کے حال پر بہت افسوس
ہوا، نذر و نیاز کے طریقہ کو میں ہندوستان کے ساتھ مخصوص سمجھتا تھا، لیکن
افسوس یہاں بھی اس سے نجات نہیں پائی،

قصہ مختصر رضا بک کے ساتھ ہم مکتب حربیہ کو گئے، دروازے پر پہرہ تھا،
سپاہیوں نے فوجی قاعدے سے سلام کیا، اندر داخل ہوئے تو کالج کی
ایک مستقل آبادی تھی، رضا بک پہلے اپنے خاص کمرے میں لے گئے، وہاں کے
اور چند عہدہ دار موجود تھے، ان سے تعارف ہوا، معمول کے موافق قہوہ
آیا، تھوڑی دیر کے بعد رضا بک نے کہا کہ کھانے کی گھنٹی ہو چکی ہے، آئیے،
سب سے پہلے آپ کو کھانے کے کمرے کی سیر کرائیں، چونکہ اس وقت ڈائننگ
روم دکھانے کا کمرہ، اور اس کے متعلق جو عمارتیں ہیں ڈھا کرنے سے
تعمیر ہو رہی تھیں، اس لئے کالج کے سلسلہ عمارت سے کسی قدر فاصلہ پر
ایک مکان عارضی طور پر بنایا گیا تھا، اور کالج سے اس عمارت تک صاف
اور ہموار سڑک تیار کی گئی تھی، لڑکے اپنے اپنے کمروں سے نکل کر ڈائننگ
ہال چلے تو عجیب و غریب سماں نظر آیا، پانچ پانچ چھ چھ لڑکوں کی تیس چالیس
صفیں تھیں اور اس ترتیب و انتظام کے ساتھ جا رہی تھیں، کہ گویا باقاعدہ

لڑکوں کا کھانے
کے کمرہ کو جانا

فوج پانچ کر رہی ہے، وضع اور پاس بالکل ایک سا تھا اور چونکہ تمام لڑکے ترک یا شامی عرب تھے، رنگ و روپ میں بھی چنداں فرق نہ تھا، تعجب یہ ہے کہ اس گروہ کے ساتھ نہ کوئی افسر تھا نہ ان کو ہمارا آنا معلوم تھا، تاہم ان کی کوئی حرکت ترتیب انتظام کے خلاف نہ تھی اور شور و غسل کا مطلق نام نہ تھا، جب ہم کمرے کے اندر داخل ہوئے تو تمام لڑکے میز پر بیٹھ چکے تھے، ہال نہایت وسیع اور خوبصورت اور چھت پر طلائی کام تھا، دو تین قسم کے کھانے تھے، اور ترکی طریقہ کے موافق چار چار لڑکوں کے بیچ میں ایک ایک قاب تھی چھری کاٹے نہ تھے، صرف چمچے تھے، لیکن لڑکے کھاتے اس خوش سلیقگی سے تھے کہ نہ کسی کا ہاتھ بھرتا تھا، نہ میز کی چادر پر کہیں دھبہ پڑ سکتا تھا، غایب لڑکوں پر صفائی و پاکیزگی کی سخت تاکید ہے، چار پانچ سو لڑکے جو ہال میں موجود تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کپڑے بدل کر آئے ہیں، ہم جدھر گزرتے بعض بعض لڑکے کھڑے ہو جاتے اور کہتے تفضل یا مولانا، ان کے اصرار سے ہم نے دو ایک لقمے کھائے کھانا برا نہ تھا، لیکن ہم ہندوستانی قومہ ڈھونڈتے تھے، وہ یہاں کہاں؟

کھانے کے کمرے سے نکل کر تھوڑی دیر تک ہم ادھر ادھر پھرتے رہے یہاں تک کہ کاج کی گھنٹی ہوئی اور لڑکے لکچرز روم کو چلے، لکچرز روم (تعلیم کے کمرے) ہمارے ہندوستان کی قطع کے نہیں ہیں دور تک سیدھی قطاریں بہت سے کمرے ہیں، جن کی قطع عام مکانات کی سی ہے، پر و فیسرا ایک بلند چوہترہ پر بیٹھتا ہے، بعض بعض چوہتروں

کھانے میں لڑکوں کی صفائی اور خوش سلیقگی

لکچرز روم

کے گرو لکڑی کا کھڑہ بھی تھا، رضا بک اور ان کے ساتھ ہم جس کمرے میں جاتے ایک لڑکا اٹھ کر "بق" کا لفظ بلند آواز سے کہتا، اس آواز کے ساتھ تمام لڑکے کھڑے ہو جاتے اور ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتے، معلوم ہوا کہ کالج کا جب کوئی افسر آتا ہے، تو لڑکے اسی طرح اس کی تعظیم بجالاتے ہیں، رضا بک ہم کو تمام پروفیسروں سے انٹرووس کرتے تھے، لیکن افسوس یہ تھا کہ ہم کسی کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے، حمام، چھاپہ خانہ، نقاش خانہ، اور اس قسم کی بہت سی عمارتیں جو کالج کے احاطہ میں ہیں، ہم نے سب کی سیر کی، یہ عمارتیں اس کثرت سے ہیں کہ قریباً دو گھنٹے تک ہم برابر پھرے تب کہیں جا کر ختم ہوئیں، تشریح کی تعلیم کا کمرہ نہایت وسیع ہے، اور اعمال تشریحی کے سامان کثرت سے جمع ہیں، نقشہ کشی اور مصوری کے جو نمونے میں نے یہاں دیکھے کبھی نہیں دیکھے تھے، چھاپہ خانہ میں ایک ایجاد یہ دیکھی کہ جغرافیہ کا نقشہ بجائے کاغذ کے پتھر پر بنا کر چھاپا جاتا تھا، جو نقشہ اس وقت تیار ہو رہا تھا، نہایت گنجان اور باریک تھا، اور درحقیقت بڑی دیدہ ریزی کا کام تھا،

طالب علموں کی تفریح کے لئے ایک خوبصورت حوض بنا ہے، جس میں مختلف رنگ کی مچھلیاں پڑی ہیں، اور جابجا بنجیں اور کرسیاں بکھی ہیں، پروفیسروں اور پتھروں کے لئے ذرا فاصلے پر الگ حوض ہے، چونکہ چلتے چلتے تھک گئے تھے، ہم نے وہاں دم لیا اور دیر تک صحبت رہی، جب آفندی جو ترکی زبان کی انشا سکھانے پر مامور ہیں، اور فارسی زبان جانتے ہیں، آخری دورے میں ہمارے ساتھ ہو لئے تھے، ان کے ذریعہ سے کالج کے معزز افسروں سے

پروفیسروں
کا اخلاق

بے تکلف بات چیت ہو سکتی تھی، پروفیسروں اور طالب علموں نے مجھ سے جس خوش خلقی اور اسلامی محبت کا برتاؤ کیا میں اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا، اس بات کا نہایت افسوس رہا کہ جس دن ہم نے کالج کو دیکھا وہ عملی تعلیم کا دن نہ تھا، اس وجہ سے فوجی مشقیں یعنی قواعد، نشانہ بازی، شہسواری، مورچہ بنانا، مددے تیار کرنے اور اس قسم کی کوئی چیز نہ دیکھ سکے، ممکن تھا، کہ اور کسی دن جا کر دیکھتے لیکن ہماری قیام گاہ سے کالج اس قدر دور تھا، کہ پھر ہمت نہ ہوئی، اس کالج میں تعلیم کی متعدد شاخیں ہیں،

تعلیم کی متعدد
شاخیں

۱۱، ارکان حربیہ یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اور اس کی مدت تعلیم تین برس ہے اس کی دو شاخیں ہیں، فنی و عسکری، فنی میں مضامین ذیل پڑھائے جاتے ہیں تقسیم اراضی و ہیئت، نظریات جرنٹیل، معماری، زبا نہاے فرنج و جرمن و روس، قلعوں کا محاصرہ اور اس کے اصول جنگ، فوجی ٹیلگراف، وظائف ارکان حرب، فوجی ایجادیں، عملیات، اشکال معماری، سفرینا، ممالک عثمانیہ کی سرحدیں اور کل ممالک یورپ کی ریلوے لائنیں، فنِ اسلحہ، تئقیدہ، علم طبقات الارض، یوز کی فوجوں کی ترتیب اور اصول، دنیا کی مشہور لڑائیاں، اور فوجی اصول کے لحاظ سے ان کی کیفیت وقوع اور فتح و شکست کے اسباب کی تحقیق، اقلیدس، جبر و مقابلہ، پلوغرافیا، فنِ اسلحہ، خفیہ، کتابت، تاریخ فن حرب، تصویر کشی،

عسکری میں بھی اکثر یہی مضامین ہیں، اس کے ساتھ بعض بعض جدید مضامین ان دونوں درجوں میں پڑھائے جاتے ہیں ان میں سے اکثر کی ابتدا ہی تعلیم اور اس کا وہ یہاں ہو چکتی ہے ان درجوں میں صرف ان کی تکمیل ہوتی ہے

اور یہی وجہ ہے کہ تین برس میں اس قدر مختلف مضامین کی تحصیل ہو سکتی ہے، رشیدیہ سے اس درجہ تک کی تعلیم کی کل مدت دس برس ہے،

(۲) سواری کی تعلیم، اس کی مدت تعلیم تین برس ہے، اور علاوہ عملی مشقوں کے مضامین ذیل کی تعلیم ہوتی ہے، ہندسہ رسمیہ، پلوغرافیا نظری و عملی، زباہا کے سرچ و جرمن و روس، کیمیا فن اسلحہ، فوجی ایجادات جغرافیہ عسکری، (۳) پیادہ، مدت تعلیم تین برس، اس میں علاوہ مشقوں کے جغرافیہ فوجی، فن اسلحہ، جرمن و فرینج و روسی زباہیں، فوجی ایجادات، استحکامات خفیہ، حفظ اوصحت کی تعلیم ہوتی ہے،

(۴) بیٹر یعنی طب حیوانات، مدت تعلیم چار برس، مضامین درسیہ یہ ہیں، عام امراض، فن ولادت، فن فروسیت، امراض داخلیہ، امراض متولیہ، فن جراحی، امراض خارجیہ، فرینج زبان، کتابت، کیمیا، عضوی، مفردات طب، تشریح منافع الاعضا، نباتات، علم ایحوانات، کیمیات غیر عضوی، علم الارض و المعاون ان چاروں صیغوں میں قریباً چھ سو لڑکے زیر تعلیم ہیں، اور ان کو سند حاصل کرنے کے بعد حسب مراتب افسری کے عہدے ملتے ہیں، ان کے نیچے اہل ادویہ اور رشیدیہ کی کلاسیں ہیں، جن کی مدت تعلیم سات برس ہے، اور تاریخ، جغرافیہ، حساب، اقلیدس، طبیعیات، کلون کا کام اور اس قسم کے مضامین کی تعلیم ہوتی ہے، کل طالب علم جو اس کالج کی مختلف شاخوں میں تعلیم پاتے ہیں، تعداد میں پندرہ ہیں، جن میں سے ایک ہزار بورڈر ہیں، پروفیسر، اسٹنٹ پروفیسر و پٹچر ہیں، جن میں سے اکثر کالج، کالج کے احاطہ میں سکونت رکھتے ہیں، اکثر پروفیسر

سواری

پیادہ

بیٹاری یعنی جانوروں کا علاج

پروفیسروں اور پٹچروں کی تعداد

اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اور معزز عہدہ دار ہیں، ان میں سے چھ شخص پاشا کا منصب رکھتے ہیں، جن کے نام یہ ہیں، ثروت پاشا سکریٹری، قالیق پاشا پروفیسر کیمیا سے عضوی، ہزبر پاشا پروفیسر تعلیم سواری، تفوق پاشا پروفیسر طبقات الارض، شاکر پاشا پروفیسر ارکان حرب، عثمان پاشا پروفیسر زبان جرمن، نوپروفیسروں کو میرا لائی کار تہہ حاصل ہے،

مکتبِ لطانی

یہ بھی قدیم کالج ہے، اور مکتبِ حریمیہ کے سوا تمام کالجوں سے ممتاز ہے، یہ غلطہ سرائے میں واقع ہے، جہاں زیادہ تر یورپین تاجرا آباد ہیں، اور اس وجہ سے تمام اور کالجوں کی نسبت عیسائی لڑکے اس میں زیادہ ہیں۔

مجھ کو افسوس ہے کہ جس وقت میں نے کالج کو دیکھا تعطیل کا زمانہ تھا، اور بجز دو تین عہدہ داروں یعنی سکریٹری اور نائب سکریٹری وغیرہ کے اور کوئی افسر موجود نہ تھا، کالج کی عمارت دو منزلہ ہے، بورڈنگ اور لکچرز روم سب اوپر کے درجے میں ہیں، علم ایجوکیشن کی تعلیم کے لئے نہایت وسیع کمرہ ہے جس میں کثرت سے ہر قسم کے مردہ جانور اور بڑے بڑے جانوروں کے ڈھانچے ہیں، وہیل مچھلی کا ڈھانچہ میں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا، کیمیا اور الیکٹریسیٹی کے تجربوں کے لئے کثرت سے بیش قیمت آلات مہیا کئے گئے ہیں،

یہ بات مجھ کو بہت پسند آئی کہ بیمار بورڈروں کے لئے ایک نہایت وسیع ہال آراستہ ہے، جس میں کثرت سے پینگ وغیرہ موجود ہیں، اور متعدد حد تک

ہر وقت حاضر رہتے ہیں، اس طریقہ سے ڈاکٹر کو لڑکوں کے علاج اور تیمارداری میں آسانی ہوتی ہے، وہ ایک ہی وقت میں تمام بیماروں کو دیکھ سکتا ہے، ورنہ الگ الگ کمرے ہوں تو ایک ایک بیمار کے پاس پہنچنا اور کافی طور سے ان کی پرداخت اور خبر گیری کرنی سخت مشکل ہو،

اس کالج کا صرف ۱۸ ہزار پونڈ یعنی دو لاکھ ستر ہزار روپیہ سالانہ ہے، لیکن اس میں غریب طالب علموں کی اسکالرشپ کی رقم بھی شامل ہے، طالب علموں کی مجموعی تعداد آٹھ سو ہے، جن میں زیادہ تر بورڈر ہیں، بورڈروں کی خواہگاہ کا کمرہ نہایت وسیع، شاندار اور خوش فضا ہے، بورڈنگ کا جو دستور العمل ہے اس کے چند دفعات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے،

(۱) تمام بورڈروں کی خوراک کپڑے، بچھونے، کتاب، کاغذ، قلم وغیرہ کالج کی طرف سے مہیا کیا جائیگا،

(۲) بورڈر سے ۴۰ پونڈ سالانہ (چھ سو روپیہ) فیس لی جائیگی،

(۳) ایسے طالب علم بھی داخل ہو سکتے ہیں جو دوثلت یا ایک ثلث فیس ادا کر سکتے ہیں یا بالکل نہیں ادا کر سکتے، لیکن ان کی تعداد معین ہوگی، جو ہر سال کے شروع میں ڈائرکٹرافٹ پبلک انسٹرکشن کے محکمہ سے استفسار کر کے قرار دی جائے گی (یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس قسم کے طلبہ کی بقیہ فیس سلطان اور امرائے شہر ادا کرتے ہیں، اور اس وجہ سے خوراک لباس، فرنیچر وغیرہ کے لحاظ سے ان میں اور ذمی مقدور طالب علموں میں کسی قسم کا فرق محسوس نہیں ہو سکتا)

(۴) داخلے کے وقت ہر طالب علم سے کپڑوں کی بابت ۵ پونڈ یعنی دو سو پچیس روپے لئے جائیں گے،

(۵) وہ طالب علم جو رات کو بورڈنگ میں نہیں رہتے، ان کی فیس ۲۰ پونڈ سالانہ ہے اور کسی حالت میں وہ گھٹ نہیں سکتی،

(۶) غیر بورڈروں کی فیس ۱۰ پونڈ سالانہ ہے، اور کسی حالت میں وہ کم نہیں ہو سکتی،

(۷) بورڈروں کو ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ اپنے گھر جانے کی اجازت ملے گی، جانے اور آنے کے وقت ایک معتبر ملازم کا ان کے ساتھ ہونا ضرور ہے،

(۸) کوئی بورڈر ایک ہفتہ میں دس قرش (سواروپہ) سے زیادہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا، تعلیمی حیثیت سے اس کالج میں جو خصوصیت ہے وہ یہ ہے کہ

تمام علوم و فنون فرینچ زبان میں پڑھائے جاتے ہیں، اور اس وجہ سے اکثر پروفیسر فرینچ یا جرمن ہیں، اس کے ساتھ ترکی زبان کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے، عربی و فارسی کی تعلیم بھی لازمی ہے، گو اعلیٰ درجہ کی نہیں باقی زبانیں، یونانی، آرمینی، انگریزی، جرمن، اطالین، لیٹن، ورس میں داخل ہیں اور بہت سے لڑکے پڑھتے بھی ہیں، لیکن ان کی تعلیم اختیاری ہے، لازمی نہیں، ترکی و عربی و فارسی میں علاوہ علم ادب اور قرآن مجید کے جن مضامین کی تعلیم ہوتی ہے، وہ یہ ہیں، عقائد، فقہ، اخلاق، تاریخ، دولت عثمانیہ، قرأت و تجوید، حدیث و تفسیر، لیکن قرأت و حدیث و تفسیر کی تعلیم چوتھے برس سے شروع ہوتی ہے، اور ہفتہ میں صرف ایک بار ہوتی ہے، فرینچ زبان شروع ہی سے پڑھائی

جاتی ہے، اور اقسامِ تعلیم یعنی سات برس تک برابر جاری رہتی ہے، نحو، صرف، ادب کے ساتھ اصول انشا نگاری و فن بلاغت اعلیٰ درجہ تک پڑھایا جاتا ہے اور مضامین ذیل کی تعلیم بھی اسی زبان کے ذریعہ سے ہوتی ہے، حساب، جبر و مقابلہ جغرافیہ، ہندسہ، کیمسٹری، علم آبجوانات، طبیعیات، علم النبات، الیکٹریسیٹی، علم آلاصوات، علم طبقات الارض، رسم ہندسی رسم تقلیدی، پروفیسروں اور ٹیچروں کی مجموعی تعداد ۷۴ ہے، جن میں ۲۶ جرمن اور فرینچ اور باقی ترک ہیں،

حقیقت یہ ہے کہ وسعتِ عمارت، فراہمی آلات علمی، وسعتِ تعلیم، اور خوبی انتظام کے لحاظ سے تمام قسطنطنیہ میں اس سے عمدہ تر کوئی کالج نہیں ہے، البتہ یہ افسوس ہے کہ اس کی اعلیٰ کلاسوں میں تعلیم پانے والے زیادہ تر عیسائی ہیں، مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے، شیخ عبدالفتاح آفندی نے مجھ کو اس کی رپورٹ نتیجہ امتحان عنایت کی تھی، اس میں جس قدر اعلیٰ درجہ کے امتحانات پاس کرنے والے ہیں، اکثر عیسائی ہیں، مجھ کو خدا نخواستہ عیسائیوں کی ترقی پر حسد نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کے تنزل کا رنج ضرور ہے،

مکتبِ ملکیہ

یہ کالج جو یہاں کاسول سروس کالج ہے، خاص سلطان کا قائم کردہ ہے اور حضرت ممدوح کو اس کی طرف التفات خاص ہے، چنانچہ دو بار بنفس نفیس

مکتبِ ملکیہ

اس کے ملاحظہ کو تشریف لائے ہیں،

پہلے اس میں پانچ درجے تھے، تین ادنیٰ اور دو اعلیٰ اس لحاظ سے کل مدت تعلیم پانچ برس تھی، لیکن تعلیم کے ہائی اسٹینڈرڈ کے قائم کرنے کے لئے دو درجے اور بڑھا دیئے گئے ہیں، اور کل مدت تعلیم سات برس قرار دی گئی ہے، اس کالج میں فرینچ کے ساتھ یونانی اور ارمنی زبان کی تعلیم بھی لازمی ہے، عربی و فارسی بھی نصاب تعلیم میں داخل ہے، لیکن لازمی نہیں، مضامین جن کی تعلیم ہوتی ہے، یہ ہیں، تاریخ جغرافیہ، الیکٹریسیٹی وغیرہ، طبیعیات، پولیٹیکل اکانومی، اصول قانون، یورپ کے قوانین ان تمام مضامین کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ پر ہوتی ہے، تاریخ کا کورس میں نے خود دیکھا، چھ ضخیم جلدوں میں تھا، اس کالج کے تعلیم یافتہ بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کئے جاتے ہیں، چنانچہ دوسو سے زیادہ اس وقت تک ملکی عہدوں پر مقرر ہو چکے ہیں، جن میں سے بعض بعض نہایت بلند رتبہ کے عہدہ دار ہیں، طلبہ جو اس وقت کالج میں تعلیم پا رہے ہیں، ان کی تعداد ۶۰۰ سے زیادہ ہے،

طالب علموں
کی تعداد

میں نے اس کالج کی اچھی طرح سیر کی، کالج کے مینجر جو ایک معزز ترک ہیں اگرچہ عربی نہیں سمجھتے تھے، لیکن چونکہ ترجمان میرے ساتھ تھا، بے تکلف گفتگو ہو سکتی تھی، یہاں کے کالجوں میں نے یہ بات عموماً دیکھی، اور مجھ کو بہت پسند آئی، کہ مینجر معزز رتبہ کا آدمی ہوتا ہے، اور اس کی طرز معاشرت سے عزت و نشان ظاہر ہوتی ہے، ان مینجر صاحب کا کمرہ بھی حسب معمول مرتب اور آراستہ تھا، میں جس وقت کالج میں پہنچا چھٹی کا گھنٹہ تھا، اور لڑکے

کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے، تھوڑی دیر کے بعد جب لڑکے کلاسوں میں آگئے تو میجر صاحب نے مجھ کو کالج کے تمام کمروں کی سیر کرائی، کھانے کا کمرہ نہایت خوش سلیقگی سے مرتب تھا، میز پر نہایت صاف چادر بچھی تھی اور کھانے کے پر تکلف برتن خوبصورتی کے ساتھ چنے تھے، صراحیوں جو طالب علموں کی تعداد کے موافق تھیں، عموماً شیشے کی تھیں، اور گویا میز کی آرائش کا کام دیتی تھیں، کیمسٹری وغیرہ کی تعلیم کے کمرے میں اعلیٰ درجہ کے آلات تھے، اور کثرت سے تھے اسی سلسلہ عمارت میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، اسکی عمارت چنداں قابل ذکر نہیں لیکن چونکہ اندر باہر نہایت اعلیٰ درجہ کا ترکی قایلین بچھا ہوا تھا، خوبصورت اور مزین معلوم ہوتی تھی، ایک طرف دیوار پر خط نسخ کا ایک عمدہ قطعہ آویزاں تھا، دریافت سے معلوم ہوا کہ سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، نہایت عمدہ خط ہے،

کھانے کے
کمرے کی
صفائی اور
آرائشگی

اسی اتنا میں ظہر کا وقت آگیا، مسلمان لڑکوں نے دعیسانی طالب علم بھی یہاں کچھ کم نہیں ہیں) نماز کی تیاری کی وہ عموماً کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے، اور اس لباس میں ان کا ادب اور متانت کے ساتھ وضو کرنا اور وقار و احترام کے ساتھ قطار در قطار مسجد کو جانا میرے دل پر عجیب اثر کرتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اگر مذہبی اثر سے آزاد ہو کر ترقی کریں تو ایسی ترقی سے تنزل ہزار درجہ بہتر ہے، نماز کے بعد تھوڑی دیر تک وعظ بھی ہوتا رہا، لیکن بہت کم اس میں شریک تھے،

نماز کی تیاری

قدیم تعلیم اور مدارس قدیمہ

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، ترکوں میں تعلیم کا آغاز سلطنت کے ساتھ ساتھ ہوا، یہ وہی تعلیم تھی جس کو ہم آج قدیم تعلیم کے نام سے یاد کرتے ہیں، بے شبہ وہ کسی زمانہ میں اعلیٰ درجہ پر تھی، چنانچہ فضل الدین خونجی، علامہ قوشچی، چلی، خواجہ زاوہ حاجی خلیفہ وغیرہ کی تصنیفات آج تک اس کی یادگار ہیں، لیکن موجودہ تعلیم پستی کی اس حد تک پہنچ گئی ہے، کہ اس کے مقابلہ میں ہمارے ہندوستان کی تعلیم غنیمت ہے، اس سفر میں جس چیز کا تصور میری تمام مسرتوں اور خوشیوں کو برباد کر دیتا تھا، وہ اسی قدیم تعلیم کی ابری تھی، یہ سداً آج کل ہندوستان میں بھی چھڑا ہوا ہے، اور تعلیم قدیم کی ابری پر عموماً رنج و افسوس کیا جاتا ہے، لیکن میرا افسوس دوسری قسم کا افسوس تھا، ہمارے ملک کے نئے تعلیم یافتہ، پُرانی تعلیم پر جورج اور افسوس ظاہر کرتے ہیں، وہ درحقیقت رنج نہیں بلکہ استہزا اور شہادت ہے، میں اگرچہ نئی تعلیم کو پسند کرتا ہوں، اور دل سے پسند کرتا ہوں، تاہم پُرانی تعلیم کا سخت حامی ہوں اور میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کی قومیت قائم رہنے کے لئے پُرانی تعلیم ضروری اور سخت ضروری ہے، اس کے ساتھ جب یہ دیکھتا ہوں کہ یہ تعلیم جس طریقہ سے جاری ہے، وہ بالکل بے سود اور بے معنی ہے، تو خواہ مخواہ نہایت رنج ہوتا ہے۔

ہندوستان میں تو اس خیال سے صبر آجاتا تھا کہ جو چیز گورنمنٹ کے سایہ عافیت میں نہ ہو اس کی بے سرو سامانی قدرتی بات ہے، لیکن قسطنطنیہ، شام، مصر میں یہ حالت دیکھ کر سخت رنج ہوتا ہے۔

قصہ مختصر قدیم تعلیم کا یہاں کثرت سے رواج ہے، اور چونکہ اس قسم کے طالب علم اپنی وضع و لباس سے صاف پہچانے جاتے ہیں، اسلئے مسجدوں اور عام گذرگاہوں میں آسانی سے ان کی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے، بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ خاص قسطنطنیہ میں ان کی تعداد بیس ہزار سے کم نہیں ہے، ان کی بسر اوقات کا جو طریقہ ہے وہ نہ صرف افسوسناک بلکہ حیرت انگیز ہے، یہاں کے تمام مدارس تدبیر میں تین مہینے کی متصل تعطیل ہوتی ہے، جس کا آغاز رمضان المبارک سے ہوتا ہے، ان مہینوں میں تمام طلبہ قسطنطنیہ سے باہر چلے جاتے ہیں، اور دیہات اور قصبات میں پھر کر زکوٰۃ تحصیل کرتے ہیں، یہ زکوٰۃ ان کی سال بھر کی معاش ہے، بعض بعض مدرسوں میں اور وہ حال خالی ہیں، کچھ روٹیاں بھی مقرر ہیں، لیکن کپڑے وغیرہ کا مطلقاً کوئی بندوبست نہیں، رہنے کے لئے مدرسوں کے حجرے ہیں، جو نہایت مختصر اور تنگ و تاریک ہیں،

مدرسوں کی قطع یہ ہے کہ چھوٹا سا صحن اور اس کے تین طرف چھوٹے چھوٹے حجرے ہوتے ہیں، اور صحن میں سقاوہ ہوتا ہے، جہاں بیٹھ کر وضو کرتے ہیں، بڑے بڑے مدرسے جو سلاطین و محمد فاتح و سلیمان وغیرہ نے بنوائے تھے او آج تک قائم ہیں، ان کے حجرے وسیع اور ہوادار ہیں، لیکن اور تمام مدرسوں کے حجرے، ایسے مختصر اور بند بند ہیں کہ اندر جاتے ہوئے دم گھٹتا ہے، باوجود

طالب علموں
کی تعداد

طالب علموں
کی بسر اوقات
کا طریقہ

بدرنگ

ان تمام باتوں کے مجھ کو ترکوں کی علمی فیاضی کا اعتراف کرنا چاہئے، کیونکہ ہر چند کم حیثیت سی تاہم آج سیکڑوں علمی یادگاروں کا وجود تو ہے اور انصاف یہ ہے کہ یہ مدرسے جس زمانہ کی یادگار ہیں، اس وقت کی تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ناموزوں بھی نہیں، ہمارے ہندوستان میں تو اس وسعت اور فراخی کے ساتھ کہ بجائے خود ایک اقلیم ہے، حکومت اسلام کی ششصد سالہ مدت کی ایک علمی یادگار بھی موجود نہیں،

نصاب تعلیم

تعلیم تدریم کے متعلق سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ تعلیم کا اسٹینڈرڈ نہایت چھوٹا رکھا گیا ہے، علم ادب کا پتہ نہیں، منطق و فلسفہ میں ایسا خوبی اور سمیہ انتہائی کتابیں ہیں، صحاح ستہ شاید ہی کسی مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہو، معانی و بلاغت و اصول فقہ کا بھی یہی حال ہے، فقہ پرالبتہ بہت کچھ توجہ ہے، لیکن اس کی تعلیم بھی مجتہدانہ نہیں بلکہ نہایت عامیانہ اور مقلدانہ ہے، بعض بعض مولویوں سے میری ملاقات تھی وہ ایسے جزئی اور عام مسائل پر گفتگو کرتے تھے کہ مجھ کو تعجب اور فسوس دونوں ہوتا تھا،

ترکوں کی علمی حالت

اسلام نے دنیا کے جن حصوں پر حکومت کی وہاں کی ملکی زبان اگر بالکل سٹ نہیں گئی تو اتنا ضرور ہوا کہ علمی حیثیت کا منصب اس سے چھین کر عربی زبان کو مل گیا، ہندوستان، فارس، اسپین، افغانستان کی ملکی زبانیں اگرچہ بالکل مختلف تھیں، لیکن علمی زبان ہر جگہ عربی ہی رہی، اور اب

بھی ہے، ترک بھی اس عام اثر سے مستثنیٰ نہیں ہیں، لیکن اس خصوصیت میں ان کو تمام اسلامی قوموں میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے عربی زبان کی اطاعت کے ساتھ اپنی زبان کو بھی علمی خزانوں سے محروم نہیں ہونے دیا، جس زمانہ میں علوم تدریہ کی حکومت تھی اس زمانہ میں ترکی زبان میں ان علوم کا پورا سلسلہ موجود تھا، اور اب بھی ہے، میں نے حیرت کی نگاہ سے دیکھا کہ تالیخ ابن خلدون، طبری، ابن خلکان، مقریزی وغیرہ جو نہایت ضخیم کتابیں ہیں، اور جن میں سے بعض سات سات جلدوں میں ہیں، ترکی میں سب کا ترجمہ موجود ہے، بخلاف اس کے فارس و افغانستان میں اس کی ایک نظر بھی نہیں مل سکتی، ترکی کی اصلی تصنیفات کے علاوہ ترجمہ شدہ کتابوں کا ذکر کیا جائے تو ایک بڑی فہرست تیار کرنی ہوگی،

میرے ایک ترک دوست نے جو متعدد زبانوں کے ماہر ہیں مجھ سے بیان کے طور پر (نہ فخریہ) بیان کیا کہ فرنج زبان کی تاریخیں، ڈرامے، ناول، سفرنامہ کتب انشاء و بلاغت، اس کثرت سے ترکی میں ترجمہ ہو گئی ہیں کہ یہ کہنا کچھ بیجا نہیں ہے کہ فرانس کا پورا علم ادب ترکی زبان میں آ گیا ہے، علوم و فنون جدیدہ کی بھی سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں، اور اسی کا اثر ہے کہ ترکی کے تمام کالجوں میں بیجز مکتب سلطانیہ کے ان علوم و فنون کی تعلیم ترکی ہی زبان میں ہوتی ہے اور اعلیٰ درجہ پر ہوتی ہے،

مستقل تصنیفات کا رواج بھی کچھ کم نہیں، علوم و فنون جدیدہ کی تمام شاخوں پر کثرت سے کتابیں لکھی جا رہی ہیں، اور کالجوں اور اسکولوں میں

ترکی زبان میں
کتابوں کا ترجمہ

جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں عموماً مستقل تصنیفات ہیں نہ ترجمے، مجھ کو اس قدر فرصت اور موقع تو کہاں مل سکتا تھا کہ تمام جدید تصنیفات سے واقفیت حاصل کرتا، البتہ اپنے مذاق کے موافق تاریخ و رجال کی کتابیں دیکھیں، جس کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ عربی کے بعد ایشیا کی کسی زبان میں اس قدر تاریخی سرمایہ موجود نہیں ہے، بلکہ ایک لحاظ سے اس کو عربی پر ترجیح حاصل ہے، عربی زبان میں جس قدر تاریخیں ہیں، سادہ واقعات کا مجموعہ ہیں، اور جس قدر کوشش اور اہتمام ہے صرف اصول و روایت کے متعلق ہے، بخلاف اس کے ترکی تاریخیں ان اصول و قواعد کے موافق لکھی جاتی ہیں، جو فلسفہ تاریخی کے اصول ہیں اور جس کی بنا پر یورپ نے اس فن کو معراج کمال تک پہنچا دیا ہے، مکتب ملکیہ میں تاریخ کی کتاب جو درس میں داخل ہے، میں نے اس کو اجمالی طور پر دیکھا، تمام واقعات میں علت و اسباب کا سلسلہ ملحوظ رکھا ہے، اور جا بجا محاکمہ اور تحقیق و تنقید کی ہے، اس کے ساتھ ہر عہد حکومت کے خاتمہ پر اس عہد کی تمدنی، اخلاقی، علمی حالت تفصیل کے ساتھ دکھائی ہے۔

یوگرینی کا ایک نہایت مفید سلسلہ ہے، جس کا نام مشاہیر رجال ہے، مشہور اہل کمال کے حالات زندگی نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے لکھے ہیں، افسوس ہے کہ یہ سلسلہ نا تمام چھوڑ دیا گیا، ورنہ نہایت مفید مجموعہ ہوتا، ایک خاص قسم کی بہت بڑی انسائیکلو پیڈیا آج کل زیر تصنیف ہے، جس کا نام قاموس الاعلام ہے، اس میں رجال کے علاوہ مشہور شہروں اور عمارتوں اور تاریخی مقامات کا تذکرہ ہے، عربی اور فرینچ وغیرہ کی جن تصنیفات سے اس کتاب میں مدد لی گئی ہے، ان کی فہرست اس کے ساتھ شامل ہے، میں نے عربی کتابوں

ترکی میں
تاریخی تصنیفات

یوگرینی یعنی
رجال تراجم

قاموس الاعلام

کے نام پڑھے، نہایت نایاب اور مستند کتابیں ہیں اور قسطنطنیہ کے سوا اور کہیں نصیب نہیں ہو سکتیں، یہ کتاب حروف تہجی کی ترتیب پر ہے، اور اس وقت تک زمک پہنچی ہے،

تاریخ کے ساتھ جغرافیہ کو بھی نہایت ترقی ہے، کثرت سے مفید کتابیں لکھی گئی ہیں، مجموعی دینا اور الگ الگ آبادیوں کے بڑے بڑے نقشے اس کثرت سے تیار کئے گئے ہیں کہ یورپ کے بعد شاید ہی دینا کے کسی حصہ میں ہوں، یہ نقشے نہایت باقاعدہ، خوبصورت اور موزوں ہیں، اور یورپ کے تیار شدہ نقشوں سے کسی بات میں کم نہیں، ترکوں کو اس فن سے خاص چسپی ہے، ترکی تصنیفات کی کثرت کا کافی معیار میں نہیں بتا سکتا، لیکن ایک دفعہ سرشتہ تعلیم کے دفتر میں اجمالی طور پر ان کتابوں کی فہرست دیکھی جو خاص قسطنطنیہ میں صرف ایک مہینے کے عرصہ میں شائع ہوئیں ان کا شمار دو ہزار کے قریب تھا، اگرچہ اس میں ارمنی، یونانی، فرنجی، اور دوسری زبانوں کی کتابیں بھی تھیں، لیکن زیادہ حصہ ترکی تصنیفات کا تھا، البتہ یہ افسوس ہے کہ ان میں ناول اور ڈرامے زیادہ تھے اور یہ وہی بلا ہے جو ہمارے کبھی ملک میں پھیلی ہوئی ہے،

ترکی تصنیفات
کی کثرت

ترکی کے لٹریچر نے بھی نہایت ترقی کی ہے، اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ بہت سی خصوصیتوں میں ہماری اردو کے مشابہ ہے، ترکی کا قدیم لٹریچر قدیم اردو کے انداز پر رنگین، پر تکلف، استعارات سے مملو اور قوافی کا پابند تھا، لیکن اب نئی

ترکی لٹریچر

اور دو کی طرح سادگی، صفائی، برستگی کا لحاظ کیا جاتا ہے، اور نئی تصنیفات بالکل اسی طرز پر لکھی جاتی ہیں، اس نئی طرز کے موجب یا استاد کمال بک، حامد بک، پروفسر ناجی وغیرہ ہیں، میں نے جب ترکی پڑھنی شروع کی تو قدیم تصنیفات کے پڑھنے کا ارادہ کیا، لیکن میرے احباب نے جو میرے استاد بھی تھے کہا کہ قدیم و جدید ترکی میں آسمان و زمین کا فرق ہے، اور قدیم زبان کا سیکھنا نئی زبان کے لئے کافی نہ ہوگا، پروفسر و میری نے اپنے لکچر میں جو انہوں نے ترکوں کی موجودہ شائستگی پر دیا ہے، قدیم و جدید ترکی کا موازنہ کر کے موجود زبان کی دلاویزی، صفائی، سادگی کا تعجب کے ساتھ اعتراف کیا ہے،

ترک مصنفین

ترک مصنفوں میں جو آج کل زیادہ نامور اور ممتاز ہیں ان کے نام یہ ہیں، احمد مدحت، جو دت پاشا، پروفسر ناجی، ابو الضیاء سامی، علی نصرت، پروفسر ناجی شاعر ہیں، اور گویا پایہ تخت کے شاعر ہیں، ملک الشعراء کا یہاں کوئی عمدہ نہیں ہے، ورنہ یہ لقب انہی کو ملتا، تاہم انکو پایہ تخت کا شاعر خیال کیا جاتا ہے، احمد مدحت بہت بڑا مصنف ہے، اس نے ترکی حکومت کی نہایت مفصل تاریخ لکھی ہے، جو بارہ جلدوں میں ہے، اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کے جواب میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے، جو تین جلدوں میں ہے، اور مدافعہ اسلامیہ کے نام سے موسوم ہے، وہ ترکی فارسی، عربی کے علاوہ فرنج زبان میں کمال رکھتا ہے، یورپ میں جو اورٹیل کا نفرنس قائم ہے، اس کے متعدد اجلاسوں میں ترکی کی طرف سے وہ وکیل مقرر ہو کر گیا، اور اسٹاک ہالم کی کانفرنس میں عربی فارسی وغیرہ کی ڈیپارٹمنٹ

کی افسری اسی کو دی گئی،

حودت پاشا نہایت معزز شخص ہیں اور جلسہ وزراء کے ایک ممبر یعنی وزیر اور یاور ہیں، ان کا سن ساٹھ ستر کے قریب ہے، اور چونکہ عمر ہونے کے ساتھ ضعیف اجنبہ اور نحیف بھی ہیں، جلسہ وزراء میں کم شریک ہوتے ہیں، ان کی تصنیف میں سے قواعد عثمانیہ جو ترکی نحو و صرف میں ہے، درس میں داخل ہے، میں ان سے ملا تھا اور یر تک صحبت رہی، عربی و فارسی میں بے تکلف بات چیت کر سکتے ہیں، مجھ سے عربی میں باتیں کرتے رہے، بڑی تعریف یہ ہے کہ باوجود دولت مندی اور عمدہ وزارت کے نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں، اور زیادہ تر علمی اشغال میں مصروف رہتے ہیں،

ترکی لٹریچر کے ذکر میں اخبارات اور ماہوار رسالوں کا ذکر کرنا بھی ضرور ہے، کیونکہ آج کل یہ چیزیں لٹریچر کا ایک بڑا جزو خیال کی جاتی ہیں، میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس لحاظ سے ترکی لٹریچر پستی کی حالت میں ہے، ترکی زبان کے اخبار تعداد میں تھوڑے نہیں ہیں، بہت سے اخبار روزانہ ہیں اور بڑی آب و تاب سے نکلتے ہیں، عبارت بھی بہت سادہ اور شستہ ہوتی ہے، اخبار کا مذاق بھی تمام ملک میں پھیل گیا ہے، بہت سے قہوہ خانے اخباروں کے لئے مخصوص ہیں، جہاں ہمیشہ کثرت سے اخبارات موجود رہتے ہیں، اور اسی وجہ سے ان کو قہوہ خانے کے بجائے قرات خانہ کہا جاتا ہے،

یہ سب کچھ ہے، لیکن جو چیز اخبار کی جان ہے یعنی آزادی اس کا سرے سے وجود نہیں، تمام اخبارات میں بجز سرکاری احکامات اور معمولی خبروں

ترکی اخبارات
رسالے

کے اور کچھ نہیں ہوتا، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ترکی زبان پولیٹیکل طرزِ تحریر اور زورِ استدلال سے بالکل محروم ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جس زبان میں آزادی کا عنصر نہ ہو، اس میں رفعتِ خیال، قوتِ بیان، زورِ کلام، جوشِ تاثیر، کیونکر اور کہاں سے آسکتا ہے، عربی کو دیکھو جب تک خلافتِ راشدہ کا زمانہ تھا اور طبعیتیں آزاد اور خود سر تھیں، عربی زبان جوش اور تاثیر سے لبریز تھی، جس زمانہ سے شخصی حکومت کی بنیاد پڑی، اور خاندانِ بنو امیہ نے بڑے زور اور قوت سے عربی کی آزادی کو پامال کر دیا، زبان میں نہ وہ تاثیر رہی نہ وہ جوش رہا، بے شبہہ زمانہ مابعد کا لٹریچر کثرتِ معلوما کی وجہ سے نہایت وسیع اور دولت مند ہے، لیکن اس زمانہ کی تمام تصنیفات چھان مارو آزادانہ طرزِ تحریر اور پولیٹیکل جوش اور تاثیر کا پتہ نہیں ملتا، ان باتوں کے ساتھ مجھ کو یہ تسلیم کرنا ضرور ہے کہ اخبارات کا آزادانہ ہونا ترکی پولیٹیکل حالات کا ضروری اقتضا ہے، رعایا کا اختلافِ مذہب، سلطنت ہائے غیر کی رقابت، مخالفین کی دراندازیاں، اخباروں کا بات کو تنگ کرنا، یورپین حکومتوں کی ہمسائیگی، یہ ایسے حالات ہیں جن میں آزاد گورنمنٹ بھی یہی کرنی جو ترکی نے کیا ہے، حال ہی میں فرانس کی جمہوری حکومت نے ڈانس میں اخبارات کی آزادی کے متعلق جو احکام جاری کئے، ان کو دیکھ کر کون نا انصاف کہے جو تہاڑ کی کو مورد الزام قرار دے سکتا ہے،

البتہ کتابوں کے چھپنے کے متعلق یہاں جو روک ٹوک ہے وہ کسی قدر اعتراض کے قابل ہے، یہاں عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کتاب قدیم یا جدید چھاپنا چاہتا ہے، تو پہلے وہ کتاب معارف کے سررشتہ میں پیش

اخبارات کے آزاد ہونے کا سبب

کتابوں کے چھپنے میں روک ٹوک

کی جاتی ہے، وہاں معائنہ اور نقیشتیں کا ایک جداگانہ صیغہ ہے، اس صیغہ کے عمدہ و اوقات کتاب کو اول سے آخر تک پڑھ جاتے ہیں، اور ان کی رپورٹ کے موافق بعض اوقات کتاب کا چھاپنا روک دیا جاتا ہے، یا اس میں حک و اصلاح کی جاتی ہے، اس قاعدے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ بعض لوگ کتابوں کے چھاپنے میں نہایت بددیانتی کرتے تھے مثلاً بیروت میں عیسائیوں نے الفاظ الکتاب جو چھاپی، اس میں جہاں جہاں قرآن پاک کی آیتیں تھیں، اور اسلامی طریقہ کے موافق عنوان کے طور پر قال اللہ یا کما فی القرآن المجید، تھا، سب جگہ بدل کر کھا قیل یا کما قال القرآن بنا دیا، حالانکہ کسی مسلمان کے قلم سے قرآن مجید کی نسبت ایسے الفاظ نہیں نکل سکتے، اس سے زیادہ یہ کہ ان ہی عیسائیوں نے قرآن مجید کا ایک انتخاب چھاپا ہے، اور جہاں جہاں کسی آیت میں عیسائی روایتوں کے خلاف کسی واقعہ کا ذکر ہے، تو سین میں لکھ دیا ہے، کہ "یہ غلط ہے اور صحیح یوں ہے" بے شبہہ ایک اسلامی سلطنت اس قسم کے تصرفات کا تحمل نہیں کر سکتی اور یہی سبب ہے کہ سلطنت کی طرف سے کتابوں کے شائع ہونے کے وقت نہایت احتیاط اور نقیشتیں سے کام لیا جاتا ہے،

لیکن افسوس ہے، کہ آج کل اس کا طریق عمل اعتدال سے تجاوز کر گیا ہے، یہ صیغہ تحریف و تبدل کے روک کی غرض سے قائم ہوا تھا، مگر بعض اوقات اس نے خود تحریف و تغیر پر عمل کیا ہے، ایک مطبع میں شرح عقائد لٹنی چھپ رہی تھی، معارف نے اس کتاب کی تمام وہ عبارت قلمزد کر دی تھی، جس میں خلافت کی بحث ہے، اور الاثم من قریش کی حدیث مذکور

ہے، مطبع والے نے مجبوراً اسی قلمزد نسخہ کو چھاپا، میں نے اصل نسخہ جس پر معارف نے یہ تصرف کیا تھا دیکھا اور مجھ کو یاد ہے کہ اس وقت میں رنج اور غصہ کی وجہ سے بے اختیار ہو گیا تھا، ان لوگوں نے یہ تصرف بخیال خود سلطان کی ہوا خواہی کے جوش میں کیا ہوگا، لیکن اگر حضور ممدوح کو اس سے اطلاع ہوتی تو وہ ہرگز اس کو پسند نہ کرتے،

اخبارات تو جیسا میں نے اوپر بیان کیا قابل اعتنا نہیں لیکن میگزین اور ماہوار رسالے جو ترکی زبان میں نکلتے ہیں، نہایت قدر کے قابل ہیں، ان میں زیادہ مشہور اور معروف معارف ہے، جو ہفتہ وار نکلتا ہے، اس رسالہ میں ہمیشہ علمی درجہ کے مضامین لکھے جاتے ہیں، اور ترکوں میں آج کل جو لوگ علوم جدیدہ کے ماہر ہیں، زیادہ تر اسی رسالہ کے ذریعہ سے اظہار کمال کرتے ہیں، مضامین زیادہ تر نیچرل سائنس اور آلات جدید کے متعلق ہوتے ہیں اور کوئی پرچہ تصویر سے خالی نہیں ہوتا، تعداد اشاعت بھی کچھ کم نہیں، میں نے صاحب مطبع سے دریافت کیا تھا، معلوم ہوا کہ پانچ ہزار پرچے نکلتے ہیں، معارف کے سوا اور بھی علمی پرچے ہیں اور نہایت قابلیت سے تیار ہوتے ہیں، ان میں رسکلی غزنتہ، مصور جہاں، ثروت فنون میری نگاہ سے گذرے ہیں، یہ تمام رسالے کاغذ، خط، صفائی، غرض ظاہری آب و تاب میں یورپ کے مشہور رسالوں کی ہمسری کرتے ہیں،

اس میں شبہہ نہیں کہ ترکی میں علوم و فنون کو جو روز افزوں ترقی ہے اور جس کثرت سے ہر فن میں نئی تصنیفات شائع ہوتی رہتی ہیں، اس کے

محاذ سے تمام ایشیائی دنیا پر اس کو افضلیت کا رتبہ حاصل ہے۔

پچھاپہ خانے

پچھاپے خانے یہاں کثرت سے ہیں اور خوش خطی، صفائی، موزونی میں ان کا جواب نہیں، عربی خط کا جو ٹائپ ہے، اور جو ایک ترکی عالم ابوالصیا کی ایجاد ہے دنیا میں بے نظیر خیال کیا جاتا ہے، عربی کتابیں آج دنیا میں جہاں جہاں چھپتی ہیں، بیروت کی چھپی ہوئی کتابیں سب سے عمدہ تر تسلیم کی جاتی ہیں، لیکن خود بیروت والوں نے مجھ سے بیان کیا، کہ اصل میں یہ ٹائپ ترکوں کی ایجاد ہے، اور ہم ان کے مقلد ہیں، چونکہ قسطنطنیہ میں عموماً ترکی کتابیں چھپتی ہیں، اور وہ ان ملکوں میں نہیں آتیں، اس لئے عام طور پر بیروت ہی کی شہرت ہو گئی ہے، مرنہ ابحالی یا عام تدر دانی کا اثر ہے، کہ قسطنطنیہ میں جس قدر کتابیں چھپتی ہیں، نہایت عمدہ اور قیمتی کاغذ پر چھپتی ہیں، بخلاف مصر و ہندوستان کے جہاں جوتے صاف کرنے کا کاغذ کتابوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اس کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ ان ملکوں میں لوگوں نے ابھی تک علم کی قدر و قیمت نہیں سمجھی،

یہ افسوس کی بات ہے کہ یہاں کوئی مطبع اتنا وسیع اور اس قدر عمدہ نہیں جیسا کہ ہندوستان میں نو لکھنوی مطبع ہے، اس کے ساتھ یہ اور افسوس ہے، کہ اکثر مطابع غیر قوموں کے ہیں، جس کا میں نے ابھی ذکر کیا اس کا مالک بھی ایک عیسائی ہے، مسلمانوں کے جو مطابع ہیں، ان میں ترجمان حقیقت مطبع

عثمانیہ، شرکت صحافیہ زیادہ ممتاز ہیں، میں نے ان سب کی سیر کی، شرکت صحافیہ اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ وہ مشترک سرمایہ سے قائم ہے، اور اس کے تمام حصہ دار مسلمان ہیں، کل سرمایہ ۱۸ ہزار پونڈ یعنی قریباً ۲ لاکھ روپیہ ہے، تمام کام انجن کے ذریعہ سے ہوتا ہے، انجن بہت بڑا ہے اور دس بارہ کلون کو چلاتا ہے، میں جس وقت پہنچا یعنی شرح بخاری چھپ رہی تھی، دو ضخیم جلدیں اس وقت تک تیار ہو چکی تھیں، مطبع والے کہتے تھے، کہ ایسی ہی آٹھ اور ہیں، تمام قسطنطنیہ میں مسلمانوں کا یہی مشترک کارخانہ ہے، ورنہ مسلمان اولاً تجارت کو ہاتھ ہی کیوں لگاتے، اور کسی اتفاقی وجہ سے اس کام کو کرتے بھی تو دو چار شخص مل کر کیوں کرتے، اس لحاظ سے یہ مطبع ایک گونہ خرق عادت میں داخل ہے،

کتب خانے

ترتیب مضمون اور نسق کلام کی وجہ سے میں اس عنوان پر دیر میں پہنچا، ورنہ ذاتی شوق اور غایت سفر کے لحاظ سے یہی مضمون تھا جس کو میں سب سے پہلے اور سب سے مفصل لکھا، حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کے علمی کارناموں میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر ہے، وہ یہی کتب خانے ہیں، اسلامی دنیا کے جن حصوں میں آج تعلم و تعلیم کا چرچا ہے، وہ ہندوستان، عرب، مصر، شام، بلاد مغرب، فارس و ایران ہیں، ان میں سے اکثر مقامات کا علمی سرمایہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور جو نہیں دیکھا ہے وہ ایسے قوی وسائل سے معلوم ہے کہ دیکھنے کے برابر ہے، اس بنا پر میں کافی یقین کے ساتھ کہہ سکتا

ہوں کہ تمام اسلامی دنیا میں قسطنطنیہ عربی تصنیفات کا سب سے بڑا مرکز ہے، کل کتب خانے جو اس شہر میں ہیں ان کی تعداد ۴۵ ہے، شاہی کتب خانہ جو قصر ہمایوں میں ہے اور نہایت قدیم ہے ان کے علاوہ ہے، ان کتب خانوں کی کل کتابیں ۸۵ ہزار ہیں، اگرچہ یہ تعداد کچھ بڑی تعداد نہیں، ہمارے ہندوستان میں اس سے زیادہ کتابیں ہونگی، لیکن قسطنطنیہ کو جو ترجیح ہے وہ کتابوں کی عمدگی اور کیا بی کی حیثیت سے ہے، ان کتب خانوں میں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں، کتب خانہ جامع ایاصوفیہ، کتب خانہ جامع پازید، کتب خانہ جامع یول، کتب خانہ حمیدیہ قدیم، کتب خانہ عائشہ آفندیہ شیخ الاسلام، کتب خانہ آفندی نقیب الاشراف، کتب خانہ جامع محمد فاتح، کتب خانہ حمیدیہ جدید، کتب خانہ علی پاشا شہید، کتب خانہ نور عثمانیہ، کتب خانہ لالہ بی، کتب خانہ حکیم اُغلی علی پاشا، کتب خانہ محمد پاشا کوپرلی، کتب خانہ قلیج علی پاشا، کتب خانہ ولی الدین آفندی، کتب خانہ سلیمیہ، کتب خانہ فیض اللہ آفندی، کتب خانہ سلطان محمد قاضی زاوہ، کتب خانہ جامع والدہ سلطان، کتب خانہ عاطف آفندی، کتب خانہ شہزادہ داماد ابراہیم پاشا، کتب خانہ خسرو پاشا، کتب خانہ ہر شاد، کتب خانہ محمد آفندی، کتب خانہ مصطفیٰ آفندی، کتب خانہ توفیق آفندی، کتب خانہ سلیمانہ، کتب خانہ محمد آفندی مراد، کتب خانہ راعب پاشا، ان میں سے چوڑھ کتب خانوں کی مفصل فہرستیں چھپ کر شائع ہو گئی ہیں، اور غالباً رفتہ رفتہ بقیہ فہرستیں بھی اشاعت پائیں،

یہ کتب خانے جیسا کہ خود ان کے ناموں سے ظاہر ہے، اگلے پاشاؤں

کتب خانوں اور
کتبوں کی تعداد

کتب خانوں کے
اوقات

اور امیروں نے قائم کئے ہیں، اور سب کے سب وقتِ عام ہیں، ہر کتب خانہ کے ساتھ اس قدر جائداد بھی وقت ہے، جس سے اس کے معمولی مصارف یعنی مکان کی تجدید و ترمیم، فرش اور معمولی فرنیچر، ملازموں کی تنخواہ ادا ہوتی رہتی ہے، ان امور کے لحاظ سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ علمی فیاضی میں ترکوں کا رتبہ تمام اسلامی قوموں سے بالاتر ہے، ہندوستان میں مدتوں تک اسلامی حکومت رہی، اور بڑے اوج و شان سے رہی، بڑے بڑے نامور وزراء اور امرا گذرے، لیکن آج ان کی ایک بھی علمی یادگار موجود نہیں،

ان کتب خانوں سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ ترکوں میں اُمرا کا گروہ (جو اور قوموں میں نسبتاً ایک جاہل گروہ ہوتا ہے) تعلیم یافتہ اور اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ تھا، اکثر کتب خانوں میں وقت کرنے والوں کی ذاتی تصنیفات یا ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں، جو ان کے مذاق اور وسعت نظر کی شاہد ہیں، اس کے علاوہ جس قسم کی عمدہ اور نایاب کتابیں ڈھونڈھ ڈھونڈ کر جمع کی گئی ہیں، خود ان سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے، کہ جمع کرنے والوں کا علمی مذاق معمولی مذاق نہ تھا،

کتب خانوں کی
ظاہری

یہ کتب خانے خوبی عمارت اور دیگر سروسامان کے لحاظ سے معمولی درجہ کے ہیں، یہاں تک کہ بعض کتب خانوں میں الماریاں تک نہیں، ایک چبوترہ پر جس کے گرد لوہے کا کھڑہ ہے، کتابوں کا ڈھیر لگا دیا ہے، تمام کتب خانوں میں زمین کا فرش ہے، البتہ اس قدر تکلف ہے کہ سامنے بنچیں کھچی ہوئی ہیں جن پر کتابیں رکھ کر پڑھتے ہیں، کتب خانہ حمیدیہ جو حال میں قائم ہوا ہے او

سلطان المعظم کے عہد مبارک کی یادگار ہے، اگرچہ زیادہ شان و شوکت کا ہی عمارت خوبصورت اور وسیع ہے، میز، کرسیاں، کوچیں، جس قدر ہیں ان پر ریشمی گدے ہیں، غرض تمام باتوں میں اور کتب خانوں سے مستثنیٰ ہے، تاہم الہ آباد کی پبلک لائبریری کی برابری نہیں کر سکتا،

چونکہ تمام اوقاف کا انتظام حکومت سے متعلق ہے، کتب خانے بھی گورنمنٹ کے زیر اہتمام ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ باوجود امتدادِ زمانہ کے کتابیں اس احتیاط سے محفوظ ہیں کہ ایک پرچہ بھی ضائع نہیں ہونے پایا ہے، ملازمین باوجود قلتِ تنخواہ کے نہایت متدین اور راست کردار ہیں، کتب خانہ عاشر آفندی کا وقت اس قدر کم ہے کہ لائبریرین کو معمولی خوراک اور دو روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں مل سکتے، لیکن جو شخص لائبریرین مقرر کیا گیا ہے اس قدر دیانت داری اور اپنے فرائض کا پابند ہے کہ اس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں، کتب خانہ کی دیواروں پر انگور کی بلیں چڑھی ہیں، ایک دن میں نے اُس سے کہا کہ اگر تم انگوروں کو بیچ ڈالو تو تم کو معقول آمدنی ہو سکتی ہے، بولا کہ واقف کی شرط کے موافق یہ انگور صرف ان لوگوں کے لئے ہیں، جو کتب خانہ میں کتاب پڑھنے کی غرض سے آئیں، اس لئے میں ان سے کسی طرح کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا، قلتِ تنخواہ کی وجہ سے بیچارے نے شادی بھی نہیں کی ہے، نہ رہنے کا کوئی مکان ہے، کتب خانہ ہی میں رات کو پڑھتا ہے،

ان کتب خانوں کی خصوصیتیں، اور ان کی اجمالی کیفیت واقعات ذیل

سے معلوم ہوگی،

اوقاف کا انتظام

کتب خانوں کی بعض خصوصیتیں

نسخوں کی صحت
از عمرگی

(۱) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کتابیں جو یہاں موجود ہیں، عموماً قدیم الخط، صحیح اور اساتذہ سابقہ کی صحیح کردہ ہیں، قدیم اور نایاب کتابیں جن کے دوہی یا نسخے دنیا میں ہوں ان کا صحیح ہونا سب سے زیادہ مقدم ہے، ورنہ ان پر اعتبار نہیں ہو سکتا، مصر کے کتب خانہ میں بھی قدیم کتابیں کچھ کم نہیں، لیکن اکثر زمانہ حال کی کچھ لکھی ہوئی ہیں، اور اس وجہ سے چنداں صحیح اور قابل استناد نہیں، قسطنطنیہ کی کتابوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، کہ ان کتابوں کے ایسے عجیب و غریب نسخے کہاں سے بہم پہنچائے ہیں، اسرار البلاغت عبد القاہر ابحر جانی کی مجھ کو مدت سے تلاش تھی، ہندوستان میں صرف ایک نسخہ کا پتہ لگا، لیکن وہ نہایت غلط اور ناقابل اعتبار تھا، قسطنطنیہ میں اس کے متعدد نسخے دیکھے اور سب کے سب نہایت صحیح اور قدیم الخط، اسی طرح کتاب البیان والتسبیب للبحرین للبحرین، تذکرہ ابن حمدون، معجم الادب اریاقوت جموی کتاب التفسیر للبلذری، تاریخ کبیر امام بخاری وغیرہ کے نسخے نہایت صحیح اور مستند موجود ہیں،

خط کی عمدگی
اور کاغذ کی
زراقتانی

(۲) بعض کتب خانوں مثلاً حمید یہ قدیم میں یہ خصوصیت ہے کہ اکثر کتابوں کا کاغذ زریں یا زرقاں ہے اور حاشیہ پر سنہری میل بوٹے بنے ہیں، ان تکلفات کے ساتھ خط نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے، چونکہ قدیم زمانہ کی کتابیں اس تکلف کے ساتھ کم مل سکتی تھیں، بانی کتب خانہ نے اکثر کتابیں خود اپنے ہتھام سے تیار کرائی ہیں، میں نے متعدد کتابیں جن میں شفا بوعلی سینا کا کامل نسخہ بھی تھا، نکلوا کر دیکھا اور صاحب کتب خانہ کی نفاست پسندی

کی بے ساختہ داد دی،

(۳) میرا خیال تھا کہ دولت عباسیہ کے عہد میں یونانی و مصری کتابوں کے جو ترجمے ہوئے تھے دنیا سے ناپید ہو گئے، لیکن یہاں آکر اس خیال کی غلطی ثابت ہوئی، اگرچہ جس کثرت سے ترجمے ہوئے تھے اس کے اعتبار سے تو موجودہ سرمائے بھی نہ ہونے کے برابر ہے، تاہم جس قدر موجود ہے یہ بھی غنیمت ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں کو قدیم تصنیفات کے ساتھ خاص اعتنا تھا، چنانچہ انہوں نے اس باب میں یورپ کی کوششوں سے بھی فائدہ اٹھایا، ابن رشد نے ارسطو کی تصنیفات کا ایک نہایت مفید اور جامع خلاصہ لکھا تھا، یہ اصلی خلاصہ مفقود ہو گیا ہے، لیکن لاطین میں اس کا ترجمہ ہو گیا تھا، جو اس وقت تک یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہے، اسعد آفندی ایک ترکی عالم نے اس لاطین خلاصہ کا عربی میں ترجمہ کیا، اور جا بجا کچھ اضافے کئے ہیں، یہ ترجمہ راغب پاشا کے کتب خانہ میں دیکھا، بہت بڑا مجموعہ ہے، اور ترکوں کی علمی کوششوں کا عمدہ نمونہ ہے،

۴۴ فن تاریخ و ادب میں بعض ایسی تصنیفات دیکھیں جن میں وہ جدت ہے، جس کو میں مدت سے تلاش کرتا تھا، اور یورپ کی تصنیفات حال کے سوا اس قسم کی طرز تصنیف کا کہیں پتہ نہ لگتا تھا، مثلاً قصاۃ کے حالات میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں، لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی، کہ حالات زندگی کے ساتھ ان کے فیصلے اور احکام بھی نقل کرتا کہ آج طریقہ انفصال مقدمات کے ساتھ اس کا موازنہ کیا جاسکتا، کتب خانہ بنی جامع میں اس قسم کی ایک کتاب موجود ہے

تاریخ اور ادب کی
نایاب تصنیفات

مصنف کتاب کا نام ابو بکر محمد بن خلف و کعب ہے، جو نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہے، اور تمام واقعات کو بسند متصل بیان کرتا ہے، اس کتاب میں التزام کیا ہے کہ ہر شخص کے حال کے ساتھ اس کے بہت سے فیصلے اور تجویزیں بھی نقل کی ہیں اور مقدمات کی صورت بیان کی ہے،

فن ادب میں میں نے اس قسم کی کوئی کتاب نہیں دیکھی تھی، بلکہ خیال تک نہ تھا کہ ایسی کوئی کتاب مسلمانوں نے کبھی لکھی ہوگی، جس میں مضامین شعری کی تاریخ ہو، یعنی فلاں مضمون، اول فلاں شاعر نے لکھا، پھر رفتہ رفتہ فلاں فلاں شاعر نے یہ یہ اضافہ کیا، یا اس طرح اس کی صورتیں بدلیں، عاشر آفسدی کے کتب خانہ میں میں نے ایک بڑی ضخیم کتاب خاص اس موضوع پر دیکھی، مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ ہر قسم کے مضامین عرب جاہلیہ نے ایجاد کئے، پھر متاخرین نے ان کو ترقی دی، اور نئے نئے پیرائے نکالے، تمام کتاب اسی دعویٰ کے ثبوت میں ہے، مصنف ہر مضمون کے لئے عرب جاہلیہ کا ایک شعر نقل کرتا ہے، اور بتاتا ہے کہ اسلامی شعرا میں فلاں شاعر نے اسی مضمون کو ذرا بدل کر اس طرح لکھا، پھر دولت بنو امیہ اور عباسیہ کے شعرا نے اسی سے اور اور صورتیں پیدا کیں، اس کتاب کو پڑھ کر مصنف کی وسعت نظر اور دقیقہ سنجی پر حیرت ہوتی ہے، اور ساتھ ہی افسوس ہوتا ہے، کہ متاخرین اس قسم کی ناواقف تصنیف کی پیروی نہ کر سکے، کہ آج اس مضمون پر متعدد کتابیں لیتیں،

(۵) مشہور حکما اور ائمہ فن کی کتابیں جس کثرت سے یہاں موجود ہیں اور کہیں نہیں مل سکتیں، امام غزالی، ابو علی سینا، فخر رازی، فارابی کی وہ

حکما اور ائمہ فن
کی تصنیفات

کیا اب تصنیفات جن کے نام صرف ابن خالکان وغیرہ کے ذریعہ سے معلوم ہیں اکثر
 یہاں موجود ہیں، معارف و حقیقت کے متعلق ابو علی سینا اور حضرت سلطان ابو سعید
 ابو انخیر کی آپس میں جو خط و کتابت وقتاً فوقتاً ہوئی ہے وہ رسالوں کی شکل میں
 موجود ہے،

ابن سینا کی نسبت یہ امر مدتوں سے بحث طلب ہے کہ اُس نے فلسفہ یونانی
 پر کچھ اضافہ کیا ہے یا نہیں، کتاب التفایم اُس نے لکھا ہے کہ میں جو کچھ لکھتا ہوں
 وہ ارسطو کا فلسفہ ہے، اپنے خاص فلسفہ کو میں نے حکمت مشرقیہ میں لکھا ہے، یورپ
 والوں کو اس کتاب یعنی حکمت مشرقیہ کی نہایت تلاش ہے، اور چونکہ ان کو یہ
 کتاب نہیں مل سکی اس لئے پروفیسر منک نے اپنی کتاب ربط فلسفہ الیہود والاسلام
 میں لکھا ہے، کہ حکمت مشرقیہ ہم کو ملتی نہیں، اور اور جو کتابیں ملتی ہیں، ان سے
 یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن سینا نے کچھ اضافہ نہیں کیا، کتب خانہ
 جامع ایاصوفیہ میں اس نایاب کتاب کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے، مسلمان
 تو اس کے پڑھنے اور فلسفہ یونانی سے موازنہ کرنے کی زحمت کب گوارا کرتے
 لیکن اگر یورپ والوں کو یہ کتاب مل جاتی تو کچھ شبہ نہیں کہ اس بحث کا
 کہ مسلمانوں نے فلسفہ یونانی میں کچھ اضافہ کیا یا نہیں، قطعی فیصلہ ہو جاتا، میں
 قلت فرصت کی وجہ سے اس کتاب کو سرسری طور پر دیکھا، بظاہر اس میں
 کوئی جدت نہیں معلوم ہوتی تھی، زیادہ تدقیق کی نگاہ سے دیکھنے کا موقع ہوتا تو
 کچھ رائے قائم ہو سکتی،

تاریخ اور ادب کی نایاب کتابیں جو میں نے یہاں دیکھیں ان میں سے چند

کے نام ذیل میں درج ہیں، تاریخ خطیب بغدادی تمام و کمال، تاریخ اسلام از علامہ ذہبی، ۸ جلد، تاریخ الحکماء از جمال الدین لقفطی، تاریخ البکیر امام بخاری ۳ جلد، تجارب الامم ابن مسکویہ، منتظم لابن جوزی، مرآة الزمان بسط ابن جوزی، مسالک الابصار لابن فضل اللہ، ۱۰ جلد، عقد الجمان لبدر الدین السعنی ۸ جلد، مختصر تاریخ دمشق ابن عساکر بحال الدین بن مکرم الانصاری ۴ جلد، رحلة ابن خلدون، نہایت لارب للنیویز طبقات الادب لیا قوت الجموی، طبقات کبریٰ لابن سعد، طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی، کتاب الاشرف للبلاذری تمام و کمال، سیرة العزیز لابن جوزی، کتاب البیان والبتین للجاحظ، صناعتین للعسکری، دلائل الاعجاز لعبد القاهر البحر جانی، تذکرہ ابن حمدون، شرح تبریزی بر دیوان ابو تمام دیوان ابو نواس مکمل، سرقات المستنسی لابن العمید، مجموعہ رسائل ابو اسحق صابی،

کتب خانوں کے ذکر میں مجھ کو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ نایاب کتابیں یہاں بالکل بے کار ہیں، اولاً تو یہ کتب خانے دن میں صرف دو تین گھنٹے کے لئے کھلتے ہیں، اس کے ساتھ سال میں دو تین مہینے متصل تعطیل رہتی ہے، ان باتوں کے ساتھ اعلیٰ مذاق کی یہ کمی ہے کہ نایاب اور قدیم کتابیں یوں ہی پڑی رہتی ہیں کوئی شخص ان کو اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، کتب خانوں میں میں جب لوگوں کو کتابوں کے مطالعہ میں مشغول دیکھتا تھا، تو ہمیشہ دریافت کرنا چاہتا تھا، کہ کس قسم کی کتابیں ان کے پیش نظر ہیں، لیکن میں نے کسی کے سامنے مختصر معانی، ایسا غوجی، شرح وقایع جلالین وغیرہ کے سوا کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی، البتہ کبھی کبھی غیر ملکوں کے نامور علماء نکلتے ہیں، تو ان کو نایاب اور عمدہ کتابوں کی جستجو رہتی ہے،

کتب خانوں کے
یہاں کے باشندوں
کا متعلق نہ ہونا

حقیقت یہ ہے کہ کل دنیا سے اسلامی میں تعلیم کا طریقہ ایسا اتر اور ذلیل ہو گیا ہے کہ چند درسی کتابوں کے سوا لوگوں کو کسی قسم کی جدید معلومات کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی جس کا یہ نتیجہ ہے کہ جدت اور ایجاد کا مادہ قوم سے مسلوب ہوتا جاتا ہے اور جس قدر کہیں کہیں کچھ رہ گیا ہے، آئندہ اس کی بھی امید نہیں،

تنبیہ۔ میں نے کتب خانوں کے بیان میں جو تفصیل کی وہ ایک خاص عرض سے کی اور میں چاہتا ہوں کہ قوم کو اس کی طرف متوجہ کروں، یورپ میں اس قسم کی متعدد انجمنیں قائم ہیں، جن کا مقصد قدیم عمدہ کتابوں کا بہم پہنچانا اور ان کو چھاپ کر شائع کرنا ہے، انہی انجمنوں کی بدولت عربی زبان کی وہ قدیم اور نادر الوجود کتابیں ہم کو میسر آئی ہیں، جن کے دستیاب ہونے کا خیال بھی نہیں آتا تھا، یہی انجمنیں ہیں جنہوں نے تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری کا کامل نسخہ بہم پہنچایا، اور اس کی بہت سی جلدیں چھاپ کر شائع کیں، حالانکہ مصر و روم کے علماء اس نایاب تاریخی خزانہ سے بالکل ناامید ہو چکے تھے، اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے تو یقین دلایا تھا، کہ وہ دنیا سے ناپید ہو چکی ہے، شبہہ یورپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے، اور ہم کو اس کا علائقہ اقرار کرنا چاہئے، بزرگان قوم سے میری درخواست ہے کہ وہ اس قسم کی ایک عظیم الشان انجمن بنائیں، عام چندے سے کافی سرمایہ جمع کیا جائے، قابل اور لائق مصنفین، کتابوں کے انتخاب کے لئے ممبر مقرر ہوں، قسطنطنیہ اور مصر سے کتابیں نقل کر کر منگائی جائیں، اور چھاپ کر شائع کی جائیں، یہ کام بظاہر عظیم الشان اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے، لیکن

فی الحقیقت ایسا نہیں ہے، اگر چار کروڑ مسلمانوں میں سے ۱۰۰ مسلمان بھی آما وہ ہو جائیں اور ایک قلیل مقدار چنڈے کی دینا گوارا کریں تو اس کام کا انجام پانا کچھ مشکل نہیں، حیدرآباد میں دائرة المعارف الدکنیہ کے نام سے جو انجمن قائم ہے اور جس کے ایک معزز ممبر نواب اقبال یار جنگ بہادر ہیں، ہم کو امید ہے کہ وہ ہماری گزارش پر توجہ کرے گی، ہم شکر گزاری کے ساتھ اس کی علمی فیاضیوں کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ہم کو اس سے زیادہ فیاضیوں کی ضرورت ہے، اور ہم کو امید ہے کہ دائرة المعارف اور زیادہ توجہ اور اہتمام سے اس مقصد پر متوجہ ہوگی،

زوایا خانقاہیں

خانقاہیں جن کو یہاں تکیہ اور تکایا کہتے ہیں، نہایت کثرت سے ہیں، اخیر رپورٹ جو مرتب ہوئی ہے، اس میں ۳۰۵ خانقاہوں کے نام مع تفصیل مقام و دیگر حالات کے درج ہیں، لیکن خانقاہ کے لفظ سے وہ معنی مقصود نہیں جو ہمارے ملک میں مستعمل ہیں، ان ممالک میں یہ ایک عجیب فیاضانہ طریقہ ہے جو درحقیقت حیرت انگیز ہے، تمام بڑے بڑے شہروں میں ہر ملک اور ہر فرقہ کے لئے جدا جدا خانقاہیں ہیں، اس ملک اور فرقہ کا مسافر وہاں آنکلتا ہے، تو بغیر کسی قسم کی روک ٹوک کے خانقاہ میں جاسکتا ہے، اور جب تک چاہے، قیام کر سکتا ہے، کھانا اور ایک وقت کی چائے مفت ملتی ہے، یہ فیاضی یہاں تک عام ہے کہ باوجود بعد مسافت اور بے تعلقی کے قسطنطنیہ، دمشق، بیت المقدس، حلب، موصل، دیار بکر، ان تمام مقامات میں ہندوستانیوں کے لئے جدا خانقاہیں

ہیں، اور ان کے لئے گوشت اور حبس کی ایک مناسب مقدار مقرر ہے، یہ خانقاہیں امر اور رئیسوں نے قائم کی ہیں، اور اس قدر جائداد وقف کر دی ہے، جس سے مقرر مصارف ہمیشہ ادا ہوتے رہتے ہیں، ہر خانقاہ میں ایک شیخ ہوتا ہے، جس کو معقول تنخواہ و خوراک ملتی ہے، اور خانقاہ کا تمام انتظام اس سے متعلق رہتا ہے، میں نے متعدد خانقاہوں کی سیر کی، بعض بعض کی عمارت خوش فضا اور موزوں ہے، کھانے کی نوعیت اور مقدار بھی کافی ہے، خاص قسطنطنیہ کی خانقاہوں کے سالانہ مصارف کا تخمینہ چار پانچ لاکھ سے کم نہیں کیا جاسکتا، درحقیقت ترکوں کی فیاضی کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے، اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جس زمانہ میں یہ طریقہ قائم ہوا تھا، اس عہد کے لحاظ سے نامناسب بھی نہ تھا،

تم نے عربی تاریخوں میں پڑھا ہوگا کہ تمام مالکِ اسلامی میں سیاحوں اور طالب علموں کا ایک تانتا بندھا رہتا ہے، وہ انہی خانقاہوں اور زاویوں کی بدولت تھا، ابن بطوطہ کو اپنے عالمگیر سفر میں اسی طریقہ کی وجہ سے مدد ملی تھی، چنانچہ اُس نے سفر نامہ میں ان زاویوں کو نام بنام لکھا ہے، لیکن، یہ سدرتی بات ہے کہ جب کسی قوم کے بُرے دن آتے ہیں، تو مفید تدبیریں مضر بن جاتی ہیں، مسلمانوں کو سیر و سیاحت، جغرافیہ، تحقیقات، تحصیل علم کا مذاق تو جاتا رہا، اس لئے اب یہ طریقہ کاہلی، مفت خوری، دروازہ گری کا ایک ذریعہ رہ گیا ہے اور قومی زندگی کو نہایت نقصان پہنچا رہا ہے، میں نے اکثر خانقاہوں میں خود جا کر دیکھا، کئی کئی برس کے آئے ہوئے مسافر پڑے ہیں، نہ کسی قسم کا

خانقاہوں سے
قومی زندگی
کو نقصان
پہنچا،

شغل ہے نہ کچھ کام ہے لکھنؤ کے اہلیوں کا جو حال سنا کرتے تھے، یہاں آنکھوں سے نظر آتا ہے، شیوخ جن کو خانقاہ کا انتظام سپرد ہوتا ہے، اور تمام نقد جس ان کے اہتمام میں رہتی ہے، عموماً خائن اور بدویانت ہیں، خود نہایت آرام و عیش سے بسر کرتے ہیں اور مسافروں کے لئے جو مقدار مقرر ہے اس کا آدھا، تہائی، چوتھائی بھی ان کو نہیں دیتے، ہندی خانقاہ کے شیخ ایک صاحب ہیں، انھوں نے کئی بیویاں کر لی ہیں، خانقاہ سے الگ ایک مکان بنوایا ہے، اکثر وہیں رہتے ہیں، ڈھائی سیر گوشت جو روزانہ خانقاہ کے لئے مقرر ہے، وہ قریباً کل حضرت کے تصرف میں آتا ہے، اور مسافروں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا، خانقاہ کی عمارت جا بجا سے ڈھے چلی ہے، صحن میں ایک کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا رہتا ہے، مختصر یہ کہ وحشت اور ویرانی کی پوری تصویر ہے، میں نے اور جن خانقاہوں کو دیکھا وہ اگرچہ ہندی خانقاہ سے ہر بات میں بہتر تھیں، لیکن دیانت اور راست بازی کا پتہ کہیں نہیں ملتا، اس طرح کئی لاکھ سالانہ کی رقم نہایت بڑی طرح براب ہوتی ہے،

مساجد جامع اور مشہور مقامات

جامع مسجدوں کی کثرت اور ان کی خوبی عمارت اور عظمت و شان کے لحاظ سے قسطنطنیہ دینا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا، محمد فاتح کے عہد سے جو اس دار الخلافہ کا پہلا تخت نشین تھا، آج تک جس قدر فرماں روا گذرے ہر ایک کی (بجز چند کے) ایک جامع مسجد موجود ہے، اور بڑی شوکت و شان کی ہی

ان میں سے جامع فاتح، جامع سلیمان، جامع بایزید، جامع والدہ سلطان، جامع سلطان احمد، جامع ایاصوفیہ زیادہ ممتاز ہیں، اور ان سب میں جامع ایاصوفیہ اور بھی زیادہ عالیشان اور پر شوکت ہے، ان مسجدوں کی وضع ہمارے یہاں کی مساجد سے بالکل الگ ہے، نہ والا نہ محرابیں، نہ صحن، صرف ایک گنبد ہوتا ہے، لیکن اس قدر وسیع کہ کئی ہزار آدمی اس میں آسکتے ہیں، اگرچہ ہندوستان کے مذاق کے لحاظ سے ان مسجدوں کو خوبصورت اور موزوں نہیں کہہ سکتے، تاہم گنبد کی بے انتہا وسعت اور عمارت کا ارتفاع انسان کو دفعۃً متحیر بلکہ مرعوب اور حیرت زدہ کر دیتا ہے، ہر مسجد میں کئی کئی سو بیٹوں کے آہنی جھاڑ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ جھاڑ کا رواج بہت قدیم زمانہ سے ہے، اسپن کی عربی تاریخوں میں ثریا کے لفظ سے غالباً اسی قسم کے جھاڑ مراد ہیں، البتہ اتنا فرق ہے کہ وہ شیشے اور بلور کے ہوتے تھے، یہاں لوہے کے ہیں، عموماً تمام مساجد میں ایک خاص التزام ہے، اور اس سے قیاس ہوتا ہے کہ سلاطین ترک کو مذہبِ نسنن میں نہایت غلو تھا، اور بات بات میں اس کا اظہار کرتے تھے، عموماً ہر مسجد میں چار بڑی بڑی ڈھالیں چاروں کونوں پر ہوتی ہیں، اور ان پر آب زر سے نہایت خوشخط اور جلی حروف میں ابوبکر، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ لکھا ہوتا ہے، بالکل اس طرح جس طرح زیب و آرایش کے لئے دیواروں پر استادوں کے لکھے ہوئے قطعے لٹکاتے ہیں، تمام مسجدیں پر تکلف اور آراستہ ہیں، معمولاً چٹائی اور جمعہ و عیدین کو عمدہ اور بیش قیمت قالین کا فرش بچھتا ہے، مسجد کے ایک طرف کچھ زمیں چھوٹی ہوتی ہے، جس میں وضو کرنے کے لئے سقاوہ بنا ہوتا ہے، میں نے اس بات کو

نہایت پسند کیا کہ یہاں حوض کا مطلق رواج نہیں،

جامع ایاصوفیہ

جامع ایاصوفیہ جو سب سے زیادہ عالیشان ہے اور تمام مسجدیں، اسی کے نمونہ بنی ہیں، دراصل ایک بہت بڑا گرجا تھا، جس کو قسطنطین نے ۳۲۵ء میں تعمیر کیا تھا۔ سات برس تک اس کی تعمیر جاری رہی، اور ۱۰۰ معمار اور دس ہزار مزدور کام کرتے تھے محمد فاتح نے کسی قدر تغیر کر کے اس کو مسجد بنا لیا، ابن بطوطہ نے اس کو گرجا ہونے کی حالت میں دیکھا تھا، وہ لکھتا ہے کہ ”یہ رومیوں کا سب سے بڑا گرجا ہے اور چونکہ کوئی غیر شخص اس کے اندر نہیں جاسکتا، اس لئے میں اندر کی کیفیت نہیں بیان کر سکتا، باہر سے اس کی یہ صورت ہے کہ ایک میل کا احاطہ ہے، اور تمام زمین میں رخام کا فرش ہے، بیچ میں ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے پر ایک ہاتھ بلند رخام کی دیوار ہے، اس دیوار میں عمدہ کچی کاری کا کام ہے، اور نہایت عمدہ میل بوٹے بنے ہیں، گرجے کا دروازہ چاندی اور سونے کے پتروں سے منڈھا ہوا ہے، لوگوں کے بیان سے ظاہر ہوا کہ کئی ہزار پادری اور رہبان اس گرجے میں دن رات رہتے ہیں۔“

ابن بطوطہ نے جو صورت بیان کی افسوس وہ اب باقی نہیں رہی، احاطہ جس میں نہر تھی مسجد سے بالکل باہر ہے، اور قہوہ خانہ بن گیا ہے،
واقعی یہ عمارت عجیب و غریب اور حیرت افزا ہے، بیچ کے گنبد کا قطر ۱۱۵ فٹ اور چھت کا ارتفاع ۸۰ فٹ ہے، ۱۰ ستون ہیں اور کل سنگ سماق اور رخام کے ہیں، ان ستونوں کا قطر تین تین چار چار ہاتھ سے کم نہیں، دروازہ جو قسطنطین کے زمانہ کا ہے، اور تانبے کا ہے، اس پر قدیم زمانے کی تصویریں بنی ہیں،

اور اب تک قائم ہیں، چھت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی جو تصویر تھیں، ان کے آثار اب بھی موجود ہیں،

قابل دید مقامات بہت ہیں، مثلاً یونانیوں کے معابد قدیم، سلخ خانہ، خزانہ یعنی جہاں تمام سلاطین عثمانیہ کی پورے قد کی تصویریں مع اصلی لباس و اسلحہ و جواہرات کے ہیں، توپوں کے ڈھالنے کا کارخانہ، موزہ خانہ یعنی عجائب خانہ قدیم جہاں نہایت قدیم زمانہ کے پتھر اور کتبے ہیں، اس میں سکندر یونانی کا سنگی تابوت بھی ہے، وغیرہ وغیرہ لیکن میں اکثر مقامات کو نہ دیکھ سکا، اس لئے انہی پر اکتفا کرتا ہوں جس کی خود میں نے سیر کی،

ترس خانہ یعنی جہازوں کے بنانے کا کارخانہ بہت بڑا عظیم الشان کا خانہ ہے، اور چونکہ حربی صیغہ سے متعلق ہے، محکمہ بحریہ کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی شخص وہاں جا نہیں سکتا، خوش قسمتی سے محکمہ بحریہ کے ایک معزز عہدہ دار ہمارے دوست شیخ علی ظبیان کے شناسا تھے، انہوں نے ہر بانی سے ایک عہدہ دار کو ساتھ کر دیا، جس نے ہم کو تمام کارخانہ کی بخوبی سیر کرائی، یہ صفا عربی خوب سمجھتے اور بولتے تھے، اور اس وجہ سے ہم ہر ایک بات کو تفصیلاً دریافت کر سکتے تھے، یہ کارخانہ مختلف حصوں میں منقسم ہے، جس کا صدر مقام ایک بہت بڑی مستطیل دو منزلہ عمارت ہے، جہاں متعدد بڑے بڑے انجن ہیں اور ان کے ذریعہ سے سیکڑوں کلیں چلتی ہیں، ہمارے رہنما نے اول ہم کو اوپر کے درجہ کی سیر کرائی، پہلے ایک بڑے کمرے میں لے گئے، وہاں چند معزز افسر ایک ایک لمبی میز کے گرد بیٹھے ہوئے، ایک جہاز کا نقشہ تیار کر رہے

قابل دید
مقامات

تھے نقتہ جب تیار ہو جاتا ہے، تو دوسرے آفس میں بھیج دیا جاتا ہے، جہاں اس نقتہ کے موافق جہاز کا مختصر سا نمونہ تیار کیا جاتا ہے، یہ نمونہ لکڑی کا ہوتا ہے، اور باوجود مختصر ہونے کے جہاز کی پوری تصویر ہوتا ہے، یہ نمونہ اول سلطان کے ملاحظہ میں پیش ہوتا ہے، اور منظوری کے بعد اسی کے نمونے کے موافق جہاز تیار کیا جاتا ہے ان نقلی جہازوں کے دقائق اور نکتے تو میں سمجھ سکتا تھا، لیکن بظاہر نہایت وقت نظر اور استادی کا کام معلوم ہوتا تھا،

ان چیزوں کو دیکھ کر ہم نیچے اترے، یہاں سیکڑوں کلیں چل رہی تھیں اور جدا جدا کام ہو رہے تھے، ایک طرف پرزے ڈھل رہے تھے، ایک طرف لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں پر سیکڑوں من کا گھن پڑتا تھا، اور چادریں بنتی جاتی تھیں، اس عمارت کے آگے ایک بہت بڑا المباحا طہ ہے، وہاں ایک جہاز تھا جو بالکل تیاری کے قریب تھا، صرف چادر چڑھانی باقی تھی، ہم نے یہاں تارپیڈو کی بہت سی کشتیاں دیکھیں، جو اسی کارخانہ سے تیار ہوئی تھیں، اور سمندر میں ڈالی گئی تھیں ان جہازوں میں اوپر کے درجے میں کوئی چیز نہیں ہوتی، سارا جہاز لکڑی کا ایک وسیع تختہ نظر آتا ہے، آلات حرب اور ہر قسم کی ضروری چیزیں یعنی باورچیخانہ، خوابگاہ، کھانے کا کمرہ غرض جو کچھ ہوتا ہے وہ اندر ہوتا ہے، ہمارے رہنمائے بھو ایک کشتی کی سیر بھی کرائی، لیکن چونکہ اندر جگہ بہت کم ہوتی ہے، تھوڑی دیر میں ہمارا دم گھٹنے لگا، اور ہم جلد باہر نکل آئے، نہایت قابل تعریف بات یہ ہے کہ اتنا بڑا عظیم الشان کارخانہ صرف ترک چلاتے ہیں، تمام افسر اور کاریگر اور ملازم ترک ہیں صرف ایک یورپین مہولی درجہ کا ملازم ہے، اور وہ بھی قدامت کے لحاظ

تیارپیڈو کی کشتیاں

سے بحال رکھا گیا ہے، انجن بھی یہاں تیار ہوتے ہیں اور ترکوں کا بیان ہے کہ یورپ کے بنے ہوئے انجنوں سے کسی بات میں کم نہیں ہوتے، ایک افسر نے مجھ سے کہا کہ اس قسم کے تمام کاموں میں ہم کو یورپ کی احتیاج نہیں رہی،

مقتولان ینگ چری | ترکوں کی تاریخ میں ینگ چری کا لفظ نہایت اہم اور نٹ لفظ ہے، سلطان آرخان نے جو سلاطین ترک میں دوسرا تخت نشین تھا، ۶۳ھ ہجری میں حکم دیا کہ اسیران جنگ سے جو ہر سال کثرت سے گرفتار ہو کر آتے تھے ایک خاص تعداد منتخب ہو کر ایک فوج تیار ہو، حاجی بکتاش نے جو سلطان کا مرشد تھا، اس فوج کا نام ینگ چری رکھا، جس کے معنی ترکی زبان میں فوج جدید کے ہیں، فوج کی کثرت سے اس فوج کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ دو تین نسل کے بعد ہی فوج حکومت کی دست و بازو بن گئی، یہ عجیب بات ہے کہ یہ گرفتاران جنگ اگرچہ عموماً عیسائی نسل سے ہوتے تھے، اور فوج میں داخل ہو کر بھی مدتوں اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے تھے، تاہم ترکی حکومت کے ساتھ ان کو یہ اخلاص تھا کہ خود ترکوں کو اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا، ترکوں نے جو ایک مدت تک یورپ کو اپنا صید گاہ بنا رکھا تھا وہ انہی جانبازوں کی بدولت تھا، ۱۸۲۶ء میں جب سلطان محمود نے یورپ کے اصول پر فوج کو مرتب کرنا چاہا، تو ان لوگوں نے بغاوت کی، سلطان نے ایک جدید فوج پہلے سے تیار کر رکھی تھی، اہل شہر نے بھی شاہی جدید فوج کا ساتھ دیا، غرض خاص قسطنطنیہ میں ایک سخت معرکہ ہوا، ینگ چری فوج بالکل برباد ہو گئی، اس کے ساتھ شاہی فوج کو بھی سخت نقصان پہنچا، اور وزیر اعظم اور شیخ الاسلام جان سے مارے گئے،

مقتولان ینگ چری

یہ مکان اسی معرکہ کی عبرت انگیز یادگار ہے اور وزیر اعظم، شیخ الاسلام اور ینگ چرچی
 فوج کے تمام بڑے بڑے نامور افسروں کی پورے قد کی مورتیں ہیں، سپاہیوں
 اور سپہ سالاروں کی پُر رعب شکلیں، تدریم زمانہ کا لباس اور اسلحہ حرب،
 سکوت اور خاموشی کا عالم، یہ تمام باتیں جمع ہو کر کچھ ایسا ہیبت انگیز سماں پیدا
 ہو گیا ہے کہ دن کو وہاں جاتے ڈر لگتا ہے، دو پہلو انوں کو میں نے دیکھا، سر سے پاؤں
 تک لوسے میں غرق، سر پر خود، چہرہ پر جہلم، ہاتھوں میں آہنی دستا نے، بدن میں
 زرہ اور چار آئینہ، ٹخنوں تک کے آہنی موزے غرض آنکھوں کے سوا جسم کا کوئی
 حصہ نظر نہیں آتا تھا، دریافت سے معلوم ہوا کہ کر دی جوان ہیں، جو خاص پانگاہ
 کی خدمت پر مامور تھے میرے تجربہ میں ایک من لوسے سے کم بوجھ ان کے بدن پر
 نہ تھا، تعجب ہے کہ اس قدر وزن کے ساتھ وہ لڑتے کیونکر تھے، افسروں کے لباس
 عجیب و غریب قسم کے ہیں بعض بعض کی گڑیاں ہاتھ ہاتھ بھرا اونچی ہیں یہاں ہر وقت
 سرکاری پہرہ رہتا ہے، اور ٹکٹ حاصل کرنے کے بغیر کوئی شخص وہاں جا نہیں سکتا،
 موزہ خانہ یعنی عجائب خانہ | عجائب خانے دو ہیں ایک سرکاری جہاں نہایت قدیم زمانے
 کے پتھر اور کتبے اور اس قسم کی یادگار چیزیں ہیں، سکندر یونانی کا لشکر کی تباہی اور
 افسوس ہے کہ مجھ کو اس کی سیر کا اتفاق نہیں ہوا،
 دوسرا کسی عیسائی سوداگر نے قائم کیا ہے، عمارت اور تمام چیزیں
 ہیں جو کچھ میوزیم کے قابل ہے، وہ دنیا کے تمام میوزیموں کا نمونہ ہے،
 یہ موزیم اس خوبی سے بنایا گیا کہ بالکل پہلی عمارت ہے، ایک عجیب و غریب
 جس کے پرشاد نہایت خوشبودار گلے لگاتے ہیں، اس کے اندر پارک اور باغ

کی گلی ڈالی تھی معلوم ہوا کہ یہ وہاں کا زیور ہے، پہلے تو مجھ کو نہایت تعجب ہوا پھر خیال آیا کہ ہمارے ملک میں ناک کان چھید کر نتھ اور بالیاں وغیرہ پہناتے ہیں، تو ہونٹوں نے کیا تصور کیا ہے کہ اس زینت سے محروم رکھے جائیں،

یہاں میں نے ایک عجیب درد انگیز تماشہ دیکھا، جس کا اثر دیر تک میرے دل پر رہا، ایک جداگانہ مکرے میں چند عورتیں ہیں جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں ایک شکنجہ میں دابی جا رہی ہے، ایک کی پیٹھ پر چلتے ہوئے لوہے کی پٹری رکھی ہے کہ گردن سے لے کر کمر تک چار چار انگلی کھال اتر گئی ہے، اسی طرح اور دو کو عجیب عجیب طریقے سے اذیت دی جا رہی ہے، یہ عورتیں صورت اور وضع و لباس سے دولت مند اور شریف معلوم ہوتی ہیں، اکثر کم سن اور خوبصورت و نازک اندام ہیں، سخت تعجب ہوتا تھا کہ کن ظالم ہاتھوں نے ان حسن کی دیویوں پر ہاتھ اٹھانے کی جرات کی ہوگی! دریافت سے معلوم ہوا کہ اسپین میں جب اسلامی حکومت برباد ہو کر عیسائیوں کی سلطنت قائم ہوئی تو عموماً مسلمان تبدیل مذہب پر مجبور کئے گئے، اور چونکہ اسلام کا اثر آسانی سے دلوں سے مٹ نہ سکتا تھا، ان کو انواع و اقسام کی اذیتیں دی جاتی تھیں، اور بے کسی اور کمزوری کے سحاذ سے عورتوں پر زیادہ ظلم کیا جاتا تھا، یہ منظوم عورتیں اسی عبرت انگیز واقعہ کی یادگار ہیں، اس وقت مجھ کو خیال ہوا کہ آہا یہی عیسائی ہیں جو ہم کو طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا!!!

میں یہ معمانہ سمجھا کہ عجائب خانہ کے بانی نے جو عیسائی ہیں ان تصویروں کو کس غرض سے یہاں رکھا ہے، کیا وہ عیسائیوں کا پرفخر کارنامہ دکھانا چاہتا ہے؟

ایک درد انگیز
تماشا،

اور حکومت ترک جو اس سے تعرض نہیں کرتی تو کیا اپنی بے تنصیبی کا ثبوت دینا چاہتی ہے؟
میں تو اس بات کو نہایت ناپسند کرتا ہوں کہ دنیا کی مختلف قوموں میں جو ناگوار واقعات
کسی قدیم زمانہ میں پیش آئے، وہ دوبارہ منظر عام پر لائے جائیں۔

سیرگاہیں

قسطنطنیہ اور اس کے اطراف و جوار میں کثرت سے عجیب پر لطف قدرتی سیرگاہیں
ہیں، اور غنیمت یہ ہے کہ شہر والے اس نعمت کے قدر شناس بھی ہیں، سیرگاہ
کے لئے ایک خاص دن مقرر ہے، اُس دن وہاں عجیب پر لطف مجمع ہوتا ہے،
انہوں سے ہے کہ ہمارے ملک والے قدرتی مناظر کے مذاق سے آشنا نہیں، ورنہ
خاص اُن سیرگاہوں کے دیکھنے اور ان سے مزہ اٹھانے کے لئے لوگ قسطنطنیہ
کا سفر کرتے، اور کوئی عجیب بات نہ خیال کی جاتی، ان میں سے میں نے دو تین کی سیر
کی اور ان کے مختصر حالات لکھتا ہوں،

خونکر صوفی

خونکر صوفی قسطنطنیہ کی تمام سیرگاہوں میں سب سے زیادہ پر لطف اور دلنریب
ہے، اسی بنا پر اس کو سلطان المعظم کے نام سے منسوب کیا ہے خونکر فارسی لفظ
خونگر کی تحریف ہے، ترکی میں خون کا مالک یا خون ریز بادشاہ وقت کو کہتے ہیں، او
صوفی کے معنی پانی اور چشمہ کے ہیں، اس بنا پر خونکر صوفی کا ترجمہ، رشا ہی چشمہ
ہے، یہ مقام شہر سے بیس پچیس میل کے فاصلہ پر ہے، پہاڑوں کا ایک سلسلہ دور
چلا گیا ہے، اور نہایت شاداب اور سرسبز ہے، اس میں ایک قطعہ نہایت موزوں
نکل آیا ہے جو پہاڑ کی بلند سطح پر واقع ہے، خاص جس جگہ تماشائیوں کا مجمع ہوتا ہے،

وہ نہایت پُر لطف مقام ہے، سایہ دار درختوں کی دور دوریہ قطاریں ہیں، جہاں تک نظر کام کرتی ہے سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے ایک طرف آبشار ہے، جس کا پانی ایک حوض میں جمع ہوتا جاتا ہے، درختوں کے نیچے جا بجا دو دو چار چار آدمیوں کی ٹکڑیاں ہوتی ہیں، چائے اور قہوہ کا دور چلتا ہے، حوض پر باجا بجا ہے، اور فرنج اور ترکی گانا ہوتا ہے، بھانڈے نقلیں کرتے ہیں،

پانچ چھ زینے چڑھ کر پہاڑ کی اصلی چوٹی ہے، اور وہ نہایت مسطح اور سایہ دار ہے، یہ خاص عورتوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے، اور کثرت سے ٹرکس بیڈیاں جمع رہتی ہیں، نازک اندام عورتوں کے لئے میں میں میل کی مسافت، پہاڑ کی چڑھائی، گھوڑے یا خچر کی سواری کچھ تکلیف کی بات نہیں، لیکن یہ جگہ کچھ ایسی دلاؤ بیڑ ہے کہ سب تکلیفیں اس کے لئے گوارا کی جا سکتی ہیں،

مقر کوئی یہ ایک قہوہ خانہ ہے جو سمندر کے کنارے پر ہے، اور نہایت پُر فضا مقام ہے، موجیں بار بار کرارے سے آکر ٹکراتی ہیں، اور عجیب مزہ آتا ہے، یہاں ایک خاص بات یہ ہے کہ چھ سات یہودی عورتیں ایک بلند چوڑے پر بیٹھ کر عربی گیت گاتی ہیں، چونکہ ہم نے اس سے پہلے عربی راگ نہیں سنا تھا، مجھ پر ایک خاص اثر ہوا، سب مل کر ساتھ گاتی تھیں اور دن کی قسم کا ایک باجہ بجاتی جاتی تھیں،

محرم

ہمارے محرم بھی ایک قابل ذکر چیز ہے، اہل عجم جو مخالفت تعلقات کی وجہ سے یہاں سے ہٹا دیا گیا ہے، ان کی تہذیب و تمدن کا ساٹھ ہزار سے کم نہیں ہے، بہت

مقر کوئی
محرم

سرکاری محکموں میں ملازم ہیں، بہت سے تاجز پیشہ ور اور مزدور ہیں، اگرچہ یہ لوگ شہر کے تمام حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں، لیکن کثرت سے جہاں رہتے ہیں، وہ والدہ خانہ نام ایک محلہ ہے، محرم کے زمانہ میں دھوم دھام کی مجلسیں اور نوحہ و بجا کا ہنگامہ زیادہ تر یہیں ہوتا ہے، مجلسوں میں یہاں سوز اور تحت اللفظ کا دستور نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے، اور درحقیقت مجلس عزاکا دستور بھی یہی ہے، عام طریقہ یہاں کا یہ ہے کہ اول منبر کے قریب ایک شخص کھڑے ہو کر زبانی جناب امیر حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب کے متعلق اشعار پڑھتا ہے، پھر ایک مستعد عالم منبر پر بیٹھ کر حالات کو بلا کو وعظ کے طور پر نہایت خوبی اور صفائی سے بیان کرتا ہے، مجھ کو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ ترک عموماً ان محفلوں میں ادب اور خلوص کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ترکوں کے لحاظ سے بجز ایک دو موقع کے تمام مجلسوں میں وعظ جو ہوتا ہے ترکی ہی زبان میں ہوتا ہے،

ماتم کے چند طریقے ہیں، اور بعض نہایت عجیب اور موثر ہیں، ادنیٰ درجہ کا ماتم یہ ہے کہ نہایت زور سے چھاتی پٹتے ہیں، یہاں تک کہ اس جگہ کا گوشت ابھرتا ہے، دوسرا طریقہ زنجیروں سے ماتم کرنا ہے، تیس تیس چالیس چالیس آدیسوں کا حلقہ ہوتا ہے، اور سینہ یا پشت پر اس زور سے زنجیریں مارتے ہیں کہ دوڑ تک آواز جاتی ہے، تیسرا طریقہ تلواروں سے ماتم کرنے کا ہے، اور وہ شب شہادت کے ساتھ مخصوص ہے، ماتم کرنے والے ہاتھوں میں تلواریں لئے صفت باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، اور عجیب جوش و خروش و دستگی کے عالم میں یا حسین کہتے جاتے اور سرو پشانی اور شانوں پر تلواریں مارتے جاتے ہیں، انہوں سے خون

کی چھٹیں اڑا کر تمام بدن پر پڑتی ہیں، اور حلقہ ماتم گویا لڑائی کا میدان بن جاتا ہے۔ اس عبرت انگیز ہنگامہ کے دیکھنے کے لئے خلقت کا نہایت ازدحام ہوتا ہے اور شکل سے وہاں تک رسائی ہوتی ہے،

سلاطین یا موکب لطانی اور عید اضحیٰ

قسطنطنیہ میں سلاطین سے زیادہ کوئی چیز پڑا اور وچپ نہیں ہے، سلاطین ترکی لفظ ہے جس کا لفظی ترجمہ سلام کرنا ہے، چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کے سلام کو آتے ہیں، اس لئے اس رسم کو سلاطین سے تعبیر کیا جاتا ہے، سلطان عام طور پر قصر شاہی سے باہر نہیں نکلتے، صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جامع میں تشریف لاتے ہیں، اور وہیں نماز کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو شان و شوکت اور عظمت و جلال ظاہر ہوتا ہے، زبان یا قلم کے ذریعہ سے اس کی تصویر کھینچی شکل اور سخت مشکل ہے، باوجودیکہ ہینے میں چار بار، اول سال میں اڑتالیس دفعہ یہ موقع پیش آتا ہے اور اس وجہ سے اس کو ایک معمولی چیز خیال کیا جاسکتا ہے، تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا یہ ہجوم ہوتا ہے کہ لوگ درختوں اور آدمیوں کے کندھوں پر چڑھ کر تماشادیکھتے ہیں، یورپ کے اکابر اور سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کو آتے ہیں، اس موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، موکب ہمایونی کی گز گاہ پر ایک بالاخانہ ہے، معزز لوگوں کو ٹکٹ لے کر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے، چنانچہ ہر جمعہ کو ان تماشائیوں کا ایک معتد بہ مجمع ہوتا رہتا ہے، میرے زمانہ اقامت میں ہنگری کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ کی سیر

کو آئے تھے، اور اس مجمع میں شریک ہوئے تھے،

میں ہندوستان میں یہ حالات سن چکا تھا، اس لئے قسطنطنیہ پہنچ کر اول ہی کی سیر کا ارادہ کیا، ایک شامی عرب کو جن سے حال میں ملاقات ہو گئی تھی ساتھ لیا اور جامع حمیدیہ پہنچا، وہاں پہنچ کر دیکھا تو دور دور تک سپاہیوں کے پرے جھے ہیں، اور موکب ہمایونی تک نظر کی رسائی ہی مشکل ہے، مجبوراً واپس آیا، حسین حبیب آفندی جو کسی زمانہ میں بمبئی ٹرکس کا نسل تھے، اور اب قسطنطنیہ میں پوس کمشنر ہیں، وہ مجھ کو اس ذریعہ سے جانتے تھے کہ محاربہ روس میں نے بحیثیت سکرٹری انجمن تین ہزار کی رقم انہی کے ذریعہ سے قسطنطنیہ کو روانہ کی تھی، اسی تعارف کی بنا پر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن جامع حمیدیہ میں آنا، تمہارے لئے میں ٹکٹ لے رکھوں گا، لیکن بدقسمتی سے (اور پوچھئے تو خوش قسمتی سے) جب میں وہاں پہنچا تو وہ موجود نہ تھے، دیر تک مسجد کے دروازے پر ان کا انتظار کرتا رہا، قریباً ایک بجے جب سلطان کی آمد کا غل ہوا تو فوجیں دور دور تک پھیل کر ہلال کی شکل میں صف آرا ہو گئیں، اور تمام راستے رُک گئے، میں مایوس ہو کر مسجد میں داخل ہوا، اور افسوس کرتا تھا کہ یہ جمعہ بھی خالی گیا، تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک گرج کی سی آواز آئی، اور تمام میدان گونج اٹھا معلوم ہوا کہ سلطان کی سواری قریب آ پہنچی، اور یہ بادشاہ ہم چوق یشا^{لہ} کا نعزہ تھا جو ترکوں کا قومی نعزہ ہے، یہ نعزے بے درپے تین بار بلند ہوئے، کوکب سلطانی مسجد تک آ پہنچا، اور نعروں کی گونج ابھی تھم نہیں چکی تھی کہ موذن نے جو سلطان کے

لے اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے "ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے"۔

مشاہدہ جمال کا انتظار کر رہا تھا، اٹھا کر کانفرنس لہنگیا، دونوں آوازیں مل کر دل پر عجیب اثر کرتی تھیں، سلطان کھلی ہوئی گاڑی پر سوار تھے، چونکہ مسجد کا صحن داخل مسجد نہیں، یعنی وہاں نماز نہیں پڑھتے اور جوتے پہن کر جاسکتے ہیں، گاڑی صحن تک آئی اور دیوار کے قریب آکر ٹھہری، مسجد دو منزلہ ہے، اور اوپر کی مسجد میں گیلری بنی ہے جو خاص سلطان کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے، سلطان گاڑی سے اتر کر اوپر کی منزل میں گئے، اور ان کے جانے کے ساتھ گیلری کے درپوں پر اٹلسی پردے چھوڑ دینے گئے، کہ ان پر کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے، لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا، افسوس ہے کہ خطیب ترک تھا، عرب نہ تھا، اس لئے اُس کے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تھی جو عرب کے ساتھ مخصوص ہے، تاہم دوسرا خطبہ شروع ہوا، اور اس نے سلطان المعظم کی طرف اشارہ کر پیر جو ش آوازیں یہ الفاظ پڑھے، اللیصلنا نصر هذا السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان عبدالحمید خان، تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی میرا یہ حال تھا کہ آنکھ سے متصل آنسو جاری تھے، اور دیر تک زبان سے دعائے الفاظ نکلتے رہتے، عین اس موقع پر ایک بارگی پندرہ میں شخص جن کے ہاتھوں میں عرض حال اور درخواستیں تھیں اٹھ کھڑے ہوئے، یہ لوگ سلطان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیتے جاتے تھے، اور عرضیاں پیش کرتے جاتے تھے، عرض سبکی ان کاغذوں کو لیکر جمع کرتا جاتا تھا، بعضوں کو میں نے دیکھا کہ سلطان کی طرف اشارہ کر کے زمین تک جھکے اور زمین کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوما، اگرچہ یہ تمام باتیں خطبہ کے آداب اور سکون کے خلاف تھیں، تاہم کیفیت سے خالی نہ تھیں، دریافت سے معلوم ہوا، کہ جن لوگوں کو کسی طرح سلطان المعظم تک سائی کا امکان نہیں ہوتا، وہ اس ذریعہ سے اظہارِ مطلب کرتے ہیں، اور چونکہ سلطان

کامزاج قدرتی طور پر رحمانہ اور فیاض ہے، اس طریقہ کو بند نہیں کیا جاتا، نماز کے بعد اتفاق سے حسین حبیب آفندی لے اور شکایت کی کہ میں تم کو ڈھونڈتا پھرتا تھا، تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟ بلاخانہ کا ٹکٹ تو اب نہیں مل سکتا لیکن میں تمہارے لئے اس سے زیادہ عمدہ موقع نکالتا ہوں، نماز پڑھ کر تمام لوگ باہر چلے گئے، تو سلطان گیسری سے اترے اور ایک زینہ پر جہاں سے سلاہ کی بخوبی سیر ہو سکتی تھی اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تھا، آکر ٹھہرے، افسران فوج اور پاشا صحن کے داہنی طرف صف باندھ کر کھڑے ہوئے، حسین حبیب نے مجھ کو اسی صف میں لا کر کھڑا کر دیا، اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں، ایک معزز افسر حسن اخلاق کی وجہ سے، پیچھے ہٹ گیا اور میرے لئے جگہ خالی کر دی،

تھوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی، ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور ڈھلوان سڑک ہے، فوجیں جو دور دور تک ہلال کی صورت میں صف آرا کھڑی تھیں ایوان شاہی کے سامنے سے گذرتی ہوئی مسجد کے صدر دروازے سے داخل ہوتی تھیں، اور دوسرے دروازہ سے نکل جاتی تھیں، صفوں کی ترتیب، سوار، پیادہ، بحری، برمی، توپچی، برق انداز، ترک، کرد، عرب کے جدا جدا دستے، موزوں اور باقاعدہ رفتار، زرق برق اسلحے، مختلف اور خوشنما وضع کی وردیاں، فوجوں کا پے درپے آنا اور وفادار گوش کے ساتھ اپنے شاہنشاہ کے سامنے سے گذرنا، ایسا عجیب و غریب سماں تھا، جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا، عربوں کا رسالہ جو امپیریل گارڈ

ہے، ان کے سردوں پر عمامے تھے، سبز شیلے ہو ایسے اڑ کر عجیب لطف دکھاتے تھے
متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا، اور کم و بیش دس ہزار فوجیں
گذریں، اخیر میں سلطان کے دونوں شہزادے آئے اور عجیب شان سے آئے
فوجی لباس تھا، اور کمر سے تلواریں بندھی تھیں، اگرچہ دس دس بارہ بارہ
برس کا سن تھا، لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے، اور ان کے
چہروں سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آسکتا، شہزادے
بھی جاچکے تو سلطان زینہ سے اترے اور افسرانِ فوج اور پاشاؤں کی صفیں
جن میں میں بھی شامل تھا، دفعۃً سلام کو جھکیں، میں ابتدا سے محو حیرت تھا، او
آنکھوں کو ٹکٹکی لگ گئی تھی پہلے سے ارادہ تھا کہ سلطان کی زیارت ہوگی تو نہایت
نیاز مندی کے ساتھ آداب بجا لاؤں گا، لیکن از خود رفتگی کا یہ عالم ہوا کہ
تمام صف کی صف دیر تک رکوع میں رہی اور میں اسی طرح ٹکٹکی باندھے
کھڑا رہا، البتہ زبان پر دعائیہ الفاظ جاری تھے اور وہ بھی قصداً نہیں بلکہ
ایک بے اختیاری حالت تھی،

پانچ چار قدم پیادہ چل کر سلطان گاڑی پر سوار ہوئے، افسروں نے
دوبارہ سلامی دی اور وہ عجیب و غریب سماں دفعۃً آنکھوں سے چھپ گیا،

دیدہ من باز و نجویم ہنوز

سلطان جس وقت زینے سے اتر کر گاڑی کی طرف بڑھے، ہماری صف

سے ان تک صرف تین چار ہاتھ کا فاصلہ تھا، اور اس وجہ سے میں اچھی طرح

ان کو دیکھ سکا، سلطان کا حلیہ یہ ہے، قد میانہ بلکہ کچھ نکلتا ہوا، بدن

چھریہ، چہرہ کتابی، صورت سے وقار اور متانت ٹپکتی ہے، بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ کسی فنسکر میں ہیں، لباس بالکل سادہ، یعنی سیاہ بانات کا کوٹ اور معمولی ٹرکس ٹوپی تھی،

سلاطین کی
رسم

ترکوں میں سلاطین کا طریقہ ایک مدت سے چلا آتا ہے، اور رسوم سلطنت کا ایک جزو بن گیا ہے، اس سے فقط شاہانہ جاہ و جلال کا اظہار مقصود نہیں ہے بلکہ بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں فوج کے ایک بڑے حصہ کا جائزہ ہو جاتا ہے، اور اس طرح کل فوجیں جو پایہ تخت اور اس کے اطراف میں رہتی ہیں، سال میں چند بار ملاحظہ سلطانی سے گذر جاتی ہیں، سلطان وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کر سکتا ہے، اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیال تازہ ہو جاتے ہیں،

یہ تماشا دیکھ کر قیام گاہ پر واپس آیا، تو دل جوش اور اثر سے معمور تھا، شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خود بخود جہتہ جہتہ مصرعے زبان پر آتے جاتے تھے، قلم و کاغذ لیکر بیٹھا اور کچھ اشعار قلب بند کئے، پھر خیال آیا، کہ عید کے دن اس سے بھی بڑھکر سامان ہوگا، اس کو دیکھ لوں تو لکھوں، چنانچہ تمہید کے جس تدریجاً اس وقت تک موزوں ہو گئے تھے، لکھ کر چھوڑ دیئے، تمہید کے آخر کے ان اشعار سے،

دیں کہ برسید کہ ز اں جلوہ گاہ تاچہ بود حاصل چشم و نگاہ
اس شعر تک

بزم چو از جلوہ زیبا پُراست دامن چشم ز تماشا پُراست

یہی پُراثر اور پُرجوش نظارہ مراد ہے،

عید کے دن سلاطین نہ تھی اور اس وجہ سے فوج کی تعداد کم تھی، لیکن شان و شوکت، جاہ و جلال، جوش و اثر سلاطین سے بھی کچھ بڑھ کر تھا، قریباً آٹھ بجے فوجوں کی آمد شروع ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک تانتا بندھا رہا، اس کے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں لوگوں کو تعجب تھا کہ ان سے کیا مقصد ہے، ایک ایک دور سے پیادہ صفیں نمودار ہوئیں معلوم ہوا کہ تمام وزراء، پاشا، افسرانِ فوج اور بڑے بڑے عہدہ دارانِ مملکتی سلطان کے جلو میں پیادہ پارہے ہیں، یہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل آدھ میل تک تھیں، اور ان کی وضع اور لباس سے عجیب شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا، شانوں پر زریں پھول، دامن اور آستینوں پر کلابتوں کی تحریر، سینے مرصع اور طلائی تمغوں سے ڈھکے ہوئے، ان سب پر آفتاب کا عکس، تمام میدان جگمگا اٹھا، یہ صفت جاچکی تو سلطان کا جمالِ جہاں آرا نظر آیا، جنابِ ممدوح گھوڑے پر سوار تھے، لباس بالکل سادہ تھا، چند بڑے بڑے نامور فوجی افسر رکاب میں تھے، گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تھا، اور ہر قدم پر اس زور سے شاہم چوق پشیا کا نعرہ بلند ہوتا تھا، کہ تمام میدان گونج اٹھتا تھا،

میں یہ سماں دیکھ کر واپس آیا، تو قلم و دوات لے کر بیٹھا کہ جو کچھ خود دیکھا ہے، دو سوروں کو بھی دکھا سکوں، لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ قلم نے بالکل کوتاہی کی، جو تصویر میں نے کھینچی ہے، وہ بالکل نامکمل تصویر ہے،

ثنوی عیشت

جون ۱۸۹۲ء

(مقام قسطنطنیہ)

متعلک اللہ بحسن اعمال	قاصد فرخندہ من ہاں تعال
گرم زجا خیزورہ ہند گیر	پیش رسیدت سفرے ناگزیر
ورنفسے راست کنی ہم کمن	زور و وسکر دو عالم کمن
جملہ گرامے گہر کان ہند	دیدہ براہ اند عزیزان ہند
دائرہ گردند بگردت ہمہ	چوں تو دریاں بزم کشتی زمرہ
ہر یکے از جاے جہد چوں پسند	تاز حدیث تو شو دہرہ مند
حرفی ازاں یار سفر کردہ گوے	جملہ بدیں حرف کہ ای نیکوے
رفت چہا برس سرش از نیک و بد	تا پچھ حال است چہاں ست خود
یا کہ چو بہاں و فلاں میزید	بر روش دیدہ وراں میزید
از سفر روم چہ برداشت طرف	از پس ایں محنت ورنج شکر و
کار بے بود از آہنا چہ کرد	بزم خوشی بود تماشا چہ کرد
زاں چمن تازہ بدامن چہ بست	در صف دانش طلباں چوں نشست
از من آوارہ پیاراں بگوے	طے چو شود مرحلہ پرس و جوے

کاے ہمہ گنجینہ کشایانِ فن
 از کرم و او را بالادوست
 ہم بہاں طرز و روش میزیم
 گرچہ خودم با سردسامان نیم
 نیت سرانجمن آراے،
 و نیکہ پیرسید کہ زان جلوہ گاہ
 ہی چہ تو اں گفت کہ ذوق سخن
 گرچہ نخواہم کہ نشینم خموش
 گرچہ بعرض سخن آما وہ ام،
 بگذرازیں حرف و مکر میرس
 خوان سخن گرتہ خود آراستم
 تدمے بود حسرا ہم ہنوز،
 با توجہ گویم کہ چہا دیدہ ام
 صدر نشینانِ سرخوانِ فن
 حال من آن گونہ کہ بایست ہست
 زندہ ام و فاسخ و خوش میزیم
 نازکشِ حاجب و دربان نیم
 این منم و گوشہ تہنایے
 تا چہ بود حاصلِ چشم و نگاہ
 ہر نفسمے برداز خوشین
 فرصت آن کو کہ بیایم ہوش
 مست ز کیفیت این بادہ ام
 خواب خوشے دیدم و دیگر میرس
 عذربنہ محو تا شاستم
 دیدہ من باز و بخوابم ہنوز
 شجده ہا پیش نظر چیدہ ام

بزم چو از جلوہ زیبا پڑ است،

دامن چشم ز تماشای پڑ است

ہر چو از جیب افق سر کشید
 دیدہ پڑ از خواب چو بر خاستند
 طفل کہ این شیوہ نداند در
 شیوہ و آئینِ طرب تازہ گشت
 خاست ز ہر نا چہ گل بانگِ عید
 پیرو جوانِ جملہ تن آراستند
 مادرش از ہر تن دروے شست
 کوچہ و بازار پڑ آوازہ گشت

فرودہ رسیدیں کہ شہ چارہ ساز
 تابرد از خوانِ کرم تو شہ
 بسکہ عنان طلب آنگنختند
 پیکِ نظرِ راہِ تاشانیافت
 جملہ بصد شوق و بصد آرزوی
 سرمہ خاکِ رہِ شہ خواستند
 از دو سوے راہ کبک شرف
 ہر چو در ہر جہت افشانند نور
 گشت رواں از پی ہم خیل و فوج
 بود شعار ہمہ از ہم جدا
 پر تو آن اسلحہ رتا بناک
 باہمہ تمیکن چو گذشت این گروہ
 غلغلہ بر خاست کہ بادا نوید
 داغ نہ جہمہ خورشید و ماہ
 قاعدہ دولت و دین را مدار
 پیکر لطف و کرم کبریا سے
 خسرو لشکر شکن و قلعہ گیر
 فاتحہ دولت و طغرائے دین
 شاہ فلک کو کبہ عجد الحمید
 زود بر آید بادا سے نماز
 خلق بردن ریخت ز ہر گوشہ
 طفل و جوان بر سر ہم رختند
 نقش قدم ہم بہ زمین جانیافت
 سوے شکطاش نہادند روی
 جا بگذر گاہ سپہ خواستند
 خلق بآئین ادب بست صفت
 کو کبہ شاہ عیاں شد ز دور
 موج تو گوئی کہ شکستی بموج
 ہر ہمہ را رایت د پرچم جدا
 نور ہی ریخت بدامان خاک
 کشت بہ یکبار زمین پر شکوہ
 ہر جہا تبابِ خلافت دید
 حضرت خاقان خلافت پناہ
 آئینہ رحمت پروردگار
 سایہ یزداں شہ کشور کشا سے
 شاہ فلک عبتہ و گردوں سر
 زیبادہ افسر و تاج و تین
 ایلا لا اللہ بنصر مزید

فرہ شاہی ز جبین آشکار
 مرکبِ شہ پیش چو بگذاشت پائے
 طلعتِ شہ باز چو پر تو نکلند
 شور بر آمد کہ بود تا جہاں
 چرخِ بداں مایہ کہ گردندہ است
 زیب و طرازِ ہم عالم توئی
 جملہ بدانند کہ در غرب و شرق
 آن توئی امروز کہ در روزگار
 تازگی بدر و حسین از تو ہست
 جز تو کہ ہست ای شہِ انجم سپاہ
 فرہ دینِ نبوی از تو ہست
 شرع بجاہ تو چو شد ارجمند
 حاشیہ بوساں بہمین و بسیار
 خلق بہ یکبار در آمد ز جاسے
 بانگِ دعا گشت ز ہر سو بلند
 باد بکام تو زمین و زمان
 زندہ ہاں کہ تو جہاں زندہ است
 سایہ یزدان بہماں ہم توئی
 ہست ترا تاجِ خلافت بفرق
 ہست برو دولت و دین را قرآن
 زیب و طرازِ حسین از تو ہست
 آنکہ بود شرعِ نبی را پناہ
 بازوی اسلام قوی از تو ہست
 باد بفرمانِ تو چرخِ بلند

سکہ اقبال بنام تو باد
 ہر چہ گیتی است بکام تو باد

توکوں کے خدائق و عادات و طرز معاشرت

تصفیہ میں اگرچہ تین مہینہ ہو، لیکن ذہن کی حیثیت کی وجہ سے یہ ایک
سے میری جوں بہت کہ تھی میرے تو صحبت در میرے جواب میں قدر تھے نہ
کے خوب تھے، اس سے توکوں کے خدائق و عادات کے متعلق میری کیفیت سو بہتر
وہ جہاں ہے میں نے کٹر کا بچہ و سوں در بعض صنعت و غیرہ کے کارخانے
دیکھے، چند عہدہ داران میں سے وہ دن کے یہاں دعوتیں لے لیں، قوموں و
میں بھی کسی سے بد وقت ہوئی، تو موسے در میں پر کسی سے نہ رن ہو گیا، غرض
اس قسم کے موقع تھے جس میں مجھ کو توکوں کے خدائق و عادات کا تجربہ ہو، اس
سبب میں جو کچھ مضمون کا مضمون و قوت کی بنا پر ہو گا۔

مرحوم میری و کیفیت کے ذریعے اس قدر محدود ہیں، تاہم بعض امور کی
نسبت مجھ کو بالکل یقین ہے کہ ان کے متعلق میری جو رائے رقم ہوئی ہے وہ تصدیق
صحیح ہے، اور اس میں ذرا بھی غلطی کا حتم نہیں، ان میں سب سے مقدم توکوں
کی مہمان پرستی اور عام خوش خدائی ہے، کچھ شبہ نہیں کہ توکوں کے خدائق و عادات
وسیع اور فیاضانہ ہیں، غرور و نخوت صرف در مہمانان میں، مگر انہیں سے
امیر و غریب، مزدور و عہدہ دار، و نفع و شریف، جاہل و عالم ہر درجہ کے
لوگوں سے مجھ کو سابقہ پڑا، لیکن خوش خدائی اور فیاض طبیعت میں کو یہ سب ایک

ترکوں کی مہمان
پرستی اور
نوشِ اخلاقی

ہی مکتب کے سناگر دا اور ایک ہی سا پنچے کے ڈھلے تھے، غازی عثمان پاشا جن کو
پلونا کے واقعہ نے تمام دنیا میں روشناس کر دیا ہے، اور درویش پاشا جن کا
پوتا سلطان کی دامادی کا شرف رکھتا ہے، اس مرتبہ کے لوگ ہیں، جیسے ہندوستان
میں گورنر جنرل یا کمانڈر انچیف، میں دونوں سے ملا ہوں، اور وہ جس تو واضح اور
اور خوش اخلاقی سے پیش آئے، اس کا اثر اب تک میرے دل میں ہے،

ایک عام بات یہ ہے کہ بازار میں چلتے چلتے تم جس شخص سے گو وہ کسی رتبہ کا
آدمی ہو، راستہ پوچھو وہ نہایت مہربانی سے تمہاری طرف متوجہ ہوگا، اور تم کو
راستہ بتائے گا، بعض موقعوں پر مجھ کو نہایت تنگ اور پیدار گلیوں سے گزرنے
کا اتفاق ہوا، اور راستہ کے بھول جانے کی وجہ سے دیر تک حیران رہا، اتفاقاً
کوئی ترک آ نکلا تو اس نے راستہ بتانے پر اکتفا نہیں کی، بلکہ ساتھ ہو لیا،
اور جہاں مجھ کو جانا تھا وہاں تک پہنچا کر واپس آیا،

نیاضی اور مہمان نوازی ترکوں کی عام صفت ہے، اور نہایت ادنیٰ درجے
کے لوگ بھی نہایت سیر چشم اور نیاض ہیں، یہ عام طریقہ ہے کہ دو چار چشم آشنا
کسی ہوٹل یا قہوہ خانے میں اتفاق سے مل گئے تو قہوہ وغیرہ میں جو کچھ خرچ
ہوگا، ایک شخص سب کی طرف سے دے دیگا، گویا تمام لوگ اس شخص کے مہمان
ہوتے ہیں، اور وہ میزبان ہوتا ہے، خونکر صوی جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
میں اس کی سیر کو گیا تو خوبی آفسدی ساتھ تھے، چونکہ یہ مقام قسطنطنیہ کے
میں چیس میل ہے اور میرے ساتھ اور بھی چند اجباب تھے جہاز اور گاڑی
کا کرایہ اور قہنکہ وغیرہ میں خرچ ہوئے، یہ کل رقم خوبی آفسدی

نیاضی و مہمان
نوازی

نے ادا کی، میرے شامی اجاب کو جو خود مقتدر اور فیاض طبع تھے، آفندی موصوف کا زیر بار احسان ہونا گوارا نہ تھا، لیکن ملک کے رواج کی وجہ سے زیادہ اصرار نہ کر سکے،

ایک دفعہ میں درویش پاشا کے مکان پر گیا، وہاں چند اور بزرگ شریف رکھتے تھے، سب سے تعارف ہوا، اور دیر تک صحبت رہی، چونکہ اس وقت تک میں نے ترکی بوٹ کا استعمال نہیں شروع کیا تھا، اور انگریزی بوٹ پہنکر مکان کے اندر جانا معیوب ہے، میں نے دروازے ہی پر بوٹ اتار دیا تھا، ترکوں کے نزدیک بوٹ کا پاؤں میں نہ ہونا بدستگلی میں داخل ہے، اس لئے کسی کسی کو حیا ہوا، حاضرین میں سے ایک بزرگ جو اسکول کے ماسٹر اور معزز آدمی تھے، چپکے سے اٹھے اور ایک سیلیر لا کر میرے سامنے رکھ دی، ان بزرگ کا نام کاظم آفندی تھا، نوجوان آدمی ہیں ریاضی میں ان کی تصنیف حضور سلطانی میں پیش ہو چکی ہے، رخصت ہوتے وقت مجھ سے فرمایا کہ ہندوستان پہنچکر یاد رکھئے گا، کہ قسطنطنیہ میں کاظم بھی آپ کا ایک نیاز مند تھا،

حسین حسیب آفندی جو پولس کمنڈر اور معزز رہتے کے آدمی ہیں، ملاقات کے ساتھ اس لطف و مہربانی سے پیش آئے کہ میں بیان نہیں کر سکتا، اصرار کر کے کھانا کھلایا، کوٹھی اور پائیں باغ کی سیر کرائی، پردہ کرا کر زنا نہ مکان کے تمام کمرے دکھائے، رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ مجھ کو بھی کچری جانا ہے، ساتھ ہی چلیں گے، چنانچہ اپنی گاڑی پر بٹھا کر دور تک ساتھ لائے، لطف یہ کہ اس وقت میرا ذریعہ تعارف بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ میں ہندوستان کا رہنے والا

ہوں اور مسلمان ہوں، اس قسم کے واقعات سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ ترکوں کے اخلاق نہایت عام ہیں اور اس کے لئے وسیلہ و تعارف عورت جاہ کی سفارش کی کچھ ضرورت نہیں،

ترکوں کی معاشرت

ترکوں کی معاشرت کا طریقہ نہایت پسندیدہ اور قابل تقلید ہے، امرا اور معزز عہدہ دار ایک طرف، معمولی حیثیت کا آدمی بھی جس صفائی اور خوش سلیقگی سے سبر کرتا ہے، ہمارے ملک میں بڑے بڑے امیروں کو وہ بات نصیب نہیں، میں نے دس ہزار کے تنخواہ دار سے لے کر بیس روپیہ کی آمدنی والوں تک کے مکانات دیکھے ہیں اگرچہ دونوں کی حالتوں میں نہایت تفاوت تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا، تاہم خوش سلیقگی اور ترتیب و صفائی میں برابر تھے،

ڈرائنگ روم کا قدیم طریقہ یہ تھا اور متوسط حیثیت والوں میں اب بھی جاری ہے کہ دیوار سے متصل قریباً دو ہاتھ چوڑے اور دیوار کے طول کے برابر لمبے چوڑے بنے ہوتے ہیں، اور ان پر گدا بچھا ہوتا ہے، اب اگرچہ میز و کرسی کا زیادہ رواج ہے، تاہم چونکہ معزز ترکوں کے ہاں علما اور درویشوں کی اکثر آمد و رفت رہتی ہے، ایک آدھ کمرہ اس طریقہ پر بھی ضرور مرتب رہتا ہے، میں نے عثمان پاشا اور درویش پاشا کے عالی شان مکانوں میں بھی اس وضع کے متعدد کمرے دیکھے، زمانہ حال میں یورپ میں طریقہ زیادہ مروج ہے، ترکوں نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اصلاحیں کی ہیں، اور وہ درحقیقت قابل تعریف اصلاحیں ہیں، ڈرائنگ روم میں دجو اکثر عہدہ ٹرکس قایلین سے آراستہ ہوتا ہے، اس سرے سے اس سرے تک سڑک کے طور پر کارپٹ وغیرہ

مکانات کی وضع اور ترتیب

کی ہاتھ ہاتھ بھر چوڑی پٹیاں بچھی ہوتی ہیں، کمرے میں جو لوگ آتے جاتے ہیں، اسی پر گزرتے ہیں، ادھر ادھر پاؤں نہیں رکھ سکتے، ترکوں کا بوٹا اگر چہ خاک آلودہ نہیں ہوتا، لیکن اس طریقہ سے فرش اور بھی صاف و پاک رہتا ہے۔

کھانا یورپین طریقہ پر یعنی میز کرسی پر کھاتے ہیں، البتہ بعض باتوں میں فرق ہے، اور میری دانست میں وہ اصلاح طلب ہیں، عام دستور یہ ہے کہ جب تمام لوگ میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں، تو نوکر آکر ہر شخص کے آگے سادہ رکابیاں چن دیتا ہے، اس کے بعد باری باری مختلف کھانوں کی رکابیاں آتی ہیں، اور میز کے سچ میں رکھی جاتی ہیں، تمام لوگ ایک ہی رکابی میں کھاتے ہیں، چھری کا نٹا بھی ہوتا ہے لیکن (اکثر) کھاتے ہاتھ سے ہیں، میں نے حسین حیدب آفندی پولس کشنرا اور درویش پاشا کے یہاں کھانا کھایا اور درویش پاشا کے بیٹے احمد پاشا جو سلطان المعظم کے سہمی ہیں، میز پر ہمارے ساتھ تھے، اور اسی طریقہ سے کھاتے تھے، لوگوں نے بیان کیا کہ اب یہ طریقہ متروک ہوتا جاتا ہے، اور حال کے تعلیم یافتہ بالکل یورپین طریقہ پر کھاتے ہیں،

ہندوستان کے برخلاف عام دستور ہے کہ مکانات کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں، اندر ایک کھٹکہ ہوتا ہے جو دروازہ بند کرنے کے وقت خود بخود لگ جاتا ہے، باہر کی طرف ایک کڑا ہوتا ہے، کوئی شخص کسی سے ملنے کو جاتا ہے، تو کڑے سے دروازہ کو کھٹ کھٹاتا ہے، آواز سن کر نوکر یا صاحب خانہ کو اڑکھول دیتا ہے، امر کے یہاں دروازہ کے بیرونی رخ پر

کھانے کا طریقہ

مکانات کے دروازوں کا ہمیشہ بند رہنا

پیتل کا پھول لگا ہوتا ہے، اس کے دبانی سے اندر ٹی بکتی ہے، اور نوکر کو خبر ہو جاتی ہے، یہ طریقہ نہایت عام ہے، یہاں تک کہ غریب سے غریب آدمی کے دروازے بھی کھلے نہیں رہتے، اگرچہ دراصل سردی سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے، لیکن اس سے طرز معاشرت میں خود بخود نہایت تہذیب و اصلاح پیدا ہو گئی ہے، ہر شخص کو اندر داخل ہونا غیر یوں تکہ حتی تستائسوں کی تعمیل پر مجبور ہے،

ترکوں کا لباس جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں بالکل یورپین ہے، البتہ بوٹ میں ایک اختراع کی گئی ہے اور وہ واقع میں قابل تعریف ہے، یہ بوٹ چرمی جراب اور سیلپر کا مجموعہ ہے، جراب بالکل بوٹ کی شکل کی ہوتی ہے، لیکن ایڑی نہیں ہوتی، سیلپر میں اندر ایڑی کے پاس ایک کھٹکا لگا ہوتا ہے، جراب ہنکر جب اس کو پہنتے ہیں تو جراب اس میں اٹک جاتی ہے، اور دونوں مل کر خاصہ بوٹ بن جاتا ہے، بازار میں دونوں پہنے پھرتے ہیں، لیکن فرش پر سیلپر اتار دیتے ہیں، صرف جراب رہ جاتی ہے، اور چونکہ وہ گرد سے پاک ہوتی ہی، فرش پر دھبہ تک نہیں ملتا، ملاقات کا طریقہ نہایت مہذب اور پسندیدہ ہے، تم کسی سے ملنے جاؤ اور دروازہ کھٹکھاؤ تو اسی وقت نوکر آکر دروازہ کھول دیگا، مکان میں اسی غرض سے ایک خاص کمرہ فرش فروش سے آراستہ رہتا ہے، نوکر تم کو وہاں بٹھا دیگا اور تمہوہ یا چائے پیش کرے گا، اس کے بعد صاحب خانہ کو اطلاع ہوگی اور ملاقات کے کمرے میں بیٹھے گا اور تم کو وہیں بلائے گا، بڑے بڑے معزز افسروں کی ملاقات کا یہی طریقہ ہے، انگریزوں کی طرح احاطے کے باہر برانڈے میں ٹہلنا اور دیر

لباس

طریقہ ملاقات

تک انتظار کرنا نہیں پڑتا،

سلام کرنے کا عجیب طریقہ ہے، پہلے سینہ پر، پھر ہونٹوں پر، پھر پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہیں، ان اعضاء کا ہاتھ سے چھو لینا ضرور نہیں صرف محاذات کافی ہیں اگرچہ اس طریقہ پر سلام کرنے میں ہاتھ کو تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں لیکن مشائی کی وجہ سے تینوں مرحلے اس جلدی سے طے ہوتے ہیں کہ معمولی سلام سے زیادہ عرصہ نہیں لگتا، اس ایجاد میں یہ فائدہ ہے کہ قد کو جھکانا نہیں پڑتا، اور ایشیائی تعظیم ادب بھی ہاتھ سے نہیں جاتا، مجلس میں سلام کرنے کا جو طریقہ ہے وہ زیادہ تکلف آمیز ہے، یعنی بیٹھ جانے کے بعد حاضرین میں سے ہر شخص کی طرف الگ الگ مخاطب ہو کر سلام کرنا پڑتا ہے، بالکل اس طرح جیسا لکھنؤ میں دستور ہے، معلوم نہیں ترک جیسے سپاہیوں کو یہ لکھنؤانہ تکلف کس نے سکھایا،

ترکوں کی معاشرت میں مجھ کو جو چیز سب سے زیادہ پسند ہے وہ یہ ہے، کہ باوجود نفاست پسندی اور عالی دماغی کے فضول شان و شوکت کا نام نہیں، بڑے بڑے وزراء، اہل بازار میں بکھلتے ہیں تو معمولی حیثیت سے بکھلتے ہیں، میں نے بارہا وزیر اعظم کی سواری دیکھی ہے، صرف دو تین سوار ساتھ ہوتے ہیں، سپہ سالار کل علی رضا پاشا کے ساتھ پانچ سوار سے زیادہ نہیں ہوتے، مکانات اور تمام معاشرت کی چیزوں میں بھی سادگی پائی جاتی ہے، عثمان پاشا، درویش پاشا، زکی پاشا جس حیثیت اور رتبہ کے لوگ ہیں، اس لحاظ سے ان کے مکانات کو کم از کم حیدرآباد کا فلک نما اور بشیر باغ ہونا چاہئے تھا، لیکن وہ ہمارے مولوی ہمدی علی صاحب کی کوٹھی کے برابر بھی نہیں، نوکر چاکر بھی کثرت سے نہیں ہوتے

جیسا ہمارے ہاں نواب اور فرضی شاہزادوں کے ہاں دستور ہے، حق یہ ہے کہ ترک
اس بات پر جہاں تک فخر کریں بجا ہے، کہ انہوں نے چھ سو برس تک سلطنت کے
سایہ میں پل کر سپاہیانہ پن نہیں چھوڑا، ورنہ عباسی، فاطمی، اموی (اندلس والے)
تیموری تو سوسہی دو سو برس میں اچھے خاصے رنگیلے بن گئے تھے،

ترکوں کی تہذیب و ترقی میں جو چیز سب سے زیادہ قابلِ قدر اور قابلِ تقلید ہے
وہ عورتوں کی تعلیم و تربیت و طریقہ معاشرت ہے، دنیا کی دو بڑی قومیں یعنی یورپین
اور ایشیا تک اس مسئلہ میں افراط اور تفریط کے انتہائی کناروں پر واقع ہیں، اور
اس وجہ سے دونوں کی حالت قابلِ اعتراض ہے، ترکوں نے ایسا معتدل طریقہ
اختیار کیا ہے جو دونوں کی خوبیوں کا جامع اور دونوں کے عیوب سے خالی ہے،
ٹرکش عورتیں تعلیم یافتہ ہیں، لیکن بے شرمی، شوخی، بیجا آزادی، رقاصی کی (اور
وہ بھی غیر مردوں کے ساتھ) ان کو تعلیم نہیں ہوتی ہے، وہ پردے کی پابند ہیں لیکن
جاہل دنیا سے بے خبر مکان کے نقش میں بند، حیوان انسان نما نہیں ہیں، لڑکیوں
کی تعلیم کے لئے سرکاری اور خانگی مدرسے کثرت سے ہیں، اور پردہ و حفاظت
کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ شرفا کو اپنی لڑکیوں کے بھیجنے میں کچھ تامل نہیں ہوتا،
علیٰ مضامین کے ساتھ فریج زبان بھی درس میں داخل ہے، اور بعض بعض مدرسوں
میں موسیقی کی تعلیم بھی ہوتی ہے، مشعلات کی تعلیم کے لئے ایک خاص مدرسہ ہے، جسکی
مہتمم رفیقہ خانم ہے، یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ خاتون ہے، اور سلطان کے
حضور سے اس کو درجہ دوم کا تمغہ عنایت ہوا ہے، صنعتی مدارس میں ایک
مدرسہ نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے، جو کالج کہا جاسکتا ہے، اس کا مہتمم

عورتوں کی
تعلیم و تربیت

عزیز آفس دی ہے، اس مدرسہ کے ساتھ ایک بورڈنگ بھی ہے، جس کی
مہتمم ایک فرینچ لیڈی مادام ہانی ہے، بورڈنگ کا ایک سکریٹری تعلیم یافتہ ترک
ہے، جس کا نام حسن آفندی ہے، صنعت کا ایک اور بڑا مدرسہ اسکیدار میں ہی، جسکی
معلمہ اول خیرہ خانم ہے،

ان مدارس کی وجہ سے تعلیم اس قدر عام ہو گئی ہے کہ زمانہ حال میں منہجک لسی
عورت مل سکتی ہے، جس نے مناسب درجہ تک تعلیم نہ پائی ہو، بہت سی عورتیں
مضمون نگار ہیں، اور مشہور اخبارات میں ان کے آرٹیکل نکلتے رہتے ہیں، جو دت پاشا
کی لڑکی فاطمہ خانم مشہور مصنفہ ہے، حال میں اس کی ایک نہایت عمدہ ناول شائع
ہوئی ہے، جس کا نام "زمانہ اسلام" ہے، عربی زبان میں اس کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے،
اور بیروت میں چھاپا گیا ہے، اور بھی چند عورتیں ہیں،

مصنفہ عورتیں

عورتوں کو چلنے پھرنے میں عام آزادی حاصل ہے، ہر درجہ اور رتبہ کی عورتیں
بازار میں نکلتی ہیں، سیرگاہوں کو جاتی ہیں، دعوت کے جلسوں اور علمی مجلسوں میں
شریک ہوتی ہیں، لیکن باوجود اس آزادی کے حفظ احتیاط کے دائرہ سے سر مو
تجاوز نہیں ہوتا، ہر مجمع میں عورتوں کی سوسائٹی مردوں سے الگ رہتی ہے، اور
کوئی عورت کسی غیر مرد سے بجز خاص حالتوں کے بات تک نہیں کر سکتی،

عورتوں کو باہر
نکلنے میں آزادی
حاصل ہے

لباس بالکل یورپین ہے، لیکن جب باہر نکلتی ہیں، تو نہایت ڈھیلا ڈھالا ریشمی
گون پہن لیتی ہیں، جو گردن سے لے کر پاؤں تک ہوتا ہے اور اوپر سے نیچے تک
ٹن لگے ہوتے ہیں، اس سے بجز چہرے کے تمام اور جسم اس طرح ڈھک جاتا ہے

عورتوں کا
لباس

اب یہ کتاب اردو میں ترجمہ ہو کر محمدن پریس علی گڑھ میں زیر طبع ہے،

کہ بدن کی ہنیت تک نہیں معلوم ہوتی، سر پر قصابہ ہوتا ہے، اور چہرہ ایک رومال سے چھپاتی ہیں، جو ناک کی جڑ سے ٹھوڑی تک ہوتا ہے، دونوں آنکھیں اور ناک کی جڑ اور کسی قدر آنکھوں کے نیچے کی سطح کھلی رہتی ہے، یہ رومال باریک ٹہل کے ہوتے ہیں، کوئی شخص پاس سے آنکھ جاکر دیکھے تو چہرہ کا رنگ معلوم ہو سکتا ہے لیکن ایسی ہیوڈ جرات کون کر سکتا ہے،

ایک دفعہ میں عاشر آفندی کے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا تھا، ایک ترک صاحب بھی تشریف رکھتے تھے، جن سے میری جان پہچان ہو گئی تھی، اتفاق سے وہیں انکی دو نوجوان لڑکیاں جن میں سے ایک کی شادی ہو چکی تھی، ان سے ملنے کے لئے آئیں انہوں نے مجھ کو دونوں سے انٹرویو کر لیا، جس احترام اور متانت و شرم سے وہ معصوم خاتونیں میرے سامنے کھڑی تھیں مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ عورتیں نہیں بلکہ عفت و عصمت کی دیویاں ہیں،

قسطنظینہ میں ہندوستانی

ہندوستان میں کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوگا کہ قسطنظینہ میں ہندوستانی حضرات بھی تشریف رکھتے ہیں، خود مجھ کو گمان نہ تھا،

ہندوستانیوں کا اصلی مرکز تو ہندی زاویہ ہے، جس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں، وہاں اکثر ہندوستانی آنکلتے ہیں، لیکن وہ عموماً گدا پیشہ ہوتے ہیں، ان کے سوائے تین چار شخص ہیں جو مستقل طور پر سکونت رکھتے ہیں، اور ان کی حالت اور حیثیت بھی بڑی نہیں، ان کے نام اور مختصر حالات لکھتا ہوں،

نصرت علی خاں، یہ بزرگ اپنے تئیں دلی کا کہتے ہیں، انہوں نے قسطنطنیہ میں ایک اخبار بھی نکالا تھا، لیکن چونکہ اس کے مضامین انگریزی حکومت کے خلاف ہوتے تھے، اس لئے ان کا سفر نے باز پرس کی اور اخبار بند ہو گیا، اب محکمہ تعلیم میں نوکر ہیں ڈیڑھ سو ماہوار تنخواہ ہے، ایک ترکی عورت سے شادی کر لی ہے، اس سے دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں خود سیاہ فام ہیں، لیکن لڑکیاں گوری چٹی ہیں،

مرزا بیگ

مرزا محمد بیگ، یہ بزرگ ملک اودھ کے رہنے والے ہیں، شاہی فوج میں معزز عہدہ پر مامور تھے، عذر سے پہلے مکہ معظمہ چلے گئے تھے، اب دس پندرہ برس سے قسطنطنیہ میں رہتے ہیں، سلطان نے ڈیڑھ سو ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا ہے، خوش خلاق اور شریف ابطح آدمی ہیں،

حسن آفندی

حسن آفندی، بدرالدین طیب جی بیرسٹریٹ لاساکن بسبی کے عموزادہ بھائی ہیں، ہندوستانی ایشیا کی تجارت کرتے ہیں، پہلے ان کا کارخانہ برٹے فروغ پر تھا، چنانچہ اور مصارف کے علاوہ آٹھ سو ماہوار صرف دوکان کا کرہ تھا، لیکن اب فٹین کے بدل جانے سے ان چیزوں کی قدر نہیں رہی، اور کارخانہ سست ہو گیا، تاہم خوش حالی سے بسر کرتے ہیں، مکان اور فرنیچر قسطنطنیہ کے محاط سے امیرانہ ہی، ایک باغ بھی تیار کرایا ہے، تمام لوگ ان کی عزت کرتے ہیں، سلطان کے یہاں سے ڈل بھی ملا ہے، انگریزی بخوبی جانتے ہیں، نہایت خوش اخلاق، فیاض، روشن ضمیر، نیک بطح آدمی ہیں، ہندوستانیوں سے ان کو عجیب انس و محبت ہے، اور یہ حسب ^{طبی} ہی میرے اور ان کے تعارف کا ذریعہ ہوئی، ایک دفعہ میں بازار میں پھر رہا تھا، آفندی موصوف سامنے سے گذرے، مجھ کو دیکھ کر بے اختیار بڑھ کر پوچھا۔

آپ ہندوستانی تو نہیں، اس وقت میرا لباس عربی تھا، طرہ یہ کہ جواب میں اتفاقاً زبان سے بجائے ہاں کے نعم کا لفظ نکلا، تاہم میرا ہندی ہونا کیونکر چھپ سکتا تھا، وہ گلے سے پٹ گئے، اور بولے کہ ”آپ تو ہماری چیز ہیں، ہم سے بچ کر کہا چلے تھے“ میں جب تک وہاں رہا، اکثر میرے مکان پر تشریف لاتے تھے، کئی دفعہ دعوت کی اور اپنے گھر لے گئے، معلوم نہیں یہ مہمان نوازی ان کی طینت کا خمیر ہے، یا قسطنطنیہ کی آب و ہوا کا خاصہ ہے، ان کا پتہ یہ ہے، قسطنطنیہ مجوہر بدستاندہ حاجی حسن علی آفندی ہندی،

میں نے پتہ اس غرض سے لکھا ہے کہ کوئی صاحب قسطنطنیہ کا قصد کریں تو ان سے ضرور ملیں، ان سے بڑھکر کوئی غمخوار نہیں مل سکتا ہے،

قسطنطنیہ اجباب کے

نہایت ناشکری ہوگی، اگر میں قسطنطنیہ کی پُر لطف داستان ختم کروں اور ان محبت کیش دوستوں کا نام نہ لوں جو اس چند روزہ اقامت میں میرے پارے لگائے بن گئے تھے، اور جلوت و علوت میں ہمدم و ہمراز رہتے تھے، چنانچہ شیخ عبدالفتاح اور شیخ علی ظبیان کے سوا جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، باقی دوستوں کے نام اور مختصر حالات لکھتا ہوں،

فواد بک، مکتب ملکیہ کے ایک ممتاز طالب علم ہیں، دمشق کے قریب حصباہ ایک موضع ہے، جہاں حضرت خالد بن الولید کی نسل سے ایک خاندان آباد ہے، یہ لوگ دولت مند ہیں، اور اس کے ساتھ ملکی اثر رکھتے ہیں، چنانچہ

فواد بک

ٹرکی حکومت کی طرف سے اب تک ان اضلاع کا جو حاکم مقرر ہوتا تھا، اسی خاندان سے انتخاب کیا جاتا تھا، فواد سے میری ملاقات عزیزانہ تعلق کی حد تک پہنچ گئی تھی، ان کے ایک بھائی سامی بک ان ہی دنوں قسطنطنیہ آئے اور میں نے جو مکان کرایہ پر لیا تھا، اسی کے ایک کمرہ میں فرودکش ہوئے، وہ مکتب الحقوق میں داخل ہونے کی تیاری کرتے تھے، اور چونکہ امتحان داخلہ میں منطق کا بھی امتحان ہوتا ہے، مجھ سے درخواست کی کہ میں مختصر طور پر ان کو منطق کے تمام مسائل پر عبور کرا دوں، اگرچہ میرا حصرج اوقات تھا تاہم ان کی خاطر سے میں نے ان کو اور ان کے ساتھ دو تین اور طالب علموں کو ایسا غوجی پڑھائی، حسن اتفاق یہ کہ امتحان داخلہ میں وہ لوگ پاس بھی ہو گئے، اس طرح دوستی اور محبت کا رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا، شام کو ہمیشہ ہم تین چار آدمی ایک قہوہ خانہ میں جو عین لب دریا ہے، ساتھ بیٹھا کرتے، اور عجب لطف و مزے کی صحبت رہتی تھی، کبھی کبھی مغرب کے بعد کشتی کرایہ کرتے اور سمندر کی سیر کرتے پھرتے، فواد کو گاتا آتا ہے، مزے میں آکر عربی گیت گایا کرتے، ایک دن مجھ سے فرمائش کی کہ کوئی ہندی چیز سناؤ، میں نے بہتیرا کہا کہ ”بھائی میں مولوی آدمی ہوں مجھ کو گانے سے کیا واسطہ“ لیکن وہ کب مانتے تھے، آخر مجبور ہو کر میں نے اردو کے دو تین شعرا واز کو گھٹا بڑھا کر پڑھے، اور کہا کہ ہندی یوں ہی گاتے ہیں

عبدالسلام آفندی، بیت المقدس میں سادات کا ایک مشہور خاندان ہے یہ اس کے ایک معزز ممبر ہیں، بیت المقدس کے مفتی جن کا ذکر آگے آئے گا، اسی خاندان سے ہیں، یہ پہلے جنٹ مجسٹریٹ تھے کسی وجہ سے معزول ہو گئے،

اور اسی فکر میں یہاں آئے ہیں، نہایت لائق فائق، تعلیم یافتہ اور زندہ دل آدمی ہیں، ایک مدت تک میں اور یہ ایک ہی مکان میں رہے اور اس وجہ سے زیادہ میل جول ہو گیا، اکثر علمی بحثیں کیا کرتے تھے، فلسفہ حال سے واقف اور اس کے معترف ہیں، ان کا خیال ہے کہ سترآن مجید کا کوئی مسئلہ فلسفہ حال سے مخالف نہیں، اکثر اسی امر کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے، میں ان کی مسافر نوازی اور اسلامی ہمدردی کا ارباب ہوں، ایک مشکل موقع پر انہوں نے میرے ساتھ جو تعجب انگیز ہمدردی کی اس کا ذکر مناسب موقع پر آئے گا،

خواجہ آفتندی، معزز آدمی ہیں، درویش پاشا کی بھتیجی ان سے بیاہی ہے، او پاشاے موصوف ان کو نہایت عزیز رکھتے ہیں، ان ہی کے مکان میں یہ رہتے بھی ہیں، میں چند بار ان سے ملا، فارسی بہ تکلف بول لیتے ہیں، نہایت خوش اخلاق اور منکسر المزاج آدمی ہیں، ہمیشہ چائے اپنے ہاتھ سے بنا کر پلاتے تھے، ایک بار میری قیام گاہ پر بھی تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے رہے، خونگڑ صوی کی سیر مجھ کو ان ہی نے کرائی تھی،

خواجہ آفتندی

ملا محمد آفتندی، موصل کے رہنے والے ہیں، عربی بقدر ضرورت پڑھی ہی فارسی اچھی طرح بول سکتے ہیں، ان کی معاش کا کوئی ذریعہ نہیں، مجبورانہ ایک تکیہ میں رہتے ہیں، اور فقر و فاقہ سے بسر کرتے ہیں، بایں ہمہ نہایت باحمیت اور غیرت مند ہیں، میں نے جب ترکی سیکھنے کا ارادہ کیا تو ایک دوست نے ان کا نام لیا اس وقت تک مجھ کو ان سے بالکل تعارف نہ تھا، اس لئے میں نے عرصہ ماہوار پر ان کو مقرر کرنا چاہا، یہ رقم ان کے لئے عطیہ غیبی تھی، لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ میں

ملا محمد آفتندی

صرف تحقیقاتِ علمی کے لئے یہاں آیا ہوں تو معاوضہ لینے سے انکار کیا، اور مفت پڑھا رہے، اکثر میری قیامگاہ پر آکر پڑھا جایا کرتے تھے ٹوٹی پھوٹی ترکی جو میں نے سیکھی ان ہی سے سیکھی، افسوس ہے کہ وہ بھی محفوظ نہیں رہی،

ان دوستوں کے سوا اور بہت سے چشم آشنا جناب پیدا ہو گئے تھے جن کا ذکر چننا ضروری نہیں،

غازی عثمان پاشا کی ملاقات اور مجیدی کا

عطا ہونا،

یہ وہی نامور جرنل ہے، جس نے پلوتامیوں چوبیس ہزار روسی مجروح اور آٹھ ہزار تہ تیغ کئے تھے، جس کے مقابلہ میں شہنشاہِ روس نے اپنی کل فوجی قوت صرف کر دی تھی، اور خود سپہ سالار بن کر گیا تھا، جس نے باوجود فوج کی کمی اور رسد کی قلت کے روس کی مجموعی طاقت کا مدت تک مقابلہ کیا، اور میدانِ جنگ میں زخمی ہو کر گرفتار ہوا تو خود شہنشاہِ روس نے اس کی کمر میں تلوار باندھی، اور مہینوں تک وہاں رکھا، یہ واقعات اسی زمانہ میں اخبارات کے ذریعہ سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو گئے تھے، اور بچہ بچہ اس نامور بہادر کے نام سے واقف ہو گیا تھا قسطنطنیہ میں اگرچہ میں کسی فوجی افسر سے نہیں ملا، اور نہ ملنا چاہا، لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے نادرہ روزگار کے دیکھنے کا شوق دل میں نہ ہوتا،

پاشاے موصلوں اگرچہ اس رتبہ کے آدمی ہیں کہ ترکی میں کوئی شخص ان سے

بڑھ کر بلکہ ان کی برابر بھی نہیں، اور اس لحاظ سے مجھ کو ان تک رسائی کی کم امید ہو سکتی تھی، تاہم شوق کی بیابانی نے نہ مانا، اور میں ایک مترجم کو ساتھ لے کر ان کے مکان پر گیا، گھنٹی بجانے پر دروازہ کھلا، دربان نے اندر جانے کی اجازت دی، قاعدہ کے موافق ملاقاتوں کے کمرہ میں جا کر بیٹھا، ایک معزز ترک وہاں تشریف رکھتے تھے، نہایت مہربانی سے پیش آئے اور مزاج پرسی کے بعد تموہ منگوا یا، تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ہوئی، پاشاے موصوف زمانے میں تھے، کہلا بھیجا کہ ذرا دیر میں آنا ہوں، قریباً دس منٹ کے بعد ایک ملازم آیا اور منجھو بالا خانہ پر لے گیا، ایک خوبصورت کمرہ آراستہ تھا، اہم وہاں بیٹھے، تھوڑی دیر کے بعد پاشاے موصوف تشریف لائے، جن صاحب کو میں نے مترجمی کے لئے ساتھ لیا تھا، سررشتہ تعلیم کے ایک افسر تھے، انھوں نے حسب قاعدہ آگے بڑھ کر پاشاے موصوف کے دامن کا کنارہ چوماؤ، مودبانہ طور سے پیچھے ہٹے، میں نے طریقہ سنت کے موافق سلام کیا، پاشاے موصوف نے سلام کا جواب دیا، اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، مزاج پرسی کے بعد نام اور مقام پوچھا، مترجم نے کہا کہ ”ہندوستان کے علماء میں سے ہیں، اور تحقیقات علمی کی غرض سے آئے ہیں“ یہ سن کر نہایت مہربانی اور توجہ ظاہر کی، اور دیر تک مسلمانوں کے حالات پوچھتے رہے، رخصت ہو کر میں اٹھا تو خود بھی اٹھے اور کہا کہ آپ دوبارہ تشریف لائیں تو مجھ کو خوشی ہوگی،

پاشاے موصوف پست قامت ہیں، وہرا بدن ہی، رنگ گورا اور چمکتا ہو ہے، چہرے سے ہیبت اور شجاعت ٹپکتی ہے، عمر ۶۰-۷۰ کے بیچ میں ہے، لیکن بڑھاپے کا مطلق اثر نہیں ہے، فارسی بقدر ضرورت جانتے ہیں، اور چونکہ

ایک مدت تک مین کے گورنر رہ چکے ہیں، عربی میں بے تکلف بات چیت کر سکتے ہیں، پلونا کے واقعہ کے بعد سلطان نے ان کو کمانڈر انچیف اور صیغہ جنگ کا وزیر کر دیا تھا، لیکن چونکہ اس عہدہ کی وجہ سے وہ سلطان کی خدمت میں ہمیشہ حاضر نہیں رہ سکتے تھے، سلطان نے اس عہدہ پر فواد پاشا کو مقرر کر دیا، اور ان کو مابین کی افسری دی، جس کی وجہ سے وہ زیادہ تر سلطان کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں، سلطان کو پاشا کے موصوف سے زیادہ کسی عزیز و قریب یا نوکر اور عہدہ دار پر اعتماد نہیں ہے، اور اس وجہ سے ان کو اپنے پاس سے جدا نہیں کرتے، جمعہ و عید کو جب سلطان مسجد میں تشریف لاتے ہیں، تو ان کے ساتھ گاڑی میں عثمان پاشا کے سوا اولہ کوئی شخص نہیں ہوتا،

دوسری دفعہ میں ملاقات کو گیا تو پہلے سے کمرے میں آ بیٹھے، میں اندر داخل ہوا تو کرسی سے اٹھ کر دو ایک قدم بڑھے اور پہلے دن کی طرح ہاتھ ملایا، اس کے بعد میں جب ان سے ملا تو اسی طریقہ سے ملے، پاشا سے موصوف مجھ پر نہایت تہران ہو گئے تھے، جب میری روانگی کا زمانہ قریب آیا، اور میں نے ان سے کہا کہ اب میں یہاں دو چار دن کا مہمان ہوں، تو فرمایا کہ ایک دو دن جانے سے پہلے مجھ سے مل لینا، اسی اشار میں انھوں نے سلطان سے میرے لئے تمغہ مجید کی عطا ہونے کی درخواست کی اور منظور ہو گئی، لیکن مجھ کو اس کی کچھ اطلاع نہ تھی، ایک دن دوپہر کے وقت میں اپنے مکان میں سو رہا تھا کہ میرے ایک دوست دوڑے ہوئے آئے اور جگا کر کہا کہ یا شبلی واللہ لقد طلع لک النیشان، مجھ کو ایک گونہ تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ یوں ہی کہتے ہو، آخر تم کو معلوم کیونکر ہوا، بولے کہ تمام

اخبارات میں چھپ گیا ہے، میں اسی وقت اٹھا اور ایک قرائت خانہ میں جا کر اخبار دیکھے تو واقعی وہ خبر صحیح تھی، اسی وقت مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ میں انگریزی رعیت ہوں، اس لحاظ سے انگلش سفیر کو اس کی اطلاع دینی ضرور ہے، دوسرے دن میں سفیر کے پاس گیا، اتفاق سے وہ مکان پر نہ تھے، میں اپنا کارڈ چھوڑ آیا، دوسرے دن تمام اجاب مبارک باد کو آئے، میں نے ایک مختصر سا جلسہ دعوت ترتیب دیا، شیخ علی ظہیر نے بعد السلام آفسدی، فواد، سامی، شریف اور دیگر اجاب شریک جلسہ تھے دعوت کی صبح کو عثمان پاشا کی وداعی ملاقات ہو گیا، تمنہ کی خبر ایسی عام ہو گئی تھی کہ پاشاے موصوف کے مکان پر پہنچا تو سب سے پہلے دربان نے کہا تمنہ مجیدی مبارک، مجھ کو تعجب ہوا کہ اس کو کیونکر خبر ہوئی، معلوم ہوا کہ یہاں امر اور پاشاؤں کے نوکر چاکر عموماً پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور فرصت کے اوقات میں اخبارات پڑھا کرتے ہیں، پاشاے موصوف نے ملاقات کے ساتھ تمنہ کی مبارکباد دی، تمنہ سامنے میز پر رکھا ہوا کبس سے نکال کر پہلے انھوں نے آنکھوں سے لگا یا سلطان کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کی بھی ترک لوگاں حد تک تعظیم کرتے ہیں، پھر مجھ کو حوالہ کیا میں سر و قد کھڑا ہو گیا، اور سلطان کو دعا دی کچھ دیر کے بعد رخصت کے ارادے سے اٹھا

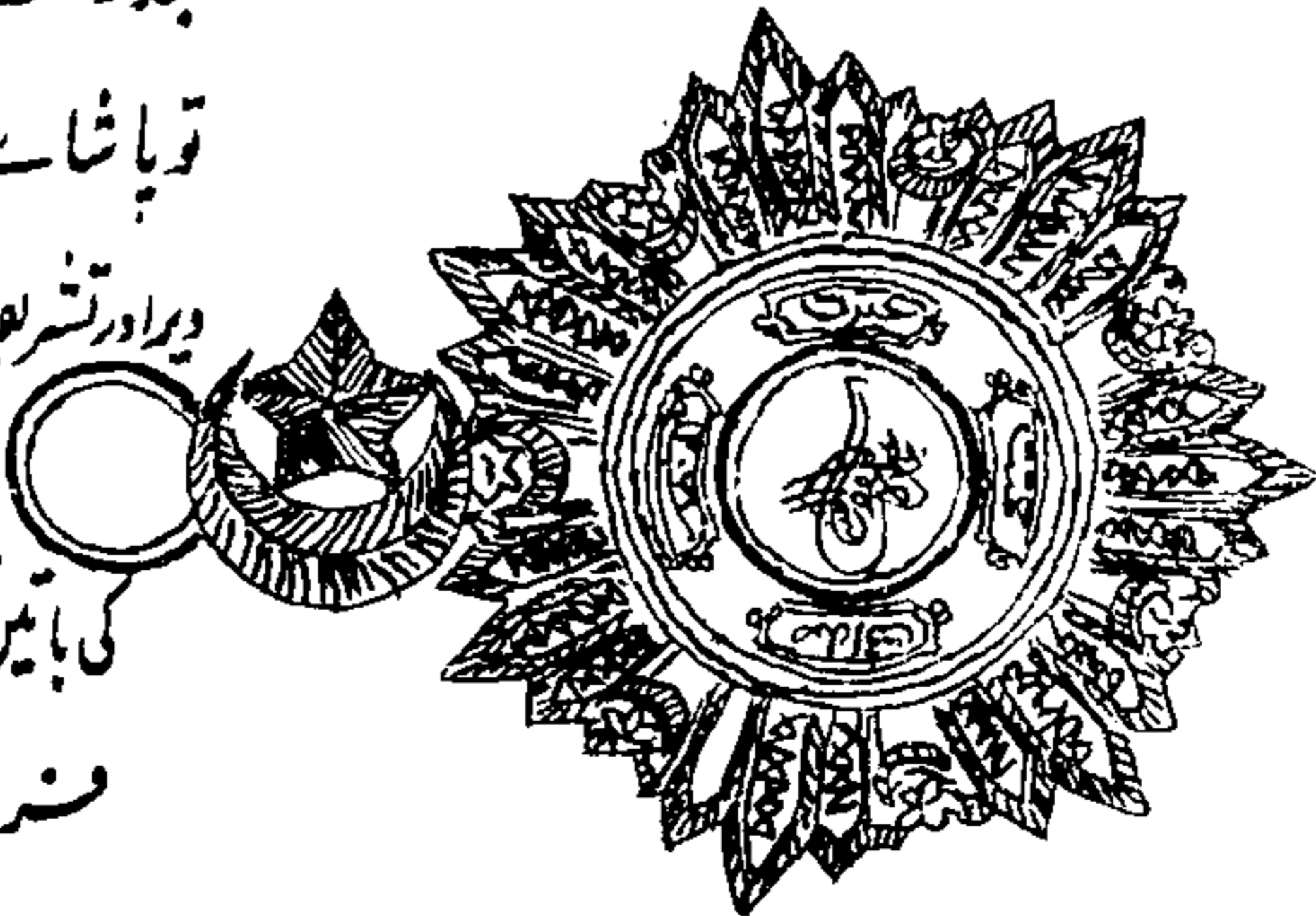
تو پاشاے موصوف نے فرمایا ذرا

دیر اور تشریف رکھئے، یہ لکھ کر دوبارہ

تموہ منٹوایا اور ادھر ادھر کی

کی باتیں کرتے رہے، اخیر میں

منر مایا کہ میں آپ کی



تشریف آوری کا مشکور ہوں، چلتے چلتے کہا کہ ہندوستان پہنچ کر تمام مسلمانوں اور
 بالخصوص علما اور فضلا کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ عثمان آپ لوگوں سے دلی
 محبت رکھتا ہے میں نے نہایت خلوص اور جوش کے ساتھ شکر یہ ادا کیا، پاشاے موصوف
 نے مجھ کو اپنی عکسی تصویر عنایت کی، اور اس پر دست مبارک سے یہ الفاظ لکھے، شبو
 نوٹو غرام شبلی النعمانی آفندی بہ ہدیہ المشدر محرم الحرام ۱۳۱۰ھ ہجری، یعنی میں
 نے اپنا یہ نوٹو غرام شبلی النعمانی کو ہدیہ دیا۔ یہ تصویر اس وقت میرے پاس
 موجود ہے، اور میں اس کو ایک بڑا تبرک اور نشانِ فخر سمجھتا ہوں، جو میرے
 خاندان اور میری نسل میں ہمیشہ یادگار رہے گا، تمنہ کے ساتھ جو فرمان عطا
 ہوا، اس کی نقل ذیل میں ہے،

عثمان پاشا
 کا نوٹو

نقل فرمان بخط فارسی

” ہندوستان علی گڑھ نام محلذہ کائن دارالین معلم اولی شبلی النعمانی آفندی
 نن شایان لمطفات سینہ شاہانہ م اولد نعینہ بنا، اشرف افزائے سنوح و
 صدور اولان امر و فرمان معالی عنوان بادشاہانہ م موجب عالیسی اوررہ کندوسہ
 مجیدی نشان ذیشانک ورنجی رتبہ سندن بر قطعہ سی عنایت احسان
 قلنمش اولد یعنی متضمن اشبورات عالی نشانم تصدیرا اولندی حر فی الیوم
 الرابع عشر من شہر محرم الحرام سنہ عشر وثلث مائے“

ترجمہ

شبلی النعمانی آفندی جو دارالین معلم اول ہندوستان کا معلم اول ہے

چونکہ شاہانہ تملطعات کا مستحق خیال کیا گیا ہے، اس لئے اس کو تمنعہ مجیدی درجہ چہارم کے عطا ہونے کے لئے حکم والا صادر ہوا، اور اس کی سند کے لئے یہ فرمان عالیٰ صادر ہوا، تحریر ۱۲ محرم الحرام ۱۳۱۰ھ

یہ عجیب اتفاق کہ میں نے تمنعہ کو قسطنطنیہ بیروت، مصر کسی مقام میں کبھی استعمال نہیں کیا، ہندوستان میں پہنچ کر خیال ہوا کہ گورنمنٹ سے اجازت حاصل کر کے استعمال کروں، چنانچہ جناب ہرین صاحب مجسٹریٹ علی گڑھ نے باضابطہ چھٹی کے ذریعہ سے گورنمنٹ میں سفارش کی، وہاں سے جواب آیا کہ رزولوشن مورخہ ۲ مئی ۱۸۸۶ء ملاحظہ طلب ہے اس رزولوشن کا حاصل یہ ہے کہ "گورنمنٹ انگریزی کی کوئی رعیت کسی دوسری سلطنت کا کوئی نشان یا تمنعہ استعمال یا قبول نہیں کر سکتی تا آنکہ پہلے جناب ملکہ معظّمہ سے اجازت نہ حاصل کی جائے" اس حکم کی تعمیل کے موافق میں تمنعہ کو استعمال نہیں کرتا،

قسطنطنیہ روانی ۲۶ محرم ۱۳۰۹ھ

قسطنطنیہ میں میں پورے تین مہینے مقیم رہا، اخیر اخیر طبیعت اچاٹ ہو چکی تھی، یہاں تک کہ میں سلطان کے جشن تخت نشینی کا بھی انتظار نہ کر سکا، قسطنطنیہ میں ہر سال کی آٹھویں رات جو سلطان کی تخت نشینی کی رات ہے، بڑی دھوم دھام سے جشن ہوتا ہے، تمام شہر میں چراغاں کیا جاتا ہے، شہر کے تمام باشندے اپنے اپنے مکانوں میں بڑے تکلف اور اہتمام سے روشنی کرتے ہیں، اور چونکہ یہ طریقہ سلطان کے ساتھ خلوص اور محبت کی دلیل ہے، امر اور پاشاؤں کے یہاں حد سے زیادہ اہتمام ہوتا ہے، شیخ علی ظہیر نے مجھ سے کہا کہ پچھلے سال درویش پاشا کے



الده

قاف

فلنبرهنكم على قدره في عشرة ايام خالصة علاج وادوية ودراسة نفعها

منه الاخذة سنويا ودراسة وادوية ودراسة نفعها

بجيرة وادوية ودراسة نفعها

المادة

مکان میں چودہ ہزار مومی گلاس روشن کئے گئے تھے، سڑک پر جس متدرمکانات ہیں، ان کے دروازوں پر روشنی کے حروف میں یہ عبارت لکھی ہوتی ہو "باشا ہم چوق نیشا" یعنی ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے، یہ طریقہ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہو، بلکہ فرینچ، جرمن، انگریز اور اوریورپ کی قومیں جہاں مقیم یا خوشباش ہیں ان کے دروازوں پر بھی یہ فقرہ روشنی کے حروف میں لکھا ہوتا ہے،

مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ میں یہ پُر لطف اور پر جوش تماشا نہ دیکھ سکا، برفاگی طبیعت کے ساتھ کچھ ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے کہ زیادہ ٹھہرنا ممکن نہ تھا لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ترکی حکومت میں ہر جگہ یہ جشن ہوتا ہے، تم جہاں کہیں ہو گے یہ سیر دیکھ سکو گے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ دار السلطنت میں جو شان و شوکت اور اہتمام ہوتا ہے، وہ دوسرے مقامات میں کیونکر ہو سکتا ہے، طرہ یہ کہ مجھ کو بد قسمتی سے اس جشن کی مہولی سیر بھی دکھنی نصیب نہ ہوئی، کیونکہ اس تاریخ کو میں عالم آب میں تھا یعنی جہانہ پر سوار تھا، اور آبادی سے دور آچکا تھا،

یاد ہو گا کہ میں جب قسطنطنیہ میں داخل ہوا تھا تو یکہ و تنہا تھا، لیکن واپسی کے وقت دوستوں کا ایک گروہ ساتھ ہے، تمام اجاب بندر گاہ تک ساتھ آئے ہیں رخصت کے وقت بڑی گرمجوشی سے بنگلیہ ہوتے ہیں، اور دعائیہ الفاظ کے ساتھ خط و کتابت اور دوستانہ مراسم جاری رکھنے کے وعدے لیتے ہیں،

جہاز پر پہنچا تو حسن ہندی پہلے سے میرے انتظار میں وہاں موجود تھے، ان سے مل کر نہایت خوشی ہوئی، دیر تک لطف و محبت کی باتیں رہیں، شام کے قریب جہاز نے لنگر اٹھایا، شیخ علی ظبیان جو اسی جہاز پر اپنے وطن و مشق کو جا رہے تھے

روانگی کے وقت
اجاب کی
مشایعت

میرے ہمسفر اور مونس و عمکسار تھے، جہاز، روڈس، سمرا، سائپرس ہوتا ہوا بیروت پہنچا، ایک دن جہاز پر عجب برہمی اور بے لطفی ہوئی، سائپرس میں دو شہر ہیں، لرنکہ اور لمونہ دونوں جگہ جہاز لنگر کرتا ہے، لرنکہ میں جو لوگ جہاز پر سوار ہوئے، ان میں سائپرس کا ایک رئیس تھا، اور چونکہ اس کو صرف لمونہ تک جانا تھا، تیسرے درجہ کی چھت پر ہمارے دوست شیخ علی طبیان کے بستر کے قریب آ بیٹھا، شیخ موصوف باوجود فضل و کمال کے تنگ مزاج آدمی ہیں، رئیس مذکور نے ان کے بستر پر کوئی چیز رکھنی اتنی بات پر یہ برہم ہو گئے، وہ غریب تو چپ رہا، لیکن اس کا نوکر جو صورت سے قوی اور نومذ معلوم ہوتا تھا، ضبط نہ کر سکا، بات زیادہ بڑھی، یہاں تک کہ جہاز کے اور مسافر جو اکثر شامی عرب تھے ادھر ادھر سے اکر جمع ہو گئے، عربوں کا سہارا پا کر ہمارے دوست زیادہ تیز ہوئے، نوکر نے کہا آپ غصہ کیوں کرتے ہیں؟ ہم آپ کی کچھ رعایا نہیں ہیں، ہمارا شہر انگریزی حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔

ان الفاظ کا اس کے منہ سے نکلا تھا کہ تمام عرب برہم ہو گئے، یہاں تک کہ ایک عرب نے کمر پکڑ کر اس کو اٹھالیا اور کہا کہ "مردود! تجھ کو دریا میں پھینک دیتا ہوں!" اگرچہ ہجوم کی وجہ سے نہایت کشمکش تھی، اور بعض آدمی اس کو روکتے بھی رہے تاہم وہ لوگوں کو ہٹاتا ہوا جہاز کے کنارہ تک پہنچ گیا، اور اس زور سے دو تین جھٹکے دیئے کہ قریب تھا کہ وہ غریب سمندر میں جا پڑے، اس وقت چند آدمیوں نے نوکر کو بزور اس کے قبضہ سے چھڑا کر اشارہ کیا کہ بخت جہاز کے کسی گوشہ میں چھپ جا، پھر بھی تمام عرب دیر تک غل کرتے اور انگریزی حکومت کی شان میں نامناسب الفاظ کہتے رہے، مجھ کو تعجب ہوتا تھا کہ جہاز کے افسر

یہ ہنگامہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور مطلق دخل نہیں دیتے تھے،

بیروت میں
قیام کا سبب

ساتویں دن ہمارا جہاز بیروت پہنچا، شیخ علی ظہیان جہاز سے اترے، میں بھی ان کے ساتھ اس ارادہ سے اترتا کہ جہاز کے روانہ ہونے تک واپس آجاؤں گا، شہر میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شیخ طاہر مغربی اتفاقات سے آج کل یہیں ہیں، شیخ موصوف دمشق میں مدرس ہیں اور ان کے فضل و کمال کی ان اطراف میں بڑی شہرت ہے، میں نے فلسطینیہ میں ان کے اوصاف سنے تھے، شیخ علی ظہیان نے کہا، تم کو ان نکالیں وہ بارہ آنا نہیں ہے، شیخ طاہر کی ملاقات کا موقع ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے، غرض ان کی صلاح سے میں ہمارے اپنا اسباب اتر والا یا، اور ایک ہفتہ تک بیروت میں مقیم رہا، چونکہ یہ شہر صوبہ دمشق کا اسٹیشن اور اصلاح شام میں تہذیب و تمدن کا مرکز خیال کیا جاتا ہے، اس لئے میں اس کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتا ہوں،

بیروت

یہ نہایت قدیم شہر ہے، مورخین اس کے زمانہ تعمیر کی ٹھیک تمہیں نہیں کر سکتے لیکن اس قدر یقینی ہے، کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت کے پیشتر موجود تھا، ۲۲۲ء میں جب اسکندر سفیروس، رومہ الکبریٰ کی مسند حکومت پر بیٹھا تو یہاں قانونی تعلیم کی بہت بڑی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی، جو کئی سو برس تک بڑے اوج پر قائم رہی، ۳۳۰ء ہجری میں اسلام کے قبضہ میں آیا، لیکن زمانہ مابعد میں کئی بار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر عیسائیوں کے قبضہ میں آیا، یہاں تک کہ ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم اول نے اس کو فتح کیا اور اس وقت سے آج تک ترکوں کے زیر حکومت ہے،

اس موجودہ ترقی کی ابتدا ۱۸۴۲ء سے ہے اور اس وقت سے آج تک تجارت اور آبادی کو روز افزوں ترقی ہے، میں برس پہلے اس کی مردم شماری چالیس ہزار تھی ۱۸۷۵ء میں ستر ہزار ہو گئی اور اب ایک لاکھ سات ہزار چار سو ہے، جس میں ۳۳۰۰۰ مسلمان ہیں، باقی عیسائی اور کچھ یہودی اور دروہی ہیں، شہر کا قدیم حصہ نہایت خراب ہے، سڑکیں اور گلی کوچے تنگ اور ناہموار اور مکانات پست اور کم فضا ہیں لیکن جدید حصہ نہایت پُر رونق اور خوش نما ہے، ہوٹل، سرائیں، قہوہ خانے کثرت سے ہیں ایک قہوہ خانہ عین دریا میں ہے اور عجب فضا کی جگہ ہے

زبان یہاں کی عموماً عربی ہے، عیسائی اور یہود وغیرہ سب عربی بولتے ہیں لباس اور وضع، عرب کے قریب قریب ہے، لیکن پاجامہ کالیوں کے انداز کا ہوتا ہے، میانی سوئڈ کی طرح زمین تک لٹکتی ہے، اور یہ بڑا حسن سمجھا جاتا ہے، ایک پاجامہ دس بارہ گز سے کم میں نہیں تیار ہوتا، مسلمان، عیسائی، دروزی سب یہی لباس پہنتے ہیں، البتہ نئے تعلیم یافتہ کوٹ پیچون پہننے لگے ہیں، آب و ہوا کسی قدر مرطوب ہے، تاہم مشہور ہے کہ تندرستی کے لئے بہت مفید ہے، یہاں تک کہ اور اور مقامات سے لوگ تبدیل ہوا کے لئے یہاں آتے ہیں، شاید ایسا ہی ہو لیکن میرا تجربہ اس کے خلاف ہے، میں جب تک وہاں رہا طبیعت بد مزہ رہی، دو تین دن بخار بھی آیا، اور علاج کی ضرورت پڑی، البتہ لبنان جو ایک مشہور بہار ہے، اور یہاں سے تین چار میل ہے، آب و ہوا کے لحاظ سے مشہور جگہ ہے، متنبی نے اسی کی نسبت کہا ہے،

وعقاب لبنان وکيف بقطعها وہی الشتاء و صیفهن شتاء

بیروت کی

علمی ترقی اور مدارس وغیرہ

بیروت میں علمی
ترقی

بیروت میں علمی ترقی اگرچہ تھوڑے زمانے سے شروع ہوئی ہے لیکن جس پیرے سے یہ شہر ترقی کر رہا ہے، اور ترقی کی جس حد تک آج پہنچ چکا ہے، اس کے سچا ظ سے تمام ممالک اسلامیہ میں قسطنطنیہ کے سوا کوئی شہر اس کا ہمسر نہیں ہے، اور بعض خصوصیتوں میں تو اس کو قسطنطنیہ پر بھی ترجیح ہے،

عربی زبان کے
ساتھ اعتنا،

عیسائیوں کی ایک جماعت نے عربی زبان پر نہایت توجہ کی ہے اور وہ ہر طرح ہمارے نکر یہ کے مستحق ہیں، ان لوگوں نے نہایت کوشش سے دور دور سے عرب کے قدیم وادین ہم پہنچائے ہیں، اور ان کو چھاپ کر شائع کیا ہے، ختسا عنتر بن شداد العبسی، اسمعیل ابوالعتاہیہ، ابن ہانی، ابو فراس وغیرہ کے دیوان انہی لوگوں کی بدولت ہم تک پہنچے، ورنہ ان کا نام و نشان بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا، عرب کے عیسائی شاعروں کے کلام کے ساتھ (اتحاد مذہب کی وجہ سے) اور بھی زیادہ اعتنا کیا ہے، ان تمام شعرا کے اشعار جمع کئے ہیں، اور ان کا ایک سلسلہ چھاپنا شروع کیا ہے، تین چار جلدیں چھپ چکی ہیں، اور باقی تیار ہو رہی ہیں، اس میں جاہلیہ اور اسلام دونوں زمانے کے شعرا داخل ہیں، خطل نصرانی جو فرزدق

اور جریر کا معاصر اور دولت بنی امیہ کا مشہور شاعر تھا، اس کا دیوان نہایت
 کوشش اور اہتمام سے مستقل طور پر چھاپا ہے، یہ دیوان نہایت نایاب اور عزیز
 الوجود تھا، یہاں تک کہ قسطنطنیہ اور مصر کے کتب خانے بھی اس سے خالی تھے، صرف
 شہنشاہ روس کے کتب خانہ میں ایک نسخہ تھا، چنانچہ اس کی نقل و کتابت کا
 انتظام کیا گیا، اور سینٹ پٹسبرگ یونیورسٹی کے عربی پروفیسر نے اس کی تصحیح کی
 یہ قلمی نسخہ جس کو پروفیسر مذکور نے خود اپنے ہاتھ سے صحیح کیا تھا، مجھ کو دکھلایا گیا،
 اور میں نے ان عیسائیوں کی بلند ہمتی اور ذوقِ علمی کا دل سے اعتراف کیا، مسلمانوں
 تم کو بھی کچھ غیرت آتی ہے؟

ان لوگوں نے خود بھی فنِ ادب کے متعلق مفید تالیفات کی ہیں، چنانچہ وضو الادب
 فی طبقات شعراء العرب، مجانی الادب، شرح مجانی الادب مشہور اور شائع ہو چکی ہیں
 تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان عالموں نے ادب میں جو مفید کتابیں
 لکھی ہیں، وہ بھی انہی عیسائیوں کی بدولت یعنی عیسائیوں نے ان کو اجرت اور صلہ
 دیکر یہ کتابیں تصنیف کرائیں، اور ان کو اپنے اہتمام سے چھاپا، اور شائع کیا، مقامات
 بدیع اور رسائل بدیع کی شرحیں جو حال میں نہایت خوبی اور اہتمام سے چھپ کر شائع
 ہوئیں اسی طریقہ سے تیار ہوئی ہیں، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ ان لوگوں کو عربی زبان
 کے ساتھ اس قدر اعتنائیوں ہی؟ لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ اپنے تئیں عربی النسل کہتے ہیں
 اور اس انتساب پر انکو فخر ہے،

لڑیچر کا مذاق اس قدر عام ہے کہ بچہ بچہ کو شعر و شاعری کا چسکا ہی، بہت
 سے لوگ صاحبِ دیوان ہیں، اور دس پانچ قصیدے لکھنے والے تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں

ایک مشہور شاعر سے قہوہ خانہ میں ملاقات ہوئی، معلوم ہوا کہ چالیس برس سے مشق سخن میں مصروف ہیں، البتہ یہ افسوس ہے کہ مذاق صحیح نہیں، غزل اور بیہودہ مدح سرائی کے سوا اور اصناف سخن سے نا آشنا ہیں، مضامین اور طرزِ شاعری کے لحاظ سے متاخرین کے سوا کسی کا کلام پسند نہیں کرتے ہیں اکثر صحبتوں میں جاہلیہ اور ابتدائے اسلام کے شعراء کے اشعار پڑھتا تھا تو مجھ کو بد مذاق خیال کرتے تھے،

علوم و فنون
جدیدہ

علوم جدیدہ اور نئے مذاق کو بہت کچھ ترقی ہے، فلسفہ و صنایع و فنون جدیدہ کی اکثر کتابیں ترجمہ ہو گئی ہیں، بڑے بڑے کالجوں اور اسکولوں میں جو نصابِ تعلیم ہے اور جو یہاں کے انٹرنس اور ایف اے و بی اے کے برابر ہے، عموماً عربی زبان میں ہے، صرف ڈاکٹری کی تعلیم فرنجی زبان میں ہوتی ہے، جس کی وجہ ان لوگوں نے مجھ سے یہ بیان کی کہ اس فن کے متعلق روز بروز تجربہ کو ایسی ترقی ہوتی جاتی ہے، اور اس کثرت سے نئی نئی کتابیں تصنیف ہوتی جاتی ہیں کہ ترجمہ ان کا ساتھ نہیں دے سکتا، فلسفہ و علوم جدیدہ کا بڑا ماہر اور مصنف پروفیسر فائڈیک ہے، جو امریکہ کا رہنے والا ہے، اور ایک مدت سے بیروت میں رہتا ہے، اس نے عربی زبان میں علوم جدیدہ کا ایک مرتب سلسلہ تیار کر دیا ہے، جس کا نام نقش فی الجحیر ہے، اس کے سوا اور بہت سی مستقل کتابیں لکھی ہیں، عربی زبان میں انسائیکلو پیڈیا کا بالکل وجود نہ تھا، اس ضرورت کو پروفیسر بطرس نے پورا کیا، اس نے ۱۹۰۵ء میں اسکی ایتدار کی اور اول کی چند جلدیں لکھیں لیکن چونکہ اس کا انتقال ہو گیا، اس کے بیٹے سلیم آفندی نے تکمیل کا ارادہ کیا، اتفاقاً یہ کہ وہ بھی مر گیا، اب پروفیسر مذکور کا دوسرا بیٹا نجیب آفندی باقی جلدیں

تیار کر رہا ہے، دس ضخیم جلدیں اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں،

تاریخ اور تعلقات تاریخ پر نہایت مفید کتابیں لکھی گئی ہیں، اور چونکہ یہ لوگ عربی زبان کے ساتھ یورپ کی زبانوں سے بھی بخوبی واقف ہیں ان کی تصنیفات میں وہ جامعیت ہوتی ہے، جو یورپ والوں کی تصنیفات میں نہیں ہوتی، چنانچہ آثارِ الا و ہا رہیں جامعیت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے اس دعویٰ کی شاہد عادل بخاری البتہ یہ افسوس ہے کہ ان عیسائیوں کی تصنیفات میں مذہبی تعصب کا رنگ پایا جاتا ہے، چنانچہ صناعت الطرب اور اصول المعارف وغیرہ میں اس قسم کی بے اعتدالی صاف محسوس ہوتی ہیں،

مصنفین اکثر لبنان کے رہنے والے ہیں، جن میں سے بہت سے لوگ بیروت میں آ رہے ہیں، ان لوگوں نے اس کو ہستان (لبنان) میں عجیب علمی مذاق پھیلا دیا ہے، اگرچہ یہ لوگ عموماً زمیندار یا کاشتکار ہیں، اور ضرورت کے وقت اپنے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں، لیکن جس وقت ان کو ان ضرورتوں سے ذرا بھی فرصت مل جاتی ہے، علمی اشغال میں مصروف ہو جاتے ہیں، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ باوجود علم یہاں ذریعہ دولت نہیں تاہم اس علاقہ میں کثرت سے اہل علم اور مصنفین پیدا ہوئے اور اب بھی موجود ہیں، خاص لبنان کے علماء اور شعراء کے حال میں ایک مستقل کتاب لکھی گئی ہے، لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ یہ تمام علمی ترقی اور تصنیف و تالیف جو کچھ ہے، عیسائیوں کے ساتھ مخصوص ہے، مسلمان ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے،

مدارس یہاں کثرت سے ہیں، جن میں سے مشہور مدارس کا نقشہ ذیل میں درج ہے:

نام مدرسہ	مذہب	بورڈنگ اور فیس کا خرچ سالانہ	تعداد طلبہ	تاریخ افتتاح مدرسہ
اسرائیلیہ	اسرائیلیہ	۲۰ پونڈ	۶۶	۱۸۶۵ء
اعدادیہ	اسلام	"	۱۵۰	۱۸۸۲ء
اکلیریکیہ	روم آرتھوڈوکس	مفت	.	.
بطریکیہ	رومن کیتھولک	۲۵ پونڈ	۱۳۶	۱۸۶۶ء
الحکمتہ	مارونیہ	.	۲۲۵	۱۸۶۶ء
راہبات	لائٹن	مفت	۱۱۵	.
الکلیتہ السوریہ العلمیہ یعنی شام کی علمی یونیورسٹی	انجیلیہ	۱۶ پونڈ	اس کا مفصل حال آگے آئیگا	۱۸۶۵ء
الکلیتہ السوریہ الطبیہ یعنی شام کی میڈیکل یونیورسٹی	انجیلیہ	۲۲ پونڈ	.	.
قدان یوسف	لائٹن	۳۰ پونڈ	.	.
عمارتوں کی تعلیم کے مدارس بھی کثرت میں جنہیں سے مشہور مدارس یہ ہیں۔				
باکورة الاحسان	روم آرتھوڈوکس	۱۵ پونڈ	.	.
راہبات پروفیسٹ	انجیلیہ	۳۰ پونڈ	۲۵۰	.
" "	"	مفت	۵۰۰	.
عازریات تیمی	لیٹن	"	.	.
عازریات مجہ	"	۲۵ پونڈ	.	.

۱۱۵	۳۰ پونڈ	لین	عارزیات ناصر یہ
.	۱۲ پونڈ	انجیلیہ	سوریہ امیر کاٹنہ

مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو اور قوموں کی تعلیمی ترقی سے جو نسبت ہو وہ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگی

تعداد مدارس مذکور	تعداد وزنانہ مدارس	پروفیسروں اور پیرچروں کی تعداد	زنانہ معتمدہ کی تعداد	تعداد طلباء ذکور	تعداد طلباء انات	تعداد
۲۱	۳	۵۰	۲۰	۲۰۰۰	۵۰۰	مسلمان
۴۶	۳۳	۳۳۷	۱۵۰	۶۷۳۰	۵۶۶۵	عیسائی و یہود وغیرہ

مسلمان طالب علموں کی یہ تعداد گونی نسبت کم ہے، لیکن یہ امر اور بھی زیادہ افسوس کے قابل ہے کہ اس تعداد میں بھی زیادہ تر اونے درجہ کی تعلیم والے شامل ہیں، ورنہ اعلیٰ تعلیم کے لحاظ سے ان کی تعداد اس قدر کم ہے کہ گویا کچھ بھی نہیں ہیں قدر افسوس کی بات ہے کہ یہ شہر اسلامی حکومت کا مرکز اور مسلمانوں اور عیسائیوں میں یہاں حاکم و محکوم کی نسبت ہے تاہم تہذیب و تمدن میں مسلمانوں کو عیسائیوں سے کچھ نسبت نہیں، تعلیم کی جو حالت ہے، وہ نقشہ بالا سے معلوم ہوئی ہوگی، تصنیف و تالیف کا حال اوپر گزر چکا، اخبارات، مطابع، تجارت وغیرہ میں اس سے بھی زیادہ بدتر حالت ہے،

فاعتبروا یا اولی الابصار

مسلمانوں کی
لبھی حالت

الکلیۃ السویۃ العلیۃ

یروت میں اگرچہ (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) بہت سے اسکول و کالج ہیں، لیکن یہ کالج یونیورسٹی ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام کلیہ سور یہ بنے کلیہ کا لفظ یہاں یونیورسٹی کے معنی میں اطلاق کیا جاتا ہے، اور سور یہ ملک شام کو کہتے ہیں، یعنی شام کی یونیورسٹی میں نے اس کالج کو تفصیل کے ساتھ دیکھا اور اس وجہ سے اس کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہوں، یہ کالج ۱۸۶۵ء میں روسن کیتھولک پادریوں نے قائم کیا، پروفیسر اور ٹیچر قریباً ساٹھ ہیں جن میں سے اکثر کالج ہی کے احاطہ میں سکونت رکھتے ہیں،

میں جب اس کالج میں گیا تو شیخ علی ظبیان اور عبد الباسط آفندی ساتھ تھے کالج کے دروازہ پر پہنچے تو عبد الباسط آفندی نے ہم کو وہیں ٹھہرا دیا، اور خود اندر گئے، تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے، ان کے ساتھ ایک اور مشین شخص تھا، اس نے ہمارا استقبال کیا، اور ہم کو ساتھ لے کر چلا، کالج کی عمارت دو منزلہ ہے، نیچے کے درجہ میں چھاپہ خانہ ہے اور یہ وہی چھاپہ خانہ جس نے عذگی طبع کی وجہ سے بیروت کو تمام دنیا میں روشناس کر دیا ہے، جس شخص نے ہمارا استقبال کیا، اس کا نام ایاس ہے، اور چھاپہ خانہ کا تمام اہتمام اسی سے متعلق ہے، ایاس نے پہلے ہم کو مطبع کی سیر کرائی، تمام کام کل کے ذریعہ سے ہوتے ہیں، رولر کاغذ کو خود کھینچ لیتا ہے، حرف پر سیاہی لگ جاتی ہے، کاغذ دو رخہ چھپتا ہے، اور پھر

گر جاتا ہے، حرف بھی یہیں ڈھالے جاتے ہیں، چنانچہ ایسا نے ہمارے سامنے
چند حروف ڈھالے یہاں کے کارخانے کے حروفوں کی ایسی شہرت ہو گئی ہے کہ دور
دور سے مانگ آتی ہے، لیکن یہ تعجب ہے کہ جو صفائی اور خوشخطی یہاں کی مطبوعہ کتابوں
میں ہوتی ہے اور کہیں نہیں ہوتی، میں نے ایسا سے اس کی وجہ پوچھی، اس نے کہا
یہاں حروف کی خوبی کے علاوہ اور بھی بہت اہتمام کیا جاتا ہے، فرمہ اتارنے
کے بعد نئی دیکر ایک آلہ سے اس ترکیب سے دبایا جاتا ہے کہ حروف کا اُبھار بالکل جاتا
رہتا ہے، اور کاغذ چکنا و صاف ہو جاتا ہے، چنانچہ اس نے ہم کو دونوں طرح کے
فرمہ دکھائے، اصلاح کیا ہو اور فرمہ بعینہ پتھر کا چھپا ہو معلوم ہوتا تھا، میں نے
صفائی طبع اور حروف کی موزونگی کی بہت تعریف کی، ایسا نے کہا کہ اصل میں
اس تعریف کا مستحق ابوالضیا ایک ترک ہے، جس نے یہ حروف ایجاد کئے ہیں، البتہ
ہم نے اس کو زیادہ جلا دی ہے،

مطبع ہی میں جلد سازی کا بھی کارخانہ ہے، نہایت عمدہ مٹلا و مذہب جلدیں
تیار ہوتی ہیں، یہاں تک کہ شام و مصر سے فرمائشیں آتی ہیں، میں نے یہاں
ہاتھی دانت کے پٹھے دیکھے، جو پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے،

چھاپہ خانہ سے فارغ ہو کر ہم نے کالج کو دیکھنا چاہا، چونکہ اس کام کے
لئے کالج کے کسی پروفیسر کا رہنا ہونا ضرور تھا، ایسا نے پہلے پروفیسر انٹون
سے ہماری ملاقات کرائی، یہاں ایک نہایت معقول طریقہ ہے اور اس قابل ہے کہ
ہمارے ملک میں اس کی تقلید کی جائے، کالج کے ملازم اور پروفیسر وغیرہ جو
کالج میں سکونت رکھتے ہیں، ان کے کمروں کے صدر دروازہ پر ایک چھوٹی سی تختی

جلد سازی

کالج

ٹھکتی رہتی ہے، اس تختی پر جدا جدا سطروں میں صبح سے شام تک کے کاموں کی تفصیل لکھی ہوتی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب خانہ کس وقت کہاں ہوتا ہے اور کیا کام کرتا ہے؟ مثلاً پہلی سطر میں لکھا ہے، پھر روم، دوسری میں کھانے کا کمرہ، تیسری میں سیر و تفریح و علی ہذا، تختی کی پیشانی پر ایک سوئی ٹھکتی رہتی ہے، صاحب خانہ جس وقت جس کام میں مصروف ہوتا ہے سوئی کو اس سطر کے سامنے تختی پر اٹکا دیتا ہے، جس کام اور کام کے موقع کا ذکر ہے، جو شخص ملاقات کو آتا ہے اول اسکی نگاہ تختی پر پڑتی ہے، اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صاحب خانہ اس وقت کہاں ہے، اور کس کام میں ہے؟ مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ طریقہ کاجوں کے ساتھ مخصوص ہے، یا ہر طبقہ میں رائج ہے، بہر حال یہ عمدہ طریقہ اس قابل ہے کہ ہر جگہ اس کی تقلید کی جائے۔

پروفیسر نطن

غرض ایسا نے ہما کو پروفیسر نطن سے ملایا، پروفیسر مذکور نہایت قابل اور لائق شخص ہے، فرنیچ زبان خوب جانتا ہے، عربی علم ادب کا استاد ہے، دیوان اخطل جو حال میں چھپا ہے اسی کی تصحیح اور اہتمام سے چھپا ہے، دیوان مذکور پر اس نے جو حاشیے چڑھائے ہیں وہ مستقل شرح کے برابر ہے، اور اس سے اسکی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے، کالج کا ہفتہ وار اخبار جو عربی زبان میں نکلتا ہے اور جس کا نام البشیر ہے، اسی کی اڈٹیری میں نکلتا ہے، ہم نے اسکی وجہ سے کالج کی ایک ایک عمارت اور آلات وغیرہ کی سیر کی، حقیقت یہ ہے کہ یہ کالج یہاں کے عیسائیوں کے لئے باعث فخر اور تمام مسلمانوں کے لئے موجب رشک ہے، مصر و شام کا تو کیا ذکر ہے، قسطنطنیہ کا بھی کوئی کالج اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، عمارت اس قدر شاندار، موزوں اور خوبصورت ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔

اوپر کی منزل کا فرش بالکل سنگ مرمر کا ہے اور سنگ سیاہ کی پچے کاری ہے، کمرے
 نہایت کثرت سے ہیں، پروفیسر اور شیجر جو ۶۰ سے زیادہ ہیں اور شب و روز کالج
 ہی میں رہتے ہیں، سب کے لئے الگ الگ کمرے ہیں، ایک عالیشان کمرہ جو نہایت
 عمدہ فرنیچر اور ساز و سامان سے آراستہ ہے اور جس کے بیچ میں مستطیل میز اور
 گرد بہت سی خوبصورت کرسیاں بچھی ہیں، پروفیسروں اور استادوں کیلئے
 مخصوص ہے، فرصت کے اوقات میں وہ لوگ یہاں آ بیٹھتے ہیں، اور دوستانہ صحبت
 رہتی ہے، اس میں ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی ہے جس کا جی چاہتا ہی کوئی کتاب
 اٹھا لیتا ہے، اور اس سے دل بہلاتا ہے، مجھ کو اس وقت خیال آیا کہ ہمارے کالج
 میں یہ بڑی کمی ہے کہ اس قسم کی کوئی عمارت نہیں جہاں تمام اساتذہ گھڑی دو گھڑی
 مل بیٹھا کریں، حالانکہ اس قسم کی صحبت دل بہلانے کے سوا قومی مذاق کے لئے نہایت
 مفید ہے،

کالج میں سائنس اور علوم جدیدہ کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ پر ہوتی ہے
 اور اس غرض سے نہایت بیش قیمت آلات اور نایاب چیزیں مہیا کی گئی ہیں
 بہت سی الماریاں ہیں جن میں عجیب عجیب مختلف رنگ اور صورت کے پتھر اور
 حجری مٹی کے ٹکڑے ہیں، یہ نادر چیزیں طبقات الارض کی تعلیم کے لئے دور دور
 مقامات سے مہیا کی گئی ہیں، نباتات کا الگ کمرہ ہے، اور بہت وسیع ہے پروفیسر
 الطون نے مجھ سے کہا کہ ان نباتات کی حفظ و پرورش میں نہایت اہتمام کرنا پڑتا
 ہے، پروفیسر مذکور نے ایک قسم کی گھاس دکھائی اور کہا کہ یہ ہندوستان کے سوا
 اور کہیں نہیں پیدا ہوتی، اور وہیں سے منگوائی گئی ہے،

کالج کا
کتب خانہ

کالج کے ساتھ بورڈنگ بھی ہے اور اسی وضع کا ہے جیسے قسطنطنیہ کے بڑے
بڑے بڑے کالجوں کے بورڈنگ ہیں، کالج کی لائبریری اگرچہ بہت بڑی نہیں
لیکن کتابیں نادر اور کمیاب جمع کی گئی ہیں،

جو کتابیں چھپی نہیں اور ان کے قدیم نسخے نہیں مل سکتے، یورپ اور ایشیا کے مشہور
کتب خانوں سے ان کی نقل و استساخ کا انتظام کیا ہے، ابن رشتیق قیسروانی کی
کتاب العقدہ جو اپنے باب میں ہمیشہ اور نادر کتاب ہے، میں نے اسی کتب خانہ
میں دیکھی، اس کالج میں عربی زبان اور فرسخ کی تعلیم لازمی ہے، باقی زبانیں اختیار
ہیں، چنانچہ ترکی کی ایک، جرمن کی ایک، انگریزی کی پانچ، لاطین و یونانی کی سات
کلاسیں ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ بائبل مدرسہ عموماً عیسائی ہیں اور عیسائی
بھی رومن کیتھولک جن میں بہ نسبت اور فرقوں کے تعصب زیادہ ہوتا ہے، تاہم
ادب کے نصاب میں قرآن مجید کا انتخاب بھی شامل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے
کہ قرآن مجید کا فصاحت و بلاغت میں بے مثل ہونا ان کو بھی مسلم ہے، علوم جو پڑھا
جاتے ہیں، ان میں فلسفہ، حال و علوم طبیعیہ کے علاوہ موسیقی و تصویر کشی کا فن
بھی داخل ہے، طلبہ کی تعداد ۵۰۰ اور ۶۰۰ کے بیچ میں ہے جن میں مسلمان صرف
۸ یا ۱۰ ہیں،

طالبان
کی تعداد

کالج کی عمارت باوجود اس کے کہ بیروت میں تمام چیزیں نہایت ارزاں ہیں
دس لاکھ فرنک میں تیار ہوئی ہے، اور یہ کل رقم پادریوں کی ایک جماعت نے
ادا اور مہیا کی ہے،

طبی کالج

اس کالج کے ساتھ میڈیکل (طبی) کالج بھی ہے، لیکن اسکی عمارت کسی قدر قاصر ہے

ہے، پروفیسر انطون نے ہم کو اس کی بھی سیر کرائی، عمارت نہایت وسیع اور بلند، اور آلات نہایت پیش قیمت اور کثرت سے ہیں، تشریح کے کمرے میں جو بہت لمبا اور وسیع ہے، انسان کے ایک ایک عضو کی تصویر موم کی بنی ہوئی ہے، اور اس خوبی و صفائی سے بتائی ہے کہ نقلی ہونے کا گمان بھی نہیں ہوتا، ایک ایک عضو کے متعلق جس قدر امراض ہیں اسی تعداد کے موافق ہر عضو کے متعدد نمونے ہیں، چنانچہ ایک خانہ میں کم و بیش ۲۰۰ آنکھیں ہیں، کسی میں ٹھہلی ہے، کسی میں ناخن ہے، کسی کی پلکیں جھڑ گئی ہیں، میں نے ہندوستان کا کوئی میڈیکل کالج نہیں دیکھا ہے، لیکن مجھ کو کافی یقین ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک کالج بھی اس سے بڑھ کر بلکہ اسکی برابر بھی نہ ہوگا۔

پروفیسر انطون نے ہمارے لئے جو تکلیف اٹھائی اور جس توجہ اور اخلاق سے وہ تمام کمروں اور چیزوں کی ہکوسیر کرا تا رہا یہ نہایت ناشکری ہے کہ میں اس موقع پر اس کا دلی شکر یہ نہ ادا کروں، معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر مذکور مجھ سے مل کر خوش ہوا، چنانچہ اس ہفتہ میں البتھیر کا جو پرچہ نکلا اس میں ایک اڈیوریل نوٹ میرے متعلق تھا، جس کی عبارت یہ ہے،

اجتمعنا فی ہذا الایام علی حضورۃ العالم الشیخ شبلی النعمانی المعلم
الاول للعلوم العربیۃ فی بلدۃ علی گڑھ من بلاد الہند فرانیافیہ رجلا
کثیرا لمعارف وھو جائز النشان المجیدی من الرتبة الرابعة، اقام
فی الاستانہ العلیۃ مدرۃ مشہورہ وحضرا لی بیروت وتوجہ ہذا
النهار الی زیارۃ بیت المقدس ثم ما الی مصر ثم الی بلاد الہند،

جمعیات اور اخبارات

ہماری زبان میں انجمن کا لفظ جس معنی میں بولا جاتا ہے، اس کے مقابل میں یہاں جمعیت کا لفظ ہے، مصر و غیرہ میں بھی یہی لفظ مستعمل ہے، انجمنیں یہاں کثرت سے ہیں اور ان کے مقاصد نہایت مفید ہیں، لیکن تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بھی نہیں، بعض مشہور انجمنوں کا نقشہ ذیل میں درج ہے، جس سے ان کے مقاصد بھی معلوم ہوں گے،

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
مجلس ملی	روم آرتھوڈوکس	رفاہ عام	مظران عفرائیل
تعلیم مسیحی	"	مذہبی	"
قدیس پولس پیئیر رسول	"	"	"
خیریت	"	اعانت فقراء	خواجہ سلیم
مرضی	"	غریبوں کا معالجہ	خواجہ نجیب
دفن الموتی	"	لا وارث اور غریب اشخاص کی تجہیز و تکفین	خوری یعقوب
زہرۃ الاحسان	"	فن ادب	سیدہ طریقہ
خیریت	مارونیت	اعانت فقراء	خواجہ حنائینہ
دائرۃ علیہ	"	ترقی علوم	مظران یوسف

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
احویہ مار مارون	مارونینہ	فن ادب	سلیم آفندی
یوحنا مار مارون	روم آرٹھوڈوکس	رفاہ عام	خواجہ جلیل
خیریہ	رومن کیتھولک	اعانت فقراء	یشارہ خوری
دیرالستہ	"	"	خواجہ نخلہ
شمس البر	مسیحی	ادب	سلیم آفندی کساب
باکورة السوریة	"	"	سیدہ حنہ عتیق
ریحی شام کی صبح	"	"	"
انجیلیتہ	انجیلیتہ	رفاہ عام	خلیل آفندی سرکس

اس فہرست سے ظاہر ہوگا کہ عیسائی مذہب کی جس قدر شاخیں ہیں سب کی ایک ایک انجمنیں ہیں لیکن مسلمانوں نے اس فضول کام کو سرے سے ہاتھ نہیں لگایا۔ اخبارات و رسالے جو یہاں سے نکلتے ہیں، ان میں البشیر، بیروت، تقدم ثمرات الفنون، اصح المنیر، الصفا، لسان الاحمال، المصباح، الهدیۃ، المنشرة الاسبوعیہ، حدیقۃ الاخبار زیادہ مشہور ہیں، ان میں بیروت اور ثمرات الفنون کے سوا اور تمام اخباروں کے مالک اور ایڈیٹر عیسائی ہیں، چونکہ مطبع کو یہاں آزادی نہیں، اس لئے ان اخبارات میں معمولی خبروں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، البتہ علمی رسالے بڑی آب و تاب سے نکلتے ہیں، اور خصوصاً الصفا اور المقطفات تو اس شان کے پرچے تھے کہ یورپ کے میگزینوں کی برابری کرتے تھے، افسوس ہے کہ الصفا بند ہو گیا اور المقطفات نے اپنا مقام بدل دیا، یعنی اب قاہرہ سے

صدخانہ

یہاں ایک مختصر سا صدخانہ بھی ہے، جس کو پروفیسر فان ڈیک امریکانی نے ۱۸۷۲ء میں قائم کیا تھا، اس میں رصد کے متعلق اکثر ضروری آلات موجود ہیں، ہر روز جو امور رصد سے معلوم ہوتے ہیں اس کی اطلاع بذریعہ تار کے قسطنطنیہ بھیجی جاتی ہے، اور وہاں سے یورپ وغیرہ میں شائع ہوتی ہے، اس کا اہتمام اب مسٹر رابرٹ کے ہاتھ میں ہے، جو مدرسہ امیر کاینہ میں ریاضیات کا پروفیسر ہے،

عام حالہ ابو یوسف کے اجناس

میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ بیروت میں قیام کرنے کا اصلی سبب شیخ طاہر مغربی سے ملنا تھا، چنانچہ عبد الباسط الانسی کے ذریعہ سے ان سے ملاقات ہوئی اور دیر تک علمی صحبت رہی دو تین دفعہ اور ملاقاتیں ہوئیں، ایک بار فرود گاہ پر بھی تشریف لائے شیخ موصوف ابھی جوان ہیں، لیکن علم و فضل کی وجہ سے لوگ ان کی بہت عزت کرتے ہیں، میں نے ان کے کمال کا جس چیز کو جو ہر سمجھا اور جس کا مجھ کو خود تجربہ ہوا، وہ یہ تھا کہ شیخ موصوف اور علما کی طرح محدود خیال کے آدمی نہیں ہیں، نئے خیالات سے آشنا ہیں، کسی قدر فرنج بھی جانتے ہیں، فرانس کی سیر کی ہے، قومی ہمدردی کا مادہ ہے، اور مسلمانوں کے تنزل سے بیخبر نہیں ہیں، اگر یہ مذاق ان مالک کے عام علما میں پیدا ہو جائے، تو ترقی کی واقعی امید ہو سکتی ہے، شیخ موصوف ^{مشوق}

بیروت کے رہنے والے

کے مدرس میں مدرس ہیں، وہ صاحب تصانیف بھی ہیں اور ریاضی کے فن میں انکی بعض تصنیفات چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہیں،

بیروت کے اور علما اور اہل کمال سے بھی نیاز حاصل ہوا، میں معمولاً عبدالباسط الانسی کی دوکان پر بیٹھا کرتا تھا، وہاں اکثر اہل علم اور ارباب مناصب آ بکھلتے تھے اور ان سے ملاقات و تعارف ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ شہر میں زیادہ چرچا ہوا تو بعض بعض حضرات میری قیامگاہ پر بھی تشریف لائے، ان میں سے شیخ عمر جلی او ایک اور صاحب جن کا نام اب یاد نہیں رہا، میرے حال پر نہایت عنایت فرماتے تھے، شیخ عمر جلی مشہور رسالہ اصفیٰ کے مالک اور مہتمم ہیں، اور نہایت فیاض اور خوش اخلاق ہیں، دوسرے صاحب جو طالب علم ہیں منطق کی تحصیل کی غرض سے تشریف لائے میں نے تنگی وقت کا عذر کیا، تاہم وہ اکثر تشریف لاتے تھے اور فن ادب کے تذکرے رہتے تھے، ایک دن مجھ سے پوچھا کہ تنسیب کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے، میں نے کہا کہ له حنات و سئیات بولے کہ والحسناات ینذہبن السیئات مجھ کو ان کا پُر لطف جواب نہایت پسند آیا،

ایک دن عبدالباسط الانسی نے میری دعوت کی اور بیروت کے اکثر مشہور علماء کو مدعو کیا، شیخ عبدالقادر جزائری جو ابجزائر کا بادشاہ تھا اور ایک مدت تک فرانس کے ساتھ معرکہ آرا رہا اس کے بھتیجے شیخ عبدالرحمن جزائری مدت سے یہاں رہتے ہیں اور سلطان کے ہاں سے وظیفہ پاتے ہیں، وہ بھی تشریف رکھتے تھے نہایت مہم اور صاحب علم ہیں، عبدالباسط الانسی کے مکان میں چھوٹا سا خوبصورت باغ ہے، سب لوگ وہاں بیٹھے، بیچ اور کرسیوں کی نشست تھی،

تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ کھانے کے کمرہ میں گئے، کھانا انگریزی طریقہ پر
 تھا، یعنی میز اور کرسیاں تھیں اور ایک کھانا ہو چکتا تھا، تو دوسرا لایا جاتا تھا، ایک
 ڈش کے بعد دوسری ڈش آتی تھی، میں نے شیخ طاہر مغربی سے کہا کہ ہندوستان
 میں ایسا اتفاق ہوتا تو من تشبہ بقوہ کا فتویٰ لگایا جاتا، بولے کہ ان ممالک میں
 یہی مناسب ہو کیونکہ وہاں اسلامی حکومت نہیں رہی، اس لئے رسم و رواج
 اور مذہبی تعصبات کا (گو وہ صحیح نہ ہوں) قائم رکھنا ضرور ہے، تاکہ مذہب کا عام
 اثر کم نہ ہونے پائے، لیکن اسلامی ممالک میں ان فضول باتوں کی کچھ ضرورت نہیں
 یہ صحبت دیر تک رہی، اور بڑے لطف سے گذری، کھانے بھی نہایت لذت
 اور خوشگوار تھے،

چونکہ یہاں کی آب و ہوا مرطوب ہے، میری طبیعت برابر بد مزہ رہی، ایک
 دن بخار بھی آگیا، عبدالباسط آفندی کے پھرے بھائی عبدالرحمن الانسی یہاں
 کے مشہور ڈاکٹروں میں ہیں اور مصر کے ڈیکل کالج میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پائی ہے،
 علاج کی غرض سے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے نہایت مہربانی
 کی اور کہا کہ آپ جب قیام گاہ پر تشریف لیجائیں گے تو دوا وہیں پہنچ جائیگی
 چنانچہ دو گھنٹے کے بعد ایک آدمی دوا کی نشستی لیکر آیا اور کہا کہ اگر اس سے آرام نہ
 تو ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دیجئے گا، دوا سریع الاثر ہونے کے ساتھ خوش مزہ
 بھی تھی، بخار اسی دن جاتا رہا، ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ یورپ کے طریقہ پر تعلیم پائی تھی
 لیکن ایشیائی بلکہ اسلامی مہمان پرستی کا اثر اس قدر باقی ہے کہ فیس درکنار دوا
 کی بھی قیمت لینے کو ارادہ کی،

اس بخار نے بڑا ہرج یہ کیا کہ طرابلس کی سیر مفت میں جاتی رہی، ان دنوں
 طرابلس کے بعض علماء اتفاق سے وہاں آگئے تھے، ایک صحبت میں ان سے ملنے کا
 اتفاق ہوا، ان لوگوں نے نہایت اصرار کیا کہ ہمارے ساتھ طرابلس چلو، طرابلس
 مشہور اسلامی شہر ہے اور بعض اسلامی خصوصیتوں کے لحاظ سے بڑا یادگار مقام
 خیال کیا جاتا ہے، بیروت سے صرف دو دن کی راہ ہے، کافی وقت تھا کہ میں
 وہاں جا کر جہاز کی روانگی تک واپس آجاتا میں نے ہر طرح تیاری بھی کر لی تھی
 لیکن عین وقت پر بخار آگیا، اور یہ حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی،

اس سے زیادہ بد قسمتی یہ کہ اجاب نے بھی ساتھ چھوڑا، شیخ علی ظہیان جو
 کئی مہینہ تک اینس و مہدم رہے تھے، صرف میری وجہ سے بیروت میں مقیم
 تھے، دمشق سے ان کے والد ماجد کا خط آیا اور ان کو مجبوراً جانا پڑا، رات کے
 آٹھ بجے روانگی کا وقت تھا، رخصت کے وقت گلے مل کر میرے شانوں کو
 بوسہ دیتے تھے، دیہاں کا عام دستور ہے) اور یہ شعر پڑھتے تھے،

تمتع من شمیم عرار نجد فمابعد العیشۃ من عرار
 یعنی اب نجد کے عرار (ایک پھول کا نام ہے) کی خوشبو سے لطف اٹھانا
 ہو تو اٹھا لو ورنہ آج کی رات کے بعد پھر عرار نصیب نہیں ہونے کا،

بیروت میں میں نے جس چیر کو نہایت ناپسند کیا، وہ ایک مکان ہی، جسکو
 معنی کہتے ہیں، یہ نہایت نامہذب اور محذب اخلاق چیر ہے، اور معلوم نہیں کہ پہلا
 حکومت نے اس کو کیونکر جائز رکھا ہے، عین نثرک پر ایک عالیشان دو منزلہ
 مکان ہے، اوپر کی منزل میں ایک وسیع کمرہ ہے، جس میں ترتیب کے ساتھ

بہت سی کریں لکھی ہیں۔ صدوں جانب ایک ہندسہ جس جوترو سے بہت سی ذرات
 نیدیاں تپ رہتی تھیں۔ ایک ذرہ جو جوترو سے تپ رہتا ہے جو ترو سے
 اتر کر زمین پر گرتا ہے اور مشرق و مغرب کے ساتھ ساتھ زمین کے گرد
 میں جس کو منظور ہوتا ہے۔ شہرہ سے نکلتا ہے اور وہ پڑے اور ذرہ
 سے اس کے پسوں کو مینچتا ہے۔ اس میں نہایت عین اور بے شکر کے ساتھ
 شہرہ ہوتا ہے۔ شہرہ کا دور چلتا ہے۔ ایک دوسرے کے گلے میں بہت
 دن کر رہتے ہیں۔ موانع ہوتے ہیں اور غرض عین کا کوئی دینہ ہی نہیں رہتے
 خود باللہ من شرور انفسد ومن مینت اعندنا

میرت سے ونگ

میرت میں میری طبیعت یوں ہی بد مزہ تھی۔ شیخ علی نقیب نے میرت سے
 کے چھے جانے کے بعد اور بھی وحشت ہوئی۔ اس جہاز کے انتظام میں چار روز
 دو تین روز ٹھہرنا پڑا۔ صفر ۱۳۲۸ کو شام کے وقت میرت سے روانہ ہو کر
 عبد الباسط اور شیخ عمر حلی ہندر گاؤں تک ساتھ آئے۔ اور انہی کے ذریعہ سے
 وغیرہ کے انتظام میں نہایت آسانی ہوئی۔ دوسرے دن جہاز یا فہر پہنچا جہاز
 لنگر کرنے کے ساتھ ملا حوں اور قیدیوں کا حملہ ہوا اور اس قدر شور و غل اور ہڑت
 پیدا ہو گئی کہ میرے حواس جاتے رہے۔ میرا اسباب ہر چیز مختصر تھا۔ تاہم سے
 حصے بخرے کر لئے گئے، اور جس ملاح کو جس قدر ہاتھ لگائے کر چلتا ہوا، اور اپنی
 کشتی میں جا کر رکھ آیا۔ میں حیران تھا کہ خود کہاں جاؤں، آخر میں بتقدیر ایک کشتی

میں بیٹھ گیا، کنارے پر پہنچ کر دیر تک اس کشتی کا انتظار کرنا پڑا، جس میں بقیہ اسباب تھا، یہ مرحلہ طے ہوا تو آگے پروانہ راہداری اور معائنہ اسباب کی مصیبت کا سامنا تھا، بارے ہزار خرابی دوپہر تک ان جھگڑوں سے نجات ملی، اور نمازِ ظہر کے قریب شہر میں پہنچا، یافتہ جس کو انگریزی میں جانا کہتے ہیں، نہایت قدیم شہر ہے، توریٹ میں اسکا ذکر ہے اور مورخ بلینی کا بیان ہے کہ طوفانِ نوح سے پہلے موجود تھا ۱۳۰۰ء میں کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد تھا، اسلام کے قبضہ میں آیا، چونکہ یہ شہر بیت المقدس کا اسٹیشن ہے یعنی یہیں سے بیت المقدس جاتے ہیں، اس لئے ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں کی کثرت سے آمد و رفت رہتی ہی، شہر کا وہ حصہ جس کو یورپین آبادی کہا جاسکتا ہے، خوبصورت اور پرفضا ہے،

یہ وہ جات یہاں کثرت سے ہوتے ہیں، انار نہایت عمدہ ہوتا ہے، اور بہت سستا آتا ہے، ایک بڑی خصوصیت اس شہر کی یہ ہے کہ شہر کے باہر باغوں کا ایک سلسلہ ہے اور متصل دو تین میل تک چلا گیا ہے، بیت المقدس یہاں سے پہل ہے، اب توریٹ جاری ہو گئی ہے، لیکن اس وقت سے شکرم چلتی تھی، میں مغرب کے وقت سوار ہوا، راہ میں بعض مشہور مقامات (رملہ وغیرہ) آئے لیکن رات کی وجہ سے میں کچھ دیکھ نہ سکا،

صبح ہوتے ہوتے پہاڑوں کا سلسلہ نظر آیا جو برابر بلند ہوتا چلا گیا ہے، ہسٹک اگرچہ بڑے کچ و پیچ سے چکر کھاتی ہوئی گئی ہے، لیکن نہایت صاف اولہ ہموار ہے، پہاڑ کا دامن بالکل سرسبز اور شاداب ہے، اور عجیب لطف و فضا کا مقام ہے، جا بجاعرب بدوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں، مکانات اگرچہ تنگ

و مختصر ہیں، لیکن بالکل سفید پتھر کے ہیں، سبزہ زار میں یہ سپیدی نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہے، یہ سلسلہ دس بارہ میل چل کر ختم ہوا، اور بیت المقدس کی آبادی نظر پڑی، بیت المقدس پہاڑ پر آباد ہے، میں ایک ہفتہ یہاں رہا، اور مسجد اقصیٰ اور قمامہ وغیرہ کی سیر کی، گاڑی سے اتر کر میں سیدھا عبدالرزاق آفندی کے مکان پر گیا، انھوں نے بے اعتنائی کی (یہ واقعہ کتاب کے خاتمہ میں تفصیل کے ساتھ آئیگا) تو ہوٹل میں جانے کا قصد کیا، راہ میں ہندیوں کا زاویہ تھا، میں نے خیال کیا کہ یہاں کے لوگوں سے ملنا مفید ہوگا، چنانچہ زاویہ میں داخل ہوا تو پہلے شیخ زاویہ کا سامنا ہوا، یہ شیخ رامپور کے رہنے والے ہیں اور ایک مدت سے یہاں رہتے ہیں، بچاے کچھ پڑھے لکھے نہیں، نہایت معقول اور منتظم آدمی ہیں، زاویہ کو نہایت خوش سلیقگی سے درست کیا ہے، ایک کمرہ جو ملاقاتیوں کے لئے مخصوص ہے معقول طور پر آراستہ ہے، صحن میں پھولوں کی کھاریاں ہیں، سلام علیک اور مزاج پر سی کے بعد باتوں باتوں میں جب ان کو معلوم ہوا کہ میں ہوٹل میں ٹھہرنا چاہتا ہوں تو انھوں نے کہا کہ تم کو یہاں مفتی صاحب اور وگراہل علم سے ملنا ہے، وہ ہوٹل میں ٹھہرنا معیوب خیال کرتے ہیں، چنانچہ زاویہ ہی میں ٹھہرا، لیکن زاویہ کا کھانا اس خیال سے نہیں کھاتا تھا کہ وہ فقرا اور محتاجوں کے لئے مخصوص ہے

بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کا نام

بیت المقدس کسی خاص عمارت کا نام نہیں، بلکہ شہر کا نام ہے، لیکن یہاں زیادہ تر قدس کہتے ہیں، یہ متبرک شہر اگرچہ حضرت داؤد و سلیمانؑ کے انتساب سے شہرت رکھتا ہے، اور گویا اس کے وجود کی تاریخ انہی انبیاء کے عہد شروع ہوئی ہے، لیکن درحقیقت وہ اس عہد سے بہت پہلے موجود تھا، حضرت عیسیٰؑ سے پہلے ۱۰۴۸ برس پہلے حضرت داؤدؑ نے اس کو مدھیون چھینا اور اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ اس عہد سے آج تک وہ بڑے بڑے تاریخی واقعات کا مرکز رہا ہے، شروع اسلام میں مسلمانوں کا قبضہ تھا اور عیسائیوں کا آج بھی ہے،

موجودہ شہر کی آبادی پچاس ہاٹھ ہزار سے زیادہ نہیں، مکانات اور عمارتیں معمولی درجہ کی ہیں، سڑکیں بھی چنداں وسیع نہیں ہیں، اور چونکہ اکثر جگہ مسقف بازار ہیں، اس لئے زیادہ تنگی اور تاریکی ہے، شہر کے گرد پتھر کی شہر بنا پاہ ہے جو سلطان سلیمان اعظم نے ۱۵۴۳ء میں تیار کرائی تھی، یہ حالت قدیم شہر کی ہے، لیکن جدید آبادی نہایت پُر فضا اور پُر رونق ہے، سڑک نہایت وسیع اور دونوں طرف عمارتیں ہیں، جنگلے اور کوٹھیاں کثرت سے ہیں اور احاطہ عموماً وسیع اور سبزہ و چمن بندی سے آراستہ ہیں، تمام شہر کی زبان اور وضع و لباس عربی ہے، قسطنطنیہ کی طرح یہاں بہت سا زوئے اور تکیے ہیں، ہر قوم اور ملک کے لئے

انگ انگ زاویہ ہے اور مسافروں کو کھانا اور قہوہ مفت ملتا ہے،
 آب و ہوا نہایت عمدہ ہے، میں اگست کے آغاز میں پہنچا تھا، تاہم دن کو
 گلابی جاڑا ہوتا تھا، اور رات کو اچھی خاصی سردی پڑتی تھی، میسوںے کثرت سے اور
 نہایت شیریں و لذیذ ہوتے ہیں، اس وقت انگور کا آغاز تھا، جس طرح ہمارے یہاں
 صبح کے وقت بھٹے، گاجریں وغیرہ ٹوکروں میں بھر بھر کر بازار میں لاتے ہیں اور
 دوڑ تک ڈھیر لگ جاتا ہے، بعینہ ہی حالت یہاں انگوروں کی ہے، میرا تمام دن
 یہ مشغلہ رہتا تھا کہ انگور کے دانے ٹونگا کرتا تھا،

مسجد اقصیٰ

یہ وہ مبارک مسجد ہے، جس کی بنا حضرت داؤدؑ نے ڈالی اور حضرت سلیمانؑ
 نے انجام کو پہنچایا، مسجد کا احاطہ جس کو حرم کہتے ہیں، نہایت وسیع ہے، لیکن
 زیادہ تر ناہموار اور غیر مستطح ہے، اور اکثر جگہ خود رو گھاس اور جھاڑیاں ہیں جس
 لوگوں سے اس کا سبب دریافت کیا، معلوم ہوا کہ سلطان نے کئی دفعہ اسکی مرمت اور
 درستی کے لئے رقم بھیجی، لیکن کار پر دازوں اور مجاؤوں نے اس کا بہت کم حصہ صرف کیا
 طرہ یہ کہ میں نے خود مجاؤروں سے پوچھا تو ایک صاحب نے فرمایا کہ ہاں کچھ رقم مجاؤروں
 کے تصرف میں بھی آتی ہے، اور کیوں نہ آئے، باورچی کھانا پکاتا ہے تو نمک خواہ خواہ
 کچھ لیتا ہے،

مسجد کی عمارت جس کا طول (۶۰۰) گز اور عرض (۱۰۰) گز ہے نہایت خوبصورت
 پر تکلف اور شاندار ہے، چھت ستونوں پر ہے اور (۷۰۰) صرف سنگ رخام کے

کے ستون ہیں، جا بجا پچی کاری اور طلائی کام ہے، یہ عمارت جس قدر ہے عبد الملک ابن مروان کی بنوائی ہے، البتہ بنیادوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت داؤد کے عہد کی ہیں، بائیں جانب عمارت اور کسی قدر فاصلہ پر ایک وسیع تہ خانہ ہے، دس بار سیرھیاں اتر کر سطح زمین ملتی ہے، یہاں نہایت عالیشان محرابوں کی سات قطاریں ہیں، محرابوں کے ستون نہایت چوڑے اور بلند ہیں، مجاورین ان محرابوں کو حضرت سلیمان کے عہد کی تعمیر بتاتے ہیں، اور اس قدر تو یقینی ہے کہ اسلام کے قبل کی ہیں،

حرم مسجد میں اور بہت سے متبرک مقامات ہیں، مثلاً قبة السلسلة، قبة المعراج، قبة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لیکن سب میں زیادہ پریشان قبة الصخرہ ہے، یہاں وہ پتھر رکھا ہوا ہے، جس کی نسبت عوام میں مشہور ہے کہ آسمان وزمین کے بیچ میں معلق ہوئے اور قیامت کے دن عرش مجید اسی پر رکھا جائیگا، اہل عرب اسکو صخرہ اور ہما سے ملک کے عوام تحت رب العلیین کہتے ہیں، اس میں شبہہ نہیں کہ یہ پتھر نہایت قدیم زمانہ کا ہے، اور ہر زمانہ میں اسکی نہایت عظمت کی گئی ہے، عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس پر قدم رکھا تھا، چنانچہ سلطان صلاح الدین کے عہد سے پہلے جب اس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تھا تو انھوں نے اپنے خیال کے موافق اس نشان پر سونے کا قبة بنایا تھا، مسلمان بھی اس کی نہایت عزت کرتے ہیں، لیکن مجھ کو معلوم نہیں کہ کسی صحیح حدیث میں بھی اسکی کوئی فضیلت مذکور ہے،

بہر نوع قبة کی صورت ہے کہ ایک بلند چبوترہ پر مٹھن برج ہے، جس کی بلندی

کم و بیش (۱۰۰) فٹ ہے چھت اور دیواروں پر نہایت عمدہ لاجوردی اور طلائی کام ہے، اور باوجودیکہ مدقوں کا بنا ہے، تاہم اس قدر روشنی اور چمک ہے کہ نگاہ نہیں

ٹھہرتی، مختصر یہ کہ زیب و زینت کے لحاظ سے علامہ بشاری کا یہ دعویٰ چنداں سچا نہیں کہ
 ”تمام ممالکِ اسلامیہ میں نے ایسی خوبصورت اور پر تکلف کوئی عمارت نہیں دیکھی“
 چند سیڑھیوں سے اتر کر غار میں داخل ہوتے ہیں، یہاں وہ مقدس پتھر رکھا ہوا ہے، غار
 اس قدر وسیع ہے کہ ساڑھے ستر آدمیوں کی بخوبی گنجائش ہے، صخرہ زمین سے دو قدم
 بلند ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے وہ بالکل ہوا میں معلق تھا، ممکن ہے کہ اس
 زمانہ میں ایسا ہی ہو، لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ ایک مدور دیوار ہے اور صخرہ اس پر
 اس طرح رکھا ہوا ہے کہ دیوار کی چھت بن گیا ہے، مجاورین کا بیان ہے کہ صخرہ کو ہوا
 میں معلق دیکھ کر لوگ اس کے نیچے جاتے ہوئے ڈرتے تھے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک
 عورت کا اسقاط حمل ہو گیا، یہ واقعہ شیخ فحی الدین اکبر کے عہد میں ہوا تھا، شیخ موصوف
 نے اس کے گرد دیوار کھینچوادی کہ بظاہر معلق نہ معلوم ہو، مجاورین یہ بھی کہتے ہیں کہ دیوار
 اس قدر بودی اور اندر سے کھوکھلی ہے کہ کسی طرح صخرہ کا بار نہیں اٹھا سکتی، چنانچہ
 ایک مجاور نے میرے سامنے دیوار کو انگلی سے کھٹ کھٹایا اور کھن کھن آواز نکلی،
 یہ واقعہ صحیح ہو یا نہ ہو مگر اس میں شبہ نہیں کہ یہ مقام مدت تک انبیاء کرام
 کا مسکن اور وحی والہام کا مہبط رہا ہے، اس لئے آیات اور تجلیاتِ الہی کے جس قدر
 آثار یہاں موجود ہیں محلِ تعجب نہیں، بیت المقدس اور اس کے قرب و جوار میں اور بھی
 بہت سی زیارت گاہیں ہیں، مثلاً بیت اللحم، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے
 تھے، مقامِ خلیل، جہاں حضرت ابراہیمؑ و حضرت یعقوبؑ و حضرت اسحاقؑ کی قبریں ہیں،
 وادیِ بہنم جہاں حضرت مریمؑ مدفون ہیں، لیکن ان سوس ہو کہ بعض اتفاقات کی وجہ سے
 میں ان مقامات کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکا، مقامِ خلیل کے لئے جو بیت المقدس

سے پندرہ بیس میل ہے، میں نے دو تین روز برابر کوشش کی، لیکن ان دنوں یہودیوں کا کوئی تیوہار تھا، اس لئے سواریاں بالکل ناپید تھیں اور ملتی بھی تھیں تو چوگنے کر ایہ پری ملتی تھیں

مقام

یہ وہی قیامت کا مقام ہے، جس کے لئے ایک زمانہ میں تمام یورپ اٹھ اٹھا، اور مدتوں یہ طوفان برپا رہا تھا، یہ ایک نہایت وسیع گرجا ہے اور عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی مقام میں مصلوب و مدفون ہوئے اور یہیں سے آسمان پر گئے، اس مکان کا اہتمام و انتظام اگرچہ عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے، لیکن چونکہ ترکی حکومت میں واقع ہے اور چھ لاکھ اہل یورپ کے مقابلہ میں صلاح الدین کی معرکہ آرائیوں کی یادگار ہے، اس لئے اس کا بواب یعنی کلید بردار مسلمان ہے، چنانچہ میں جب اس گرجا میں گیا تو اسی کی رہبری سے تمام مقامات کی سیر کی،

مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ہر طرف بڑے بڑے رہبان اور قسین بیت خضوع و خشوع کے ساتھ عبادت میں مصروف ہیں، بواب پہلے مجھ کو اس مقام پر لے گیا، جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق) آسمان پر گئے، یہ ایک مختصر سا حجرہ ہے، صدر کی جانب چبوترے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مورت ہے، تمام بدن بجز ستر عورت کے برہنہ ہے، صورت سے کسی قسم کے تقدس اور شانِ نبوت کا اظہار نہیں ہوتا، میں جب اس حجرہ میں گیا، تو شمع روشن تھی اور ایک بڑا مشین پادری تصویر کی طرف ٹکٹکی باندھے مراقبہ میں مصروف تھا،

مراقبہ سے فارغ ہو چکا تو مجا ورنے اس کے سر پر تھوڑا سا پانی چھڑکا جس کو اس نے
 بڑے ادب اور خشوع سے اپنے چہرہ اور داڑھی پر مل لیا،
 صلیب دینے جانے کی جگہ بھی شان و شوکت کی ہے، لیکن اسکو دیکھ کر عیسائیوں
 کی سادہ لوحی پر سخت افسوس آتا ہے،

ایک بلند بستیل چوڑے پر جو ستر پانسنگ مرمر کا ہے، صلیب کھڑی ہے، حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کی ہتھیلیوں میں آہنی کیلیں ٹھکی ہیں، پاؤں کو اوپر تلے لکڑی پر رکھ کر
 اس طرح میخ ٹھونک دی ہے کہ پاؤں کو توڑ کر لکڑی میں نکل گئی ہے، اسی کے قریب
 ایک طرف حضرت مریم نہایت سنگین کھڑی ہیں، حضرت مریم کا مجسمہ یعنی ایٹچو نہایت
 شاندار ہے، سونے کی مورت ہے اور لباس کی ساتھ بنائی گئی ہے، لباس پیشوا
 کے مشابہ ہے، اس مقام پر بڑے بڑے رہبان اور قسیسوں کا مجمع تھا (دراہم عورتیں)،
 بڑے خضوع و خشوع سے صلیب کی طرف ٹکٹکی باندھے ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں
 مذہبی خیالات بھی کیا ہی عجیب چیز ہیں !!!

علماء و فضلا کی ملاقات اور بعض دیگر حالات

بیت المقدس کے مشہور اور نامور عالم سید طاہر ہیں جو مفتی شہر ہیں اور مفتی
 ہی کے نام سے مشہور ہیں، چونکہ قسطنطنیہ میں میں نے انکی تعریف سنی تھی، اسلئے بیت المقدس
 پہنچ کر سب سے پہلے انہی کی ملاقات کا قصد کیا، جوں ہی میں کمرہ میں داخل ہوا مفتی صاحب
 اور تمام حاضرین تنظیم کو اٹھے (یہ طریقہ یہاں عام ہے اور ہر شخص کے لئے برتا جاتا ہے)
 مزاج پرسی اور مختصر حالات پوچھنے کے بعد ایک صاحب نے فرمایا کہ لعل حضرت تکم

من العلماء یعنی غالباً آپ علمائے میں سے ہیں نے کہا کہ لا و لکن من طلاب العلم
یعنی عالم تو نہیں البتہ طالب علم ہوں، وہ پہلے سے ایک علمی مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے
تھے اور میرے پہنچنے کی وجہ سے ان کی صحبت برہم ہو گئی تھی، جب ان لوگوں کو معلوم ہوا
کہ میں بھی کچھ پڑھا لکھا ہوں تو ایک صاحب نے نہایت تہذیب اور معقولیت سے کہا کہ ہم
لوگ ابھی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے، اگر آپ پسند فرمائیں تو وہ مسئلہ آپ کے
سامنے بھی پیش کیا جائے، ان کے خاص الفاظ یہ تھے یا حضور اللہ شیخ قد کنا قبل ذلک فی
مبحث فلواجیتم عرضنا علیکم غرض انہوں نے وہ مسئلہ بیان کیا اور وہ یہ تھا کہ قرآن مجید
کی اس آیت میں کہ المرکیف فعل ربک بارہ ذات العباد خدا نے آنحضرت صلعم کو مخاطب
کر کے کہا کہ تو نے یہ واقعہ نہیں دیکھا، حالانکہ یہ واقعہ آنحضرت صلعم کی ولادت سینکرو
برس پہلے واقع ہوا تھا، میں نے کہا کہ رویت کا اطلاق علم یقینی پر بھی ہوتا ہے، خود
قرآن مجید میں ہی المرکیف ربک باصحاب الفیل عرب جاہلیہ کے اشعار میں بھی یہ اطلاق
جایجا موجود ہے، ایک صاحب نے میری تقریر پر اعتراض کرنا چاہا، لیکن مفتی صاحب نے کہا یہ
جواب بالکل صحیح ہے اور اس میں جاے گفتگو نہیں، میں جب تک بیت المقدس میں رہا قریباً
ہر روز اس پر لطف صحبت میں شریک ہوتا رہا،

مفتی صاحب تقدس اور شرفیادہ اخلاق کی مجسم تصویر ہیں، اور اسی کا اثر ہے کہ
تمام شہران کی نہایت عزت کرتا ہے، انکی تنخواہ کل تین سو قرش ہی یعنی پینتیس روپے
لیکن شہر میں ان کا جو اثر ہے وہ حاکم شہر کا بھی نہیں، بڑی خوبی یہ ہے کہ اگرچہ پرانے زمانہ
کے آدمی ہیں اور نہایت مقدس ہیں تاہم آزاد خیال ہیں اور مذاقِ حال سے آشنا ہیں،
لطیفہ، ان مالک میں علماء کو عامہ یا ٹوپی پر ایک سفید و جھی جس کو لفہ کہتے ہیں

پنیا ضروری امر ہے، میں جس دن قمامہ کی سیر کو گیا میرے سر پر صرف ٹوپی تھی، عمامہ نہ تھا،
 راہ میں جا رہا تھا کہ ایک صاحب نے جو روشناس ہو گئے تھے دیکھ لیا اور مفتی صاحب کے
 جلسہ میں اس کا تذکرہ کیا، چونکہ وہاں کی رسم کے موافق یہ بالکل نئی بات تھی لوگوں میں
 اس کے چرچے ہوئے، یہاں تک کہ دوسرے دن جب میں مفتی صاحب کے دربار میں گیا تو
 ایک صاحب نے بڑے تعجب اور حیرت سے پوچھا کہ سمعنا ان حضرة الشیخہ خروج من
 غیر لفتہ یعنی ہم نے سنا کہ جناب والا عمامہ و لفتہ کے بغیر بازار میں نکلے، میں نے کہا ہاں
 میں عیسائیوں کے گرجہ میں گیا تھا اور ایسے مقامات کے لئے عالمانہ لباس موزوں نہیں ہے
 سب بول اٹھے کہ واللہ قد اصبتم یعنی آپ نے بالکل بجا کیا۔

ایک دن میں بخارا والوں کے زاویہ میں گیا، اتفاق یہ کہ اسی دن بخارا کے چند
 رئیس اور معزز لوگ حج سے پھر کر بیت المقدس کی زیارت کو آئے تھے، شیخ زاویہ
 نے مجھ کو ان لوگوں سے ملایا، صورت اور وضع سے دولت مند اور محترم اور موقر معلوم
 ہوتے تھے، بعض صاحب علم اور فیتہ تھے، چونکہ یہ لوگ روس کی حکومت میں رہتے ہیں
 میں ان سے روسی گورنمنٹ کے متعلق گفتگو کرتا رہا، بہت شکایت کرتے تھے اور
 زیادہ اس بات کے شاکی تھے کہ مسلمان پھر فوج میں داخل کئے جاتے ہیں اور کسی
 اسلامی حکومت سے جنگ پیش آتی ہے، تو مسلمانوں کو اپنے ہی ہم مذہبوں سے بٹھا
 کر ناپڑتا ہے،

بیت المقدس سے وانگی

بیت المقدس سے روانہ ہو کر میں یافہ میں آیا اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر تیسرے دن اسکندریہ پہنچا، جہاز کا لنگر کرنا تھا، کہ قلیوں اور ملاحوں کی مصیبت کا سامنا ہوا، یہ آفت یوں تو ہر جگہ ہے، لیکن اسکندریہ کو اس خصوصیت میں تمام مقامات پر ترجیح ہے ہزار خرابی کنارے پر پہنچا، وہاں قلیوں کا ہجوم تھا، اور ایک ایک مسافر پر چار چار گروے پڑتے تھے، ایک قلی نے زبردستی میرا اسباب اٹھایا، مجبوراً میں اس کے ساتھ ہو گیا، اسکندریہ نہایت قدیم زمانہ کی یادگار ہے، اور اس لحاظ سے اسکی سیر ضروری تھی، لیکن مجھ کو قاہرہ جانے کی جلدی تھی، اس لئے میں نے اسی وقت گاڑی کرایہ کی اور اسٹیشن پہنچا، لطف یہ کہ قلی صاحب بھی گاڑی پر بیٹھ لئے اور میرے پہلو میں بیٹھے، میری کیا مجال تھی کہ ان کی اس جسارت پر معترض ہوتا،

دریا کے کنارے سے اسٹیشن تک شہر کا جو حصہ نظر سے گذرا نہایت آباد اور پُر رونق تھا، سڑکیں وسیع اور دونوں طرف نہایت بلند مکانات اور دوکانیں تھیں، اسٹیشن پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابھی دو تین گھنٹے کی دیر ہے، میں نے کہا لاؤ جب تک ادھر ادھر پھراؤں، پاس ہی ایک جامع مسجد تھی، وہاں گیا، نہایت شاندار اور خوبصورت تھی، وضو کرنے کا حوض وسیع اور خوشنما ہے، اگر دو استنجا خانے اور پانخانے ہیں لیکن صفائی کا استعداد بہت کم ہے کہ بو اور رائحہ کا نام تک نہیں،

دس بجے ٹرین روانہ ہوئی، یہاں کی گاڑیوں میں بجائے بچوں کے آہنی کرسیاں

ہوتی ہیں اور دود و اس طرح ساتھ جڑی ہوتی ہیں کہ دونوں کی پشت ملی ہوتی ہے ہر طرف
 میں آٹھ آدمیوں کی نشست ہوتی ہے، چار ایک طرف، چار ایک طرف، سونے کی کوئی
 قدیر نہیں، رفع حاجت کا بھی بندوبست نہیں، دریافت سے معلوم ہوا کہ یورپ میں بھی
 اسی قسم کی گاڑیاں ہیں، البتہ ایک بات نئی ہے اور آرام سے خالی نہیں، وہ یہ کہ گاڑی
 ہی میں خوابنے والے جو بسکٹا ڈیل روٹی، پنیر اور میوہ بیچتے ہیں، ہر وقت موجود
 رہتے ہیں اور چونکہ تمام گاڑیوں میں اس سرے سے اس سرے تک آمد و رفت ہو سکتی
 ہے خواجہ والا ہر وقت پھر تارہتا ہے اور تمام گاڑیوں میں چکر لگاتا ہے،
 سید صاحب نے اپنے سفر نامہ میں یہاں کی ریل کے کارخانے، سڑک اسٹیشن، لائینوں
 غرض ہر ایک چیز کی نسبت بے سلیسگی اور میلے پن کی سخت ہجو کی ہے اس وقت یہ حالت
 ہوگی، لیکن اب یہ شکایت نہیں ہو سکتی ہیں نے اسکندریہ سے قاہرہ اور قاہرہ سے اسکندریہ
 تک ریل میں سفر کیا، میرے نزدیک کوئی چیز قابل اعتراض نہ تھی،
 اس سفر میں جس قدر حصہ مصر کا میری نظر سے گذرا عجیب، سرسبز و شاداب تھا،
 جہاں تک نگاہ جاتی تھی نہایت سرسبز کھیتیاں نظر آتی تھیں، اسکندریہ سے قاہرہ تک
 جس قسم کی عمدہ پیداوار نظر آئی میں نے ہندوستان میں پچاس ایکڑ زمین بھی ایسی نہیں
 دیکھی، ریل شام کے قریب قاہرہ پہنچی اور میں نے جامع ازہر کے قریب ایک لوکاندہ
 ہوٹل میں قیام کیا،

بیروت میں عبد الباسط آفندی نے مجھ کو ایک خط دیا تھا کہ قاہرہ پہنچ کر شیخ عبد
 کے پاس بھجوادینا، شیخ عبد الحکیم، عبد الباسط آفندی کے چیرے بھائی ہیں اور جامع
 میں پڑھتے ہیں، میں نے وہ خط ان کے پاس بھجوا دیا، وہ دوسرے دن ہوٹل میں

تشریف لائے اور کہا کہ اگر آپ کو یہاں کے علمی حالات دریافت کرنے میں اور علما اور شیوخ سے ملنا ہے تو ہوٹل میں ٹھہرنا مناسب نہیں، یہاں علما اس کو بہت معصوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی ہدایت کے موافق میں جامع ازہر میں گیا، اور انھوں نے واقعاً ^{میں} میں ایک پرفضا حجرہ میرے لئے خالی کرادیا، ایک مہینہ سے زیادہ میں یہاں مقیم رہا، شیخ عبدالحلیم قریبا ہر وقت میرے پاس رہتے تھے، اور میری تمام ضرورتوں کو انجام دیتے تھے، وہ میرے رہنما نہیں، معروف، اور اگر گستاخی نہ ہو تو نوکر اور خادم بھی تھے اور نوکر بھی بے تنخواہ بے غرض،

قاہرہ کا اجمالی حال

یہ شہر مصر کا دارالسلطنت ہے، بلکہ حال کے محاورہ میں مصر کا لفظ جب استعمال کیا جاتا ہے تو یہی شہر مراد ہوتا ہے، جو ہر سپہ سالارِ فاطمین نے ۳۵۸ھ میں اسکو آباد کرایا تھا، اور اس عہد سے آج تک اس کو روز افزوں ترقی ہی، موجودہ مردم ^{دی} کا ۴۸۳،۴۳۸ ہے، سڑکیں وسیع اور مکانات عموماً بلند اور خوش فضا ہیں، میں جب اس کے وسیع اور پُر رونق بازاروں میں سیر کرتا پھرتا تھا تو بسبسی کا دھوکا ہوتا تھا، قہوہ خانے نہایت کثرت سے ہیں اور بڑی تفریح اور آرام کی چیزیں لباس اور وضع یہاں کی نہایت بھونڈی اور ناموزوں ہے، عوام نیلگوں لبا کرتے پھرتے ہیں، جس کا چاک کھلا رہتا ہے، پانچامہ تہمد وغیرہ بالکل نہیں پہنتے، خواص قفطان اور عبا پہنتے ہیں لیکن چونکہ عبا میں کالر نہیں ہوتا، گرون کھلی رہتی ہے، اور بدنام معلوم ہوتی ہے، اسے تعلیم یافتہ کوٹ پیلون کا استعمال کرتے ہیں، اور یہ طریقہ روز بروز زیادہ مقبول ہوتا جاتا ہے

عورتوں کی وضع اور لباس اس قدر بے ہودہ اور بد نما ہے کہ اس سے زیادہ قیاس میں نہیں آسکتا، عام عورتیں تو وہی نیلگوں لمبا کرتے پہنتی ہیں، لیکن دولت مند اور نئے فیشن کی بیگمات جن کا لباس بالکل یورپین ہوتا ہے، وہ بھی ایک بدنما نیلگوں برقع اور ڈھکریچا یا ہوا بن جاتی ہیں، برقع میں ناک کی جڑ سے سینہ تک ایک سادہ دھجی سوئڈ کی طرح لٹکتی رہتی ہے، اس دھجی کے اٹکانے کے لئے سونے یا پتیل کی ایک گلی ہوتی ہے جو پیشانی پر لٹکتی رہتی ہے اور بجائے زیور کے استعمال کی جاتی ہے۔

عام آدمیوں کے اخلاق میں دنائت زیادہ پائی جاتی ہے معمولی سے معمولی چیز کی قیمت چکانے میں حضرت امام حسین علیہ السلام یا حضرت عبدالقادر جیلانی کا واسطہ دیا جاتا ہے، مرد اور عورت بکثرت بھیک مانگتے ہیں، اور بلا کی طرح لپٹ جاتے ہیں، موسم کے لحاظ سے یہ ملک ہمارے ہندوستان کے مشابہ بلکہ اس سے بدتر ہے، کچھ عجیب طرح کی گرمی پڑتی ہے، طبیعت ہر وقت مضحک اور ست رہتی ہے، اور کسی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا، نچ کو خیال تھا کہ میں یہاں بہت کام کر سکوں گا اور اسی وجہ سے بیروت و بیت المقدس میں کم قیام کیا تھا کہ یہاں زیادہ دنوں تک رہ سکوں، لیکن گرمی نے وہ تمام منصوبے غلط کر دیئے، صبح کے وقت گھنٹہ دو گھنٹہ کام کرتا تھا باقی تمام دن حجرہ میں بیکار پڑا رہتا تھا،

مصر میں تعلیم کی حالت

مالکِ اسلامیہ میں جو مقامات آج کل تعلیم کے مرکز خیال کئے جاتے ہیں، قسطنطنیہ اور قاہرہ ہیں، اسی لحاظ سے میں نے ان دونوں مقاموں کی تعلیمی حالت دریافت کرنے میں بہت کچھ کوشش کی، قسطنطنیہ کی طرح یہاں بھی سرشتہ تعلیم کے عمدہ داروں سے ملا، سالانہ رپورٹیں پڑھیں، متعدد کالجوں کے پروگرام دیکھے، بڑے بڑے کالجوں میں خود جا کر اساتذہ کا طریق درس دیکھا، ان تحقیقات سے جو باتیں معلوم ہوئیں ان کو ناظرین سامنے پیش کرتا ہوں، اس موقع پر یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ اگرچہ قسطنطنیہ میں تعلیم کو جو وسعت اور ترقی حاصل ہے مصر اور قاہرہ کو اس سے کچھ نسبت نہیں، تاہم مصر کو اس بات میں تریح حاصل ہے کہ یہاں سرشتہ تعلیم کے کاغذات جو عام طور پر شائع ہوتے ہیں، زیادہ مرتب اور مفصل ہیں، اس لئے میں قسطنطنیہ کی بہ نسبت یہاں کی تعلیمی حالت زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ لکھ سکوں گا،

قسطنطنیہ کی طرح یہاں بھی تعلیم کے دو طریقے ہیں، قدیم و جدید یہ دونوں طریقے بالکل مختلف ہیں اور اس اختلاف نے دونوں کو نہایت سخت نقصان پہنچایا ہے، قدیم تعلیم جو ہزار برس پیشتر کی تعلیم کا بگڑا ہوا خاکہ ہے، ملک کی آب و ہوا میں سراسر

کر گئی ہے اور چونکہ وہ مذہب کے پیرایہ میں ہے، سلطنت کا اثر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا
 اسی کا نتیجہ ہے کہ مصر میں اگرچہ ایک مدت سے جدید تعلیم کی بنیاد پڑ چکی ہے، اور خود گورنمنٹ
 نے اس کو خاص اپنے سایہ عاطفت میں لیا ہے، بہت سے لڑکوں کو وظیفہ دیا جاتا ہے
 اور فیصدی ۴ سے کچھ فیس نہیں لی جاتی، تمام بڑے بڑے عہدے صرف نئے تعلیم یافتہ
 لوگوں کو ملتے ہیں، یہ سب کچھ ہے تاہم وسعتِ تعلیم کا یہ حال ہے کہ شہر و اطراف کے
 تمام چھوٹے بڑے اسکولوں اور کالجوں کو ملا کر طالب علموں کی تعداد دس ہزار بھی نہیں
 ہے، حالانکہ قدیم طریقہ پر تعلیم پانے والے صرف جامع ازہر میں دس ہزار سے زائد
 ہیں، اس قدر ضرور ہے کہ جدید تعلیم کا ہر قدم آگے ہے اور قدیم طریقہ کا زور روز
 بروز گھٹتا جاتا ہے، سرکاری مدرسوں میں ہر قسم کے طلبہ کی تعداد جو ہر سال بڑھتی
 جاتی ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۸۸۶ء میں پورٹوروں کی تعداد فیصدی
 ۴۷ تھی، اور ۱۸۸۷ء میں ۵۶ ہو گئی، اسی طرح غیر پورٹور ۱۸۸۶ء میں ۱۷ فیصدی تھے،
 اور ۱۸۸۷ء میں ۲۹ ہو گئے،

ہم اس موقع پر ایک اجمالی نقشہ دیتے ہیں جو ۱۸۸۸ء کی رپورٹ سے مرتب
 کیا گیا ہے، اور جس سے تمام اسکولوں اور کالجوں کی تفصیل ان کے سالانہ مصارف
 طالب علموں کی تعداد اور دیگر حالات معلوم ہوں گے،

نام مدرسہ	مصارف سالانہ جون ۱۸۸۵ء	تعداد طلبہ جو وہ جون ۱۸۸۵ء	تعداد طلبہ جو فیس دیتے ہیں	تعداد فیس	بلانچس	جن کو وظیفہ ملتا ہے	تعداد
مدرسۃ الطب	۱۲۸	۱۸۲	۶۹	سالانہ ۶ پونڈ	۶۴	پونڈ کم از کم ۵	۲۲
مدرسۃ الولاد	۸۱۶	۱۱	۰	۰	۱۱	روپیہ کا ہوتا ہے	۰
مهندس خانہ	۴۱۴۰	۳۳	۶	۱۵ پونڈ	۱۲		۱۸
مدرسۃ الحقوق	۴۱۴۲	۶۲	۴۶	۱۵	۱۵		۱۱
یعنی قانون کا مدرسہ							
دارالعلوم	۱۵۲۶	۳۱	۰	۰	۰	میں جس کا س کالج کو دیکھا	۳۶
مدرسۃ الترجمہ	۱۴۳۵	۳۰	۳	۶	۲۳	تو ۵ طالب علم تھے	۲
مدرسۃ الصنائع	۶۸۱۵	۲۶۰	۱۲	۶	۲۶۰		۰
التوفیقیہ	۶۴۱۸	۲۸۸	۲۵	۲۰	۳	داخلیہ سے پورٹور	۱۵
التجیزیہ	۶۶۵۴	۳۳۰	۱۲	۱۲	۱۸۵	خارجیہ سے غیر پورٹور	۰
بتدیان	۴۲۸۳	۲۵۸	۱۲	۱۲	۱۱۸	مراویں	۰
اسکندریہ	۱۳۶۸	۲۱۴	۱	۱۰۹	۶۹		۰
النصوریہ	۱۲۹۴	۱۴۳	۸۰	۱	۶۱		۰

ان سرکاری مدرسوں کے سوا ۲۰ پرائیویٹ اسکول ہیں، جن کا طریقہ تعلیم اور کورس بالکل سرکاری مدرسوں کے مطابق ہے اور امتحانات وغیرہ بھی سررشتہ تعلیم کی نگرانی

میں ہوتے ہیں، ۱۸۸۹ء میں ان اسکولوں کا خرچ سالانہ ۸۲۳۳ پونڈ تھا جو کم و بیش ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ کے برابر ہے، طالب علموں کی تعداد ۱۸۸۵ء میں ۲۳۶۳ تھی، مدارس اور طالب علموں کی تعداد ہر سال ترقی کرتی جاتی ہے، چنانچہ ۱۸۹۱ء میں برائیویٹ اسکولوں کی تعداد ۲۰ سے ۱۲۰ ہو گئی جس میں دس ہزار تیرہ سو طالب علم تعلیم پاتے ہیں، اسی طرح اس سنہ میں سرکاری مدارس کے طالب علموں کی تعداد ۳۰، اور فیس کی آمدنی ڈھائی لاکھ سے زیادہ ہو گئی، مہر کی اصطلاح میں تعلیم کے تین درجے قرار دیئے گئے ہیں، ابتدائی جس میں چار صفیں ہیں، اور اس کی کل خواندگی ہمارے یہاں کے مد کلاس کے برابر ہے،

تہذیبی ابتدائی کے بعد شروع ہوتی ہے، اس میں پانچ کلاسیں ہیں، اور

۱۸۹۲ء کو تعلیم کی ترقی کا نہایت خیال ہو، چنانچہ سنہ ۱۸۹۲ء کے اس اجلاس میں جس میں سلطنت کا بجٹ پیش ہوا تھا، خدیو موصوف نے خاص تعلیمات کے صیغہ کے متعلق جو گفتگو کی اس کے بعض فقرے یہ تھے، ”سر شہ تعلیم کی وسعت اور ترقی کی نہایت ضرورت ہے، چنانچہ میں اس سال رقم سبائی پر بارہ ہزار پونڈ قریباً دو لاکھ روپیے کا اضافہ منظور کیا، تعلیم کی طرف لوگوں کا میلان روز بروز بڑھتا جاتا ہے، اس سال بہ نسبت اور سالوں کے پندرہ سو لاکھ کے کاجوں اور اسکولوں میں زیادہ داخل ہوئے، علی پاشا کی وہ یادداشت جس میں انھوں نے پانسوا ابتدائی کمیٹیوں کا دیہات و قصبات میں کھولا جانا تجویز کیا تھا میں نے اسکی طرف توجہ مائل کی ہے اور میں اس تجویز کو بالکل پورا کرنا چاہتا ہوں“

”بہر حال آپ لوگ تعلیم کی طرف سے مطمئن رہئے، میں اس صیغہ کو بہت قوت دوں گا۔“

اس کی خواندگی ہمارے یہاں کے انٹرنس کے برابر ہے،

خصوصی یعنی لاکلاس اور دارالعلوم وغیرہ،

مدارس تہذیبیہ میں فرینچ یا انگریزی کی بھی تعلیم ہوتی ہے، اور ۱۸۸۰ء سے یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے، کہ ان مدرسوں میں تاریخ جغرافیہ، علوم طبیعیہ لازمی طور پر فرینچ یا انگریزی زبان میں پڑھائی جائیں، ان زبانوں کی ترقی کے لئے سررشتہ تعلیم نے یہ حکم جاری کیا کہ ان کی تعلیم صرف یورپین پروفیسروں کے ذریعہ سے دلائی جائے اس سے پہلے چونکہ فرینچ کا اثر زیادہ تھا، اس لئے فرینچ پڑھنے والے طلبہ کی تعداد زیادہ تھی چنانچہ ۱۸۸۹ء میں انکی تعداد ۲۵۰۰ تھی، اور انگریزی خواں صرف ۸۰۰ تھے، لیکن اب انگریزی خواں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے، اور فرینچ پڑھنے والوں کی تعداد قریباً وہی ہے جو ۱۸۸۹ء میں تھی،

اب ہم بڑے بڑے کالجوں اور بعض اسکولوں کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں،

دارالعلوم

مصر اور نہ صرف مصر بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں جو کالج مجھو سب سے زیادہ پسند آتا اور جس کو میں نے مسلمانوں کے درد کے لئے کافی سمجھا وہ ہی کالج ہے، میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے اور میں نہایت مضبوطی سے اس پر قائم ہوں کہ مسلمان مغربی علوم میں گو ترقی کے کسی رتبہ تک پہنچ جائیں، لیکن جب تک ان میں مشرقی تعلیم کا اثر نہ ہو انکی ترقی مسلمانوں کی ترقی نہیں کی جاسکتی، بے شبہہ مشرقی تعلیم کی جو موجودہ اسکیم ہے،

وہ نہایت اہم اور غیر ضروری ہے، لیکن اسی تعلیم میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو مسلمانوں کی قومیت کی روح ہیں، اور جس تعلیم میں اس روحانیت کا مطلق اثر نہ ہو، وہ مسلمانوں کے مذہب و قومیت، تاریخ، کسی چیز کو بھی زندہ نہیں رکھ سکتی،

جس مصیبت کا ہندوستان میں رونا ہے، وہی قسطنطنیہ، بیروت اور مصر میں بھی موجود ہے، یعنی نئی تعلیم میں قومیت اور مذہبی پابندی کا اثر کم ہے اور پرانی تعلیم اس قابل نہیں کہ دنیا کی موجودہ ضرورتوں کا ساتھ دے سکے، صرف یہ دارالعلوم ہے، جو دونوں ڈانڈوں کو ملانا چاہتا ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ ابھی پورا کامیاب نہیں ہوا، اس کالج کا اول جس کو خیال آیا وہ علی پاشا مبارک مصر کا ایک مشہور و شہرت مند شخص تھا، اس نے خود مشرقی اور مغربی تعلیم دونوں حاصل کی ہیں اور یورپ کی متعدد زبانیں جانتا ہے، وہ کئی دفعہ مصر کے سررشتہ تعلیم کا افسر رہ چکا ہے، اسکی تاریخی تصنیفات تمام ممالک اسلامیہ میں پھیلی ہوئی ہیں، اور درحقیقت نہایت مفید ہیں، اس نے جامع ازہر کی طرز تعلیم کی بھی اصلاح کرنی چاہی تھی، لیکن ازہر کے شیوخ رضی نہ ہوئے غالباً اس کے بعد اس نے اس کالج کی بنیاد ڈالی،

اول اول اس کالج کا ظاہری مقصد یہ قرار دیا گیا کہ اس کے تعلیم یافتہ، مدارس سرکاری کی مدرسوں کے لئے انتخاب کئے جائیں، لیکن ۱۸۸۵ء میں گورنمنٹ کی اجازت کے مطابق سررشتہ تعلیم نے یہ قاعدہ منظور کیا کہ اس کے سند یافتہ حج اور قاضی و مفتی مقرر ہو سکیں، اس کے ساتھ کورس میں اور متعدد علوم اضافہ کئے گئے اور ایک کمیٹی نے جس کا پریسیڈنٹ جامع ازہر کا شیخ الشیوخ تھا، اس کے کورس کے لئے کتابیں منتخب کیں،

اس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرط یہ ہے کہ طالب علم مشرقی علوم میں سے
 نحو، صرف، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث میں مناسب استعداد رکھتا ہو،
 تعلیم کی کل مدت چار برس ہے اور جو علوم پڑھائے جاتے ہیں اور جس طرح ہر
 ہفتہ میں ان کے درس مقرر کیے گئے ہیں ان کی تفصیل نقشہ ذیل سے معلوم ہوگی،

چوتھا سال	تیسرا سال	دوسرا سال	پہلا سال	علوم جو پڑھائے جاتے ہیں
ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق	فقہ
۲	۲	۰	۰	تفسیر
۰	۰	۲	۲	تاریخ طبعی
۰	۰	۲	۲	علوم بلاغت
۲	۲	۰	۰	اصول فقہ
۰	۰	۰	۱	حکمت عملیہ
۲	۲	۲	۲	جبر و مقابلہ و حساب
۲	۲	۲	۲	جغرافیہ
۱	۱	۱	۱	تاریخ عمومی
۲	۲	۲	۲	فن انشائے عربی
۲	۲	۲	۲	مختلف خطوط
۰	۰	۱	۱	تصویر کشی
۳	۳	۰	۰	ادبیات لغت عربیہ
۱	۱	۰	۰	قسموغرافی

۲	۲	۰	۰	طبیعات
۰	۱	۲	۰	حدیث کلام منطق
۰	۰	۲	۳	نحو صرف رسم خط عروض توفی

چونکہ اس کالج میں وہی طلبہ داخل ہو سکتے ہیں جو علوم عربیہ اور فقہ و حدیث سے واقف ہوں اور اس قسم کے طلبہ وہی ہو سکتے ہیں جنہوں نے قدیم طریقہ پر تعلیم پائی ہے، اسلئے کالج میں طالب علموں کی تعداد بہت کم ہو اگرچہ سرشتہ تعلیم نے اسی لحاظ سے اس کالج میں کچھ فیس نہیں مقرر کی بلکہ بجائے اسکے ہر طالب علم کو پندرہ روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہے، ایک وقت کا کھانا بھی کالج ہی سے ملتا ہے، طالب علموں کے لئے جو لباس مقرر کیا گیا ہے وہ بھی وہی قدیم مولویانہ لباس ہے، جو لوگ یہاں سے تعلیم پا کر نکلتے ہیں اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز بھی ہوتے ہیں، یہ سب کچھ ہی لیکن جن لوگوں کو پرانی تعلیم نے ایک دفعہ بھی چھو لیا تمام عمر کے لئے انکو علوم جدیدہ سے وحشت ہو جاتی ہے، حالانکہ یہ علوم عربی ہی زبان میں تعلیم دیئے جاتے ہیں جسے جب کالج کو دیکھا تو اس میں ۴۴ طالب علم تھے جنہیں سے اکثر جامع ازہر کے تعلیم یافتہ تھے، درس کا طریقہ بھی یہاں خاص ہے، استاد یا شاگرد کسی کے ہاتھ میں کتاب نہیں ہوتی، استاد زبانی پکھڑ دیتا ہے، اور اس وقت اور فصاحت سے تقریر کرتا ہے کہ خود دل پر نقش ہو جاتی ہے، اسی لحاظ سے مصر کے نہایت نامور علما اس کی پروفیسری کے لئے انتخاب کئے گئے ہیں، مثلاً شیخ حمزہ فتح اللہ پروفیسر اور شیخ حسن الطویل معلم الحدیث، ڈاکٹر عثمان بک پروفیسر تاریخ، شیخ طہنسی یہ سب مصر کے مشہور علما ہیں، اور ان کی تصنیفیں نہایت قدر کے قابل خیال کی جاتی ہیں، مصر میں

آج جو لوگ عربی کے نامور انشا پر داز ہیں، اگر اسی کالج کے تعلیم یافتہ ہیں، ادب کا جو کورس مقرر کیا گیا ہے، وہ کوئی خاص کتاب یا چند کتابوں کا انتخاب نہیں ہے بلکہ عربی لٹریچر کے وہ تمام نادر حصہ جن کو فن ادب کی جان کہنا چاہئے، اسی طرح تفسیر میں صرف ان آیتوں کا درس ہوتا ہے، جو بلحاظ بلاغت یا اخلاق یا مسائل کلام زیادہ مہتمم بالشان ہیں، چنانچہ ۱۸۹۰ء میں جو نصاب تعلیم مقرر کیا گیا اس میں ان تمام مقامات کی تفصیل کر دی گئی ہے اور وہ سرکاری مطبع میں چھپ کر شائع ہو گیا ہے،

ادب اور فقہ کے درس میں میں خود بھی شریک ہوا تھا، دونوں پروفیسروں نے جس فصاحت اور خوبی سے تقریر کی اب تک میرے دل میں نقش ہے، کاش ہمارے یہاں کے علماء بھی اس طریقہ کی تقلید کرتے، طالب علموں کی استعداد کا حال اس سے ظاہر ہو گا کہ جس وقت ہم کالج کی سیر کر رہے تھے، احمد بیک نظم نے جو کالج کے سکریٹری ہیں، ایک طالب علم کو جس کا نام احمد قوسی تھا بلایا اور اس سے کہا کہ قلم دوات لیکر بیٹھ جاؤ اور اسی وقت ان کی شان میں (میری طرف اشارہ کر کے) کچھ اشعار لکھو، وہ سامنے ایک بیچ پر بیٹھ گیا اور یہ اشعار لکھ کر سناے،

محمد انت شبلی المعالی لقد فقت الودی وعلوت قدرا

وقد الیتنا شرفا وفضلا بتشریف زیارتہ ارض مصر

فلذ لنا نراک بکل انس تزید تفضلا و تزید شکرا

اگرچہ شبلی المعالی کی ترکیب بے جوڑ ہے اور دوسرے شعر میں اقوار ہی، تاہم خوبی

زبان و برہنہ ادا کے لحاظ سے میں نے بہت داد دی،

مدتہ الحقوق

اس کالج میں قانون کی تعلیم ہوتی ہے، اور یہاں کے سند یافتہ سول عہدوں پر مامور ہوتے ہیں، اس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرطیں یہ ہیں کہ طالب علم کی عمر ۱۶ برس سے زیادہ ہو، تہمیزی تعلیم (انٹرنس کلاس) کی سند رکھتا ہو، چال چلن اچھا ہو، بچپن میں چیچک کا ٹیکہ لگوا چکا ہو، تندرستی اچھی ہو، داخلہ کے وقت ایک خاص امتحان تحریری و تقریری لیا جاتا ہے، تحریری میں فریج اور عربی کی زبانذانی کے متعلق سوالات ہوتے ہیں، اور تقریر میں ان کے علاوہ تاریخ و جغرافیہ بھی داخل ہے، اس امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد اس کو اپنے باپ یا کسی مربی کا ایک خط پیش کرنا ہوتا ہے، جس کے یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ "کالج کے خارج اوقات میں میں اس لڑکے کے چال و چلن کا ذمہ دار ہوں" ان تمام باتوں کے بعد ۱۵ پونڈ یعنی کم و بیش دو سو روپے بطور فیس کے داخل کرنے ہوتے ہیں، اور اس وقت طالب علم کالج میں داخل کر لیا جاتا ہے، تعلیم کی مدت چار برس ہے اور امتحان جو تعلیم میں داخل ہیں، حسب ذیل ہیں،

سال اول، عربی، فریج، ترجمہ، مسک و فاترہ یعنی املا و تحریر، شریعت اسلامیہ، قانون قضا و عدالت، عام قانون اور پالیٹیکس کے اصول عام۔
 سال دوم، علاوہ مضامین بالا کے رومن لا قانون فوجداری،
 سال سوم، علاوہ مضامین بالا کے پولیٹیکل اکونومی، تعزیرات، مراعات،

مدینہ، و تجاریہ،

سال چہارم، شریعت اسلامیہ، پولیٹیکل اکونومی، مراعات، قانون تجارت،
قانون عدالت، خاص سلطنت کا قانون،

ہر سال مختلف مضامین میں امتحان لئے جاتے ہیں، اور یہ تمام امتحانات اور اخیر امتحان
فرینچ زبان میں ہوتا ہے، صرف شریعت اسلامی کا امتحان عربی زبان میں ہوتا ہے، طالب علموں کو حسب
کسی قدر قانونی استعداد حاصل ہو جاتی ہے تو ہائیکورٹ اور دوسری عدالتوں میں کارروائی سے
واقف ہونے کے لئے بھیجے جاتے ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ مقدمات کا خلاصہ لکھیں، خود کالج میں بھی
عدالت کی سلیس منگائی جاتی ہیں اور طالب علموں کے متعلق تحریری دعویٰ بیانات تحریری،
اولے شہادت، سوالات چرح اور فیصلہ مقدمہ کی مشق کرائی جاتی ہے، میں نے اس کالج کی چھی
سیر کی، کالج کا سکریٹری ایک فرینچ ہے، وہ تو عربی سے بالکل ناواقف ہے، لیکن اس کا نائب
ایک نوجوان مسلمان ہے جو نہایت لائق شخص ہے، اور متعدد زبانیں جانتا ہے، وہ
کالج کا پروفیسر بھی ہے اور فرینچ زبان میں نہایت برستگی سے لکچر دے سکتا ہے، مجھ کو
اپنے کلاس میں لے گیا، اور کہا آج فرینچ میں لکچر دینے کا دن تھا، لیکن میں تمہاری خاطر
عربی میں لکچر دینگا، چنانچہ تعزیرات کے اصول پر کھڑے ہو کر لکچر دیا، اور نہایت
فصاحت اور وسعت سے تقریر کی، تمام کلاسوں میں جس قدر لڑکے تھے پاکیزہ صورت
اور پاکیزہ لباس تھے، اور ان کے چہروں سے متانت اور وقار ٹپکتا تھا،

مدرسۃ الترجمة

مصر میں چونکہ فرینچ اور انگریزی کا بہت اثر ہے اور تمام بڑے بڑے ملکی عہدے انہی دونوں قوموں کے ہاتھ میں ہیں، مصریوں کو ان کے ساتھ تعلق رکھنے اور ان کی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے فرینچ اور انگریزی زبان سیکھنی پڑتی ہے، اس کالج کے قائم کرنے کی اصلی غرض اسی قدر تھی اور اسی وجہ سے ابتدا میں وہ زبان دانہ کی تعلیم پر محدود تھا اور ایک معمولی اسکول کہا جاسکتا تھا، لیکن ۱۸۸۸ء میں اسکی اسکیم بہت وسیع کر دی گئی، اور چار پروفیسر اور بڑھائے گئے، جن میں ایک فرینچ ہے، عربی، ترکی، فرینچ، انگریزی، زبانوں کے علاوہ مضامین ذیل کی تعلیم بھی ضروری قرار دی گئی، جغرافیہ، تاریخ، حساب، ہندسہ، جبر، علوم طبیعیہ، کیمیا، فقہ، توحید، یہ تمام مضامین بجز فقہ و توحید کے فرینچ میں پڑھائے جاتے ہیں، اور بعض مضامین انگریزی زبان میں بھی، اس کالج نے جس طرح مصر کو ملکی ضرورتوں کے لحاظ سے فائدہ پہنچایا ہے، اعلیٰ ترقی کیلئے بھی وہ نہایت مفید ثابت ہوا ہے، مصر کی اعلیٰ زبان اب تک عربی ہے، اور غالباً ہمیشہ رہے گی، کالجوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، عموماً فرینچ زبان ترجمہ کی گئی ہیں، ایک خاص محکمہ اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ فرانس میں ڈاکٹری وغیرہ کی جو نئی عمدہ تصنیف شائع ہو فوراً ترجمہ کر لی جائے اور کالجوں کے کورس میں داخل کی جائے، چنانچہ اس وقت تک سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہو گئیں اور ہوتی جاتی ہیں، ان تمام ضرورتوں کو اسی کالج نے پورا کیا ہے،

مدرسۃ الطب

یہ بہت بڑا کالج ہے اور اس کا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زیادہ ہے کالج کی عمارت نہایت وسیع ہے اور مختلف مضامین کی تعلیم کے لئے کثرت سے جداگانہ بڑے کمرے مخصوص ہیں تشریح کیلئے جو کمرہ ہودہ نہایت وسیع ہے اور اس میں ہر وقت بہت سی لاشیں موجود رہتی ہیں جن پر تشریح کے تجربے عمل میں آتے ہیں ہشتادہ میں میگز و جمرانی کی تعلیم کے لئے انکے متعلق جداگانہ کارخانہ کھولا گیا، علم ایوانات کی تعلیم ایک وسیع مکان میں ہوتی ہے، جس میں مختلف قسم کے جانور نہایت کثرت سے موجود ہیں، کالج کے احاطہ میں ایک باغ ہے جو علم نباتات کی غرض سے تیار کیا گیا ہے اور اس میں سینکڑوں مختلف اقسام کے نباتات ہیں، جنکی پر وخت میں بہت اہتمام و نگرانی کی جاتی ہے، علم الیکیمیا بھی اس کی تعلیم کا ضروری جز ہے ہشتادہ تک اسکی تعلیم صرف نظری طریقہ پر ہوتی تھی، ہشتادہ میں عملی تجربوں کے لئے کالج کی عمارت میں متعدد بڑے بڑے کمرے اضافہ کئے گئے اور ہشتادہ میں گیس وغیرہ اور جو چیزیں عملی تجربہ کے لئے ضروری ہیں، اس میں سپائی گیس، ہر سال اس کالج سے ایک گروہ کثیر تعلیم پا کر نکلتا ہے جن میں سے بعض تکمیل تعلیم کے لئے یورپ بھیجے جاتے ہیں، تمام کتابیں جو اس کالج کے نصاب تعلیم میں داخل ہیں انگریزی زبان میں ہیں، اور فرسخ وغیرہ سے ترجمہ کی گئی ہیں، چونکہ یورپ میں ہمیشہ اور علوم و فنون کی طرح علم طب بھی ذرا ترقی ترقی کرتا جاتا ہے، اور ہر سال اس کے مسائل میں بہت سی نئی معلومات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس لئے ایک کمیٹی خاص اس غرض سے مقرر ہے کہ اس قسم کی جو کتاب

فرینچ وغیرہ میں شائع ہوا اسی وقت عربی زبان میں ترجمہ کر لی جائے اور اس کا سچ کے کورس میں داخل کی جائے، اس طریقہ سے علم طب کے متعلق ترجمہ شدہ کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تیار ہو گیا ہے، جس کی تعداد کتب خانہ خدیویہ کی فہرست سے معلوم ہو سکتی ہے، مصر کے علما نے بہت سی کتابیں اس فن میں خود بھی تصنیف کی ہیں، اور یونانی و موجودہ طبابت میں محاکمہ بھی کیا ہے، کاش ہمارے ملک کے اطبا جو انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے یورپ کی تحقیقات سے محروم ہیں، ان جدید تصنیفات کو ہم پہنچاتے اور ان سے مستفید ہوتے لیکن ہماری قوم میں یہ ہمت کہاں! حالانکہ سچ پوچھنے تو کچھ ہمت کی بات بھی نہیں، اس کا سچ میں کل ۱۵ پروفیسر ہیں جن میں سے تین یورپین اور باقی مصری ہیں،

بقیہ کالج اور اسکول

ان کالجوں کے سوا اور متعدد کالج انجینری، صناعی، وغیرہ کے ہیں اور ترقی کی حالت میں ہیں، انجینئرنگ کالج میں جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں اور اس کے داخلہ امتحان کے متعلق جو قواعد ہیں ایک جداگانہ رسالہ میں چھاپے گئے ہیں، جس کے صفحات کی تعداد ۵۱ ہے، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کی اسکیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے، میں جب اس کالج میں گیا تو پرنسپل نے مجھ سے شکایت کی کہ موجودہ ڈائریکٹر سبلیک انسٹرکشن نے اس کالج کو نہایت نقصان پہنچایا ہے، اس کے قبل یہاں کے کورس وہی تھا جو فرانس کے انجینئرنگ کالج کا ہے، اور اسی غرض سے تمام مضامین انگریزی میں پڑھائے جاتے تھے، لیکن حال کے ڈائریکٹر نے حکم دیا ہے کہ تمام مضامین انگریزی میں پڑھائے جائیں اور ہندوستان کے رٹ کی کالج کی تقلید کی جائے، پرنسپل صاحب کہتے تھے کہ رٹ کی کی

مستعملہ کتابیں یہاں منگوائی گئیں اور میں نے ان کو دیکھا وہ یہاں کے موجودہ کورس سے نہایت کم رتبہ کی کتابیں ہیں، مگر افسوس ہے کہ ہم کو اسکی تعلیم پر مجبور کیا جاتا ہے،

مدرسہ الصنائع جس میں صنعت اور حرفت کی تعلیم ہوتی ہے اور جس کا سالانہ خرچ

ایک لاکھ سے زیادہ ہے، نہایت ترقی کی حالت میں ہے، بخاری، حدادی وغیرہ صنعتیں جو سکھائی

جاتی ہیں، علمی طریقہ سے سکھائی جاتی ہیں، اور اس بنا پر کوئی طالب علم جب تک تعلیم ابتدائی

(جو بڈل کے برابر ہے) حاصل نہ کر چکا ہو اس میں داخل نہیں ہو سکتا، عربی و فرنیچ و انگریزی

زبانوں کے علاوہ، علوم ریاضیہ، مشین، کیمیا، طبیعیات کے ابتدائی حصے بھی پڑھائے جاتے

ہیں، ہر روز تین گھنٹے ان نظری علوم کی تعلیم ہوتی ہے، اور سات گھنٹے مختلف صنعتوں

کی علمی مشق کرائی جاتی ہے، سر شہتہ تعلیم نے رپورٹ کی ہے کہ اس مدرسہ کو نہایت ترقی

ہے، اور جو چیزیں وہاں تیار کی جاتی ہیں، تعجب انگیز ہیں،

عام اسکول بھی کثرت سے ہیں، مدارس تجہیز یہ دو ہیں، توفیقیہ، تجہیز یہ توفیقیہ کا

سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زائد ہے، اور قریباً چار سو طلبہ اس میں تعلیم پاتے ہیں، اس میں

ابتدائی صفیں بھی شامل ہیں، اس مدرسہ کا مکان نہایت خوبصورت اور خوش فضا ہے،

خدو مصر نے شاہی عمارتوں میں سے ایک وسیع مکان جس کا نام قصر النہتمتہ ہے مدرسہ

کو عنایت کیا اور چونکہ اسکی وضع تعلیمی اعراض کے مناسب نہ تھی چاس ہزار روپیہ اس

عرض کے لئے اور عنایت کئے کہ حسب ضرورت اس میں ترمیم و اصلاح کی جائے، چنانچہ

سکرٹری مدرسہ کی ہدایت کے مطابق اسکی عمارت میں ترمیم اور اضافہ کیا گیا، چونکہ مدرسہ

میں تعلیم کے تین درجے تھے، قسم خاص، ابتدائی، تجہیزی، ان تینوں کے لئے جداگانہ عمارتیں

تعمیر ہوئیں اور ۳۵۰ طالب علموں کیلئے نئے بورڈنگ کے کمرے بنائے گئے، مدرسہ کے متعلق

دو بڑے بڑے کمرے تصویر کشی اور کمپیوٹر کی مشق کے لئے ہیں، اور نہایت خوش نمایاں،

تعمیرات اس کا سالانہ خرچ کم و بیش دو لاکھ ہے، اور چار سو لڑکے اس میں تعلیم پاتے ہیں، بورڈروں سے ۲۵ پونڈ یعنی ساڑھے چار سو روپے سالانہ فیس لیجائی ہے، بورڈنگ اگرچہ وسیع نہیں اور نہ طالب علم کے لئے الگ الگ کمرے ہیں، لیکن تمام لڑکے نہایت سلیقہ اور صفائی کے ساتھ رہتے ہیں، میں جس وقت اس مدرسہ میں گیا کھانے کا وقت تھا، سکریٹری مدرسہ نے جس کا نام احمد بک نظم ہے، مجھ سے کہا کہ پہلے کھانے کے کمرہ کی سیر کیجئے، کمرہ نہایت وسیع اور خوش نما تھا، اور دو تین میزیں اور کثرت سے کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، کھانے کا طریقہ اگرچہ قسطنطنیہ اور شام کے موافق تھا، یعنی چار شخصوں کے آگے ایک ایک پلیٹ تھی، چھری کانٹے بالکل نہ تھے، تاہم مجھ کو تعجب بلکہ حیرت ہوئی کہ لڑکے اس خوبی اور صفائی سے کھاتے تھے کہ ان کے ہاتھ مطلق نہیں بھرتے تھے، نہ میز کی چادر پر کہیں دھبہ تھا، آپس میں بات چیت کرتے تھے، لیکن شور و غل کا کیا ذکر ہے، گونج تک نہ تھی، دریافت سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کے افسروں میں سے دو ایک ہمیشہ طالب علموں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں، اور ہر ہفتہ میں کھانا کھانے کی تہذیب و شائستگی پر لکچر دیا جاتا ہے،

یورپ میں تعلیم پانے والے

مصر میں مدت سے یہ طریقہ جاری ہے کہ ہر سال سلطنت کی طرف سے چند طالب علم تکمیلِ تعلیم کے لئے یورپ بھیجے جاتے ہیں، یہ تعداد اس مناسبت سے

ہوتی تھی کہ ہمیشہ تیس طالب علم یورپ میں موجود رہتے ہیں سفر اور وہاں کے قیام کا تمام صرف گورنمنٹ مصر کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اگرچہ گورنمنٹ نے نہایت فیاضی سے یہ مصارف برداشت کئے، لیکن بد قسمتی سے گورنمنٹ اور ملک کو ایک مدت تک فائدہ نہ پہنچا، جو لوگ تعلیم پا کر آئے ان میں رہا رہے ہندوستان کی طرح، بہت کم ایسے نکلے جو کسی فن میں کامل ہوں، یا ان کی ذات سے ملک کو کسی قسم کا فائدہ پہنچ سکے، آخر سرشتہ تعلیم کے افسر نے اس پر توجہ کی اور غور و تحقیق کے بعد اس نقصان کے اسباب دریافت کئے، جن میں سے ایک بڑا سبب یہ تھا کہ لڑکوں کے انتخاب میں غلطی ہوتی تھی، یورپ کی اکثر بڑی عمر کے لڑکے بھیجے جاتے تھے، اور چونکہ ابتدائی تعلیم و تربیت عمدہ نہیں ہوتی تھی، یورپ کی تعلیم و تربیت کا اثر ان پر بہت کم پڑتا تھا، اس وقت سے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ آئندہ سے جو لڑکے بھیجے جائیں ان کی عمر بارہ برس سے زیادہ نہ ہو، اس میں ایک مشکل تھی کہ مذہب اور عربی زبان کی تعلیم کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ اسکے لئے یہ عمدہ قرار دیا گیا کہ چند علما طالب علموں کے ساتھ جائیں جو عربی زبان اور مذہب کی تعلیم دیتے رہیں، یہ طریقہ نہایت مفید ثابت ہوا اور چونکہ ملک نے ان طالب علموں کی عمدہ مثالیں دیکھیں تو اپنی اولاد کو اپنے صرف سے بھیجنے لگے، یہاں تک کہ ۱۸۸۸ء میں جس قدر لڑکے یورپ میں تعلیم پاتے تھے ان میں ۲۵ گورنمنٹ کی طرف سے اور ۵۲ خود اپنے صرف سے تعلیم پاتے تھے ۱۸۸۹ء میں جس قدر طالب علم موجود تھے اور جن علوم میں انکی تعلیم ہوتی تھی، ان کی تفصیل یہ ہے،

حکومت کے صرف سے	اپنے خاص صرف سے	جن صیغوں میں تعلیم پاتے تھے
۵	۱۷	بیرسٹری

ڈاکٹری	۱۲	۳
امور مالیہ	۰	۱
معلیٰ یا پروفیسری	۰	۳
زراعت	۲	۰
پیرسٹری کے لئے تیاری	۰	۱
ٹیکنیکل کالج کے لئے تیاری	۱	۰

ان میں سے ۱۳ طالب علم نے جو سلطنت کی طرف سے وظیفہ پاتے تھے نہایت اعلیٰ درجہ کی ڈگریاں حاصل کیں، ایک ان میں رشدی پھوڑا وہ تھا، جس کو پیرسٹری میں ڈاکٹری کی سند ملی ایک لڑکا جس کا نام اسمعیل آفندی تھا، اور فرانس کے کالج میں پروفیسری کی تعلیم پاتا تھا، طبیعیات کے امتحان میں تمام کالج میں اس کا دسواں نمبر رہا، حالانکہ کل امیدوار جو امتحان میں شریک تھے ۳۵۱ تھے، اور سب فرانس کے رہنے والے تھے، ایک اور لڑکا جس کا نام عبداللہ تھا اس نے پولیسٹیکل اکاڈمی میں سب سے اول درجہ کا انعام حاصل کیا، ان طالب علموں کے سوا چند اور طالب علم انگلستان، اٹلی، جرمنی میں تعلیم پاتے ہیں، ان میں سے بعض کلوں کے بنانے کا کام سیکھتے ہیں اور ان سب کا صرف گورنمنٹ مصر ادا کرتی ہے،

یورپ میں تعلیم پانے کے متعلق ۱۸۸۸ء کی رپورٹ میں ڈائرکٹر تعلیم نے ایک نہایت مفید اور مدلل تقریر لکھی ہے، اس میں اہل ملک سے خطاب کیا ہے کہ اگر وہ لوگ چند خاص باتوں کا لحاظ نہ رکھیں گے تو یورپ کی تعلیم سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، جیسا کہ مدت دراز کے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے، وہ لکھتا ہے کہ یا تو نہایت

کم عمر کے ہوں تو ضرور ہے کہ یورپ جانے سے پہلے ایف اے کی سند حاصل کر چکے ہوں
ہمارے ہندوستان میں بھی یہ عام شکایت ہے کہ یورپ کی تعلیم میں جو مصارف کی پشت
کئے جاتے ہیں، ان کا کافی صلہ نہیں ملتا، یہ شکایت بالکل سچ ہے اور غالباً اس کی وہی وجہ
جو مصر کے ڈائرکٹر تعلیم نے بیان کی،

قدیم تعلیم

جامع ازہر

یہاں کی قدیم تعلیم، دوسرے لفظوں میں جامع ازہر کی تعلیم ہے، اس لئے قدیم
تعلیم کی کیفیت بیان کرنے کے لئے جامع ازہر کے حالات بیان کرنے کافی ہیں، یہ
وہی جامع ہے، جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ کل دنیا میں اس سے قدیم کوئی یونیورسٹی
نہیں ہے، یہ ایک جامع مسجد ہے اور قاہرہ میں سب سے پہلی مسجد جو تعمیر ہوئی وہی
ہے، فاطمین مصر میں سے خلیفہ المعز لدین اللہ کے ایک غلام نے جو سسلی کا رہنے والا
تھا، اور اپنی قابلیت خدا داد سے دولتِ فاطمیہ کا دست و بازو بن گیا تھا، ۳۵۹ھ میں
اس مسجد کی بنیاد ڈالی اور ۳۶۱ھ میں انجام کو پہنچی، ۳۶۸ھ میں خلیفہ عزیز باللہ نے مسجد
سے متصل طالب علموں کے لئے کچھ مکانات بنوائے، اور ۳۵ طالب علموں کے لئے
وظیفہ مقرر کیا، حاکم بامر باللہ نے ۴۰۰ھ میں مسجد کی عمارت میں تجدید کی، اور اس کے
مصارف کے لئے ۱۶ دینار منافع سالانہ کی جائداد وقف کی، ۶۱۱ھ میں امیر طواشی
نے یتیموں کے لئے ایک خاص مکتب قائم کیا اور اس کے ساتھ عام طلبہ مسجد کیلئے

بہت سی جاؤں میں وقف کیں، رفتہ رفتہ بہت بڑا دارالعلوم بن گیا، یہاں تک کہ ۱۸۶۷ء میں اس کے طالب علموں کی تعداد ۷۰۰ سے متجاوز تھی، جس میں ہر ملک اور ہر قوم کے شیوخ تھے، اور آج تو یہ حالت ہے کہ کثرت طلبہ کے لحاظ سے تمام دنیا کی کوئی یونیورسٹی اسکی ہمسری نہیں کر سکتی، کم و بیش چار ہزار طالب علم خود مسجد میں سکونت رکھتے ہیں، بہت سے پاس پاس کی مسجدوں میں رہتے ہیں، لیکن کھانا ہمیں سے ملتا ہی، غرض ہر قسم کے طلبہ کی تعداد جن کو جامع ازہر سے تعلق ہے، بارہ ہزار سے متجاوز ہے، ہر ملک کے طالب علموں کے لئے الگ الگ بالا خانے ہیں، جن کو یہاں رواق کہتے ہیں، بہت سے طالب علم بلکہ کثرت سے ایسے ہیں، جن کے لئے مکان یا حجرہ کچھ بھی نہیں، مسجد کے صحن میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں چھوٹی چھوٹی الماریاں اوپر تلے چنی ہیں، یہی ان کے توشہ خانے ہیں جنہیں وہ اپنے کپڑے اور ضروری اسباب رکھتے ہیں، سونے بیٹھنے کے لئے مسجد کا تمام صحن پڑا ہوا ہے، اول اول جب میں اس مسجد کی زیارت کے لئے گیا تو دور سے گونج کی آواز آئی، اندر داخل ہوا تو ہر طرف طالب علم ہی طالب علم نظر آتے تھے، جا بجا مدرسین درس دے رہے تھے اور ایک ایک کے گروتیس تیس چالیس چالیس کا مجمع تھا، یہ حلقے تیس چالیس سے کم نہ تھے، اور چونکہ پاس پاس تھے، اسلئے اسقدر شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی، مجھ کو خیال ہوا کہ آج کوئی خاص دن ہی اور اس وجہ سے کثرت سے طلبہ جمع ہو گئے ہیں، لیکن دو چار روز بکر یہ معلوم ہوا کہ یہ معمولی حالت ہی، مجھ کو خیال ہوا کہ اس ہنگامہ میں جمعیت خاطر ایک طرف مدرسین کی آواز بھی طالب علم کے کان تک پہنچتی ہے یا نہیں،

جن جن ملکوں مثلاً شام، مغرب، جزیرہ، عراق، بخارا، خراسان، افغانستان

ہندوستان وغیرہ کے طالب علموں کے لئے رواق بنے ہیں، وہاں کے لوگ ہمیشہ سوداگروں کے ذریعہ سے سالانہ رقم بھیجتے ہیں، جو ان طلبہ کو جیب خرچ کے طور پر دی جاتی ہے، معمولی کھانا خود از ہر سے ملتا ہے، لیکن چونکہ صرف روٹیاں ملتی ہیں، اسلئے سالن کا اہتمام ان کو خود کرنا پڑتا ہے، بہت سے طلبہ جن کو چار پانچ روٹیاں ملتی ہیں، ان کو دو تین روٹیاں دیکر اس کے بدلہ سالن لے لیتے ہیں، اور اس طرح ان کے جیب خرچ پر چنداں بار نہیں پڑتا، روٹیوں کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ وقت معین پر طلبہ کا ایک گروہ بازار میں (جو مسجد کے سامنے ہے) دورویہ صفت باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے، اور روٹیاں تقسیم ہونی شروع ہوتی ہیں، ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آتا ہے، اور یہ سلسلہ کئی گھنٹہ تک قائم رہتا ہے، طالب علموں کے ہاتھ میں کوئی تویہ یا رومال نہیں ہوتا، جس طرح بھیک منگے جو کچھ ملتا ہے ہاتھ پھیلا کر لے لیتے ہیں، ان طالب علموں کا بھی یہی حال ہے،

مدرسین کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے، مدرس اول جو شیخ ازہر کہلاتا ہے اور جس کی تنخواہ چھ سات سو ماہوار سے کم نہیں ہوتی نہایت معزز سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ خود حکومت اس کا پاس کرتی ہے، اس مدرسہ کا مجموعی خرچ دو تین لاکھ روپے سالانہ سے کم نہیں، ۱۸۹۴ء میں علاوہ اس رقم کے سر نشہ تعلیم سے دو لاکھ سالانہ کی رقم اور منظور ہوئی،

مجھ کو اپنے تمام سفر میں جس قدر جامع ازہر کے حالات سے مسلمانوں کی بدبختی کا یقین ہوا کسی چیز سے نہیں ہوا، ایک ایسا دارالعلوم جس میں دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان جمع ہوں، جس کا سالانہ خرچ دو تین لاکھ سے کم نہ ہو، جس کے طالب علموں کی

تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو، اسکی تعلیم و تربیت سے کیا کچھ امید نہیں ہو سکتی تھی، لیکن افسوس ہے کہ وہ بجائے فائدہ پہنچانے کے لاکھوں مسلمانوں کو برباد کر چکا ہے، اور کرتا جاتا ہے، تربیت و معاشرت کا جو طریقہ ہے، اور جس کا میں ذکر کر چکا ہوں اس سے حوصلہ مندی، بلند نظری، جوش ہمت، غرض تمام شریفانہ اوصاف کا استیصال ہو جاتا ہے، میں نے یہاں ایسے طلبہ دیکھے ہیں، جن کے عزیز اور نہایت قریب عزیز چچا، ماموں وغیرہ) خود اسی سہرے بڑے بڑے عہدوں پر ہیں اور ان کی تمام ضروریات کے متکفل بھی ہیں، تاہم چونکہ یہ طلبہ از سہرے رہتے ہیں، اسلئے ان کو عام بازار میں ہاتھ پھیلا کر روٹیاں لینے میں ذرا شرم نہیں آتی، طلبہ کی دنات اور پت حوصلگی کا یہ حال ہے کہ بازار میں پیسہ کی ترکاری خریدتے ہیں تو کچھ ٹپے کو قسم دلاتے جاتے ہیں کہ برا سو سیدنا الحسین یعنی جھکوا امام حسین کے سہری قسم واجب قیمت بتانا، کیا اس قسم کے تربیت یافتہ لوگوں سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ اسلام کی عظمت و شان بڑھائیں گے؟ ہمارے ملک میں اس قسم کے جو مدرسے ہیں، انہرے ان سے بھی کیا گذرا ہے،

اس سے زیادہ تر افسوس تعلیم کی ابری کاہی، یہاں مستقل اور اصلی طور پر صرف فقہ و نحو کی تعلیم ہوتی ہے اور دونوں کے لئے آٹھ آٹھ برس مقرر ہیں، منطق، فلسفہ، ریاضی اور دیگر علوم عقلیہ تو گویا درس میں داخل ہی نہیں، اصول فقہ، تفسیر احد، ادب معانی، بیان کی تعلیم ہے، لیکن اس قدر کم ہے کہ اتنے بڑے دارالعلم کے کسی طرح شایان شان نہیں، نحو اور فقہ جس پر ایک عمر صرف کی جاتی ہے، ان کی تعلیم بھی محققانہ اور مجتہدانہ نہیں ہوتی، کافیہ وغیرہ کی شرحیں، شرحوں کے حواشی اور حواشی کے حواشی پڑھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں، شیخ طبان حال میں ایک بزرگ گذرے ہیں،

ان کی ایک شرح ہے، اس شرح کو اس قدر مہتمم بالشان سمجھا گیا ہے کہ اس کی شرحیں اور شرحوں کے حاشیے درس میں داخل ہیں، اور اس تمام سلسلہ کا ضبط و حفظ کرنا بڑا کام خیال کیا جاتا ہے، چونکہ میں نے خود ازہر میں قیام کیا تھا، اکثر طلبہ سے صحبت رہتی تھی، میں ان کو نہایت معمولی ناقابل التعمات جزئی بحثوں میں مصروف دیکھتا تھا، اور فسوس کرتا تھا، اسی لفظ طریقہ تعلیم کا اثر ہے کہ ایک مدت سے ازہر نے کوئی قابل قدر عالم اور مصنف نہیں پیدا کیا، میں نے طلبہ سے دریافت کیا کہ شیخ ازہر جو استاد لکھل خیال کئے جاتے ہیں، ان کی کوئی تصنیف بھی ہے، انھوں نے بڑے فخر سے کہا کہ ہاں صبان پر بڑے معرکہ کے حاشیہ لکھے ہیں،

زیادہ افسوس یہ ہے کہ تعلیم کسی اصول پر نہیں ہے، نہ صنف بندی ہے، نہ کوئی خاص نصاب ہے، نہ امتحان ہوتا ہے، نہ ترقی پانے کے لئے کوئی قاعدہ مقرر ہے، افسوس پر افسوس یہ ہے کہ ان ابرویوں کی اصلاح کی کوئی تدبیر نہیں، علی پاشا مبارک نے جو ایک زمانہ میں سرشتہ تعلیم کا افسر تھا کچھ اصلاح کرنی چاہی تھی اس پر ازہر کے تمام غلام اس کے دشمن بن گئے، اور چونکہ شیخ ازہر کا اثر طلبہ پر منحصر نہیں بلکہ تمام اس کو مذہبی پیشوا تسلیم کرتا ہے، اس لئے پاشاے موصوف کو اغماض کرنا پڑا، ازہر حقیقت میں ایک ملکی طاقت ہے، اور خود سلطنت اسکی مخالفت پر باسانی جرات نہیں کر سکتی،



کتب خانہ خدیوہ

یہ نہایت عالی شان کتب خانہ ہے، اور ترتیب و خوش اسلوبی، زیب و زینت، حسن انتظام، خوبی عمارت میں قسطنطنیہ کے تمام کتب خانوں سے بہتر ہے، عمارت نہایت شاندار و وسیع ہے، اور مختلف حصوں میں منقسم ہے، ایک حصہ سیر و مطالعہ کے لئے مخصوص ہے، اس میں تین بڑے بڑے کمرے ہیں، ایک کمرہ میں بہت لمبی میز ہے جس پر رجسٹر اور فہرست کی جلدیں چنی ہیں، ایک کمرہ مطالعہ اور ایک نقل و کتابت کے لئے خاص ہے جو شخص کوئی کتاب لینے چاہے افسر کتب خانہ اسکو ایک چھپا ہوا کارڈ دیتا ہے، کارڈ میں مفصلہ نقل عنوان ہوتے ہیں، کتاب لینے والے کا نام مع تصریح سکونت پیشہ، ضامن کا نام دیا جیسی کو بغیر ضمانت کے کتاب نہیں مل سکتی، کتاب کا نام اور فن اور یہ تصریح کہ کتاب مطالعہ کے لئے لیتا ہے یا نقل کے لئے، تعداد ایام، یہ کارڈ خانہ پر می کر کے ملازم کتب خانہ کو حوالہ کر دیا جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد کتاب مطالعہ یا نقل کرنے کے کمرہ میں آجاتی ہے یہ طریقہ اگرچہ حسن انتظام کی دلیل ہے، لیکن دقت سے خالی نہیں،

کتابیں جہاں رکھی ہیں، وہ بالکل جداگانہ قطعہ ہے، جس میں متعدد کمرے ہیں، ایک کمرہ جو نہایت وسیع ہے اس میں نہایت پر تکلف ترکی قالین بچھا ہے، چاروں طرف دیوار سے ملی ہوئی آئینہ دار الماریاں ہیں، بیچ میں آئینہ دار میزیں ہیں جن کے انار قلمی اور نادر کتابیں کھلی ہوئی رکھی ہیں، ان میں ایک قرآن ہے جو ہرن کے چمڑے پر لکھا ہے اور جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اسکے ہوا

قرآن مجید کے اور نامور نسخے ہیں جو سلاطینِ مصر نے آٹھویں اور نویں صدی میں
وقف کئے تھے،

یہ کتب خانہ ۱۲۸۶ھ میں قائم ہوا، اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ قاہرہ و اسکندریہ وغیرہ
میں اس سے پہلے بہت سے چھوٹے چھوٹے وقفی کتب خانے تھے اور چونکہ ان کی حفاظت
کا کافی انتظام نہ تھا، کتابیں ابر اور ضائع ہوتی جاتی تھیں اس لحاظ سے علی پاشا ڈاکٹر کمر
سرسشتہ تعلیم کی رپورٹ پر یہ کتب خانہ قائم کیا گیا اور تمام قدیم کتب خانوں کی کتابیں
اس میں داخل کر دی گئیں، خدیو کے حکم سے علماء کی ایک مجلس قائم ہوئی جس کا یہ کام
تھا کہ عمدہ اور نامور کتابوں کا پتہ لگائے تاکہ ان کی نقلیں لکھوا کر کتب خانہ میں داخل
کی جائیں، جب کتابوں کا ایک معتد بہ ذخیرہ جمع ہو گیا تو خدیو نے فرست کی تیاری
کا حکم دیا، چنانچہ ۱۳۰۰ھ میں یہ فرست شروع ہو کر ۱۳۰۹ھ میں انجام کو پہنچی، یہ فرست
آٹھ جلدوں میں ہے اور صرف عربی کتابوں کی ہے، ترکی اور فرنیچ اور انگریزی کتابوں
کی جدا فرستیں ہیں،

نقشہ ذیل سے عربی کتابوں کے متعلق ایک جمالی اطلاع حاصل ہوگی،

تعداد کتب	نام فن	تعداد کتب	نام فن
۱۵۰۳	حدیث	۱۶۱	مصاحف مجید
۵۶۳	توحید	۸۵	علم قرأت
۷۰۵	تصوف	۶۴۶	تفسیر
۶۴۴	الفوائد والادعیۃ	۳۷۷	مواعظ
۲۰۸	آداب البحت	۲۳۵	اصول فقہ

۳ مجلدات، تفسیر حافظ عبدالرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۰ھ، غریب القرآن للبحرانی
 المتوفی ۳۳۰ھ، غریب القرآن لاحمد بن محمد الہروی المتوفی ۴۰۱ھ، غریب القرآن لابن
 اشعثہ، قانون التاویل للقاضی ابی بکر ابن المغربی الاندلسی المتوفی ۵۲۳ھ، الکفیل بمعنی
 التزیل للعماد الکنذی قاضی اسکندریہ المتوفی ۵۱۰ھ،

حدیث الاحکام الکبریٰ بعد الحق الاشعری، اختلاف الحدیث للامام الشافعی،
 آداب للامام السخاوی، جامع المسانید والاعقاب لابن ابوزری، ابوجہر لفقہی، اسحاوی
 فی بیان آثار الطحاوی، سنن کبریٰ بیہقی، شرح معانی الآثار للعینی، مسند امام صنبل، مسند
 امام راہویہ، مسند حافظ ابی عوانہ، مسند حافظ ابو عبد اللہ المرزوری، مسند حافظ ابو نعیم،
 تاریخ، احاطہ فی اخبار غرناطہ، اخبار ابی نواس عدد اور اقہما ۱۲۰ اخبار سیویہ
 النخعی اور اقہما ۳۶۔ الاماتہ والیاساتہ لابن قتیبہ اور اق صولی ناقص، تاریخ دمشق لابن
 عساکر ناقص، تاریخ بغداد وخطیب ناقص، تاریخ حکماء بحال الدین القفطی، طبقات الامم
 لصاعد الاندلسی، مسلم الوصول الی طبقات الفحول لمصنف کشف الظنون ہتم لمصیب
 فی الرد علی الخطیب، طبقات الحفاظ للذہبی، طبقات کبریٰ بسکی، طبقات الشافعیہ طبقات
 الشعراء لابن قتیبہ، طبقات الفقہاء امام ابواسحق شیرازی، طبقات ابن سعد، تاریخ نعیمی،
 طبقات حلیہ المذہب لابن الملقن، فضائل ابی بکر الصدیق لابن العساری من اصحاب
 القرن الخامس، فضائل ابی حنیفہ السنجان لابن العوام، فضائل مصر لابن یوسف الکنذی
 المتوفی ۳۵۰ھ منقولہ من نسخۃ الاصل الکتبۃ لکانور الاخشیدی، اللباب فی الانساب
 لابن الاثیر، مناقب الشافعی، مختصر المنتظم لابن ابوزری و اختصارہ ایضاً مساکک لامصا
 لابن فضل اللہ،

مناقب الامام الشافعي للرازي، مناقب امام احمد بن حنبل لابن الجوزي، سيرة الفاروق
 لابن الجوزي، المنتظم لابن الجوزي، نهاية الارب للنويري ناقص،
 ادب، الآشاه والقطار، البتيان والبتين للجاحظ، جهرة اشعار العرب ابن
 وريد جماسة البصريين، ديوان حافظ ابن حجر، ديوان ابن الرومي، ديوان ابن المعتز،
 ديوان ابي نواس، ديوان الاعشى، ذوالرمة، ديوان فطامي، ديوان قيس بن الخطيم
 ديوان بسيد، ديوان المتلس، روضة البلاغة، الزاهر للزجاجي، شرح ابن حنبل على المصنف
 شرح ديوان ابي تمام للصولي المتوفى ٣٣٥هـ، شرح ديوان جبران العود ملا امام ركي
 المتوفى ٢٤٥هـ، شرح ديوان حطيه، شرح مرزوقى على حماسه شرح الحامس لابى العلاء
 المعري، شرح ديوان حماسه لابن حنبل، شرح ديوان خريز وهي مشاعرة جاهلية، شرح
 ديوان زهير بن ابى سلمى للامام ثعلب، شرح ديوان زهير للامام الشافعي، شرح يونس
 ابن قيس والرقبات المسكري، شرح ديوان المنتقب الجدي وهو جاهلي شرح لمعلق
 لآين الحاس، شرح المفضلات لابن الاباري، ديوان سراقه بن مرداس، ديوان شيخان
 ديوان عمر بن ابي ربيعة، شرح ديوان روية، شرح ديوان البعاج، ديوان داود الرقي

قدیم یادگاریں اور قابل سیر مقامات

آثار قدیمہ کے لحاظ سے کوئی شہر اس شہر کی ہمسری نہیں کر سکتا، سچ یہ ہے کہ یہاں کی ایک ایک ٹھیکری قدامت کی تاریخ ہے، سواد شہر کے ویرانوں میں اس وقت تک سینکڑوں حرفت ریزے ملتے ہیں، جن پر کئی کئی ہزار قبل کے حروف و نقوش کندہ ہیں، مجھ کو اتنا وقت بلکہ سچ یہ ہے کہ اتنی ہمت کہاں تھی کہ تمام قدیم یادگاروں کی سیر کرتا، البتہ چند مشہور مقامات دیکھے اور انہی کے حال پر اکتفا کرتا ہوں،

اہرام، یہ وہ قدیم مینار ہیں، جن کی نسبت عام روایت ہے کہ طوفانِ نوح سے پہلے موجود تھے، اور اس قدر تو قطعی طور سے ثابت ہے کہ یونان کی علمی ترقی سے انکی عمر زیادہ ہے، کیونکہ جالینوس نے اپنی تصنیف میں اس کا ذکر کیا ہے، یہ مینار نہایت کثرت سے تھے یعنی دو دن کی مسافت میں پھیلے ہوئے تھے، صلاح الدین کے زمانہ میں اکثر ڈھا دیئے گئے، ان میں سے جو باقی رہ گئے ہیں، اور جن پر خاص طور سے اہرام کا اطلاق ہوتا ہے، صرف تین ہیں، جو سب بڑا ہی، اسکی لمبائی ۴۸ فٹ یعنی قطبِ صفا کی لاٹ سے دگنی ہے، نیچے کے چوترے کا ہر ضلع ۴۴ فٹ ہے، مینار کا مکعب کروڑوں سے لاکھ فٹ ہے، اور وزن ۶۸ لاکھ ۴۰ ہزار ٹن، اس کی تعمیر میں ایک لاکھ آدمی بیس برس تک کام کرتے رہے، جڑ میں ۳۰-۳۰ فٹ لمبے اور ۵-۵ فٹ چوڑے پتھر کی چٹانیں ہیں، اور چوٹی پر جو چھوٹی سے چھوٹی ہیں، اسکی شکل یہ ہے، ایک نہایت وسیع مربع چوترہ ہے، اس پر ہر طرف سے کسی قدر سطح چھوڑ کر

دوسرا چوترا ہے، اسی طرح چوٹی تک اوپر تلے چوترا ہے ہیں، اور ان چوتروں کے بتدریج چھوٹے ہوتے جانے سے زیتوں کی شکل پیدا ہو گئی ہے، تعجب یہ ہے کہ پتھروں کو اس طرح وصل کیا ہے کہ جوڑا دراز کا معلوم ہونا تو ایک طرف چونہ یا مصباح کا بھی اثر نہیں معلوم ہوتا، اس پر استحکام کا یہ حال ہے کہ کئی ہزار برس ہو چکے اور جوڑوں میں بال برابر فصل نہیں پیدا ہوا ہے ان میناروں کو دیکھ کر خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جبرئیل کا فن قدیم زمانہ میں موجود تھا، کیونکہ اس قدر بڑے بڑے پتھرا اتنی بلندی پر جبرئیل کے بغیر چڑھائے نہیں جاسکتے اور اگر اس ایجاد کو زمانہ حال کے ساتھ مخصوص سمجھیں تو جبرئیل سے بھی بڑھ کر کسی عجیب صنعت کا اعتراف کرنا پڑیگا،

ان میناروں میں سے ایک جو سب سے چھوٹا ہی، کسی قدر خراب ہو گیا ہے، جس کی کیفیت یہ ہے کہ ۵۹۳ ہجری میں ملک العزیز (پسر سلطان صلاح الدین) نے بعض احمقوں کی ترغیب سے اس کو ڈھانا چاہا، چنانچہ دربار کے چند معزز افسر اور بہت سے نقب زن اور سنگ تراش اور مزدور اس کام پر مامور ہوئے، آٹھ مہینہ تک برابر کام جاری رہا اور نہایت سخت کوششیں عمل میں آئیں، ہزاروں لاکھوں روپیے برباد کر دیئے گئے، لیکن بجز اس کے کہ اوپر کی استرکاری خراب ہوئی یا کہیں کہیں سے ایک آدھ پتھرا کھڑ گیا اور کچھ نتیجہ نہیں ہوا، مجبور ہو کر ملک العزیز نے یہ ارادہ چھوڑ دیا،

اہرام کے قریب ایک بہت بڑا بت ہے، جس کو یہاں کے لوگ ابو الہول کہتے ہیں، اس کا سارا دھڑ زین کے اندر ہے، گردن اور سر اور دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، چہرہ پر کسی قسم کا سرخ روغن ملا ہے، جس کی آب اس وقت تک قائم ہے، ان اعضا

لہ اس واقعہ کو عبداللطیف بغدادی نے مصر کی تاریخ میں افسوس کے ساتھ درج کیا ہے،

کی مناسبت سے اندازہ کیا جاتا ہے، کہ پورا قد ساٹھ ستر گز سے کم نہ ہوگا، باوجود اس غیر معمولی و رازی کے تمام اعضا ناک کان وغیرہ اس ترتیب اور مناسبت سے بنائے ہیں، کہ اعضا کے باہمی تناسب میں بال برابر کافرک نہیں، عبد اللطیف بغدادی سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ نے دنیا میں سب سے عجیب تر کیا چیز دیکھی، اس نے کہا کہ ابوہول کے اعضا کا تناسب، کیونکہ عالم قدرت میں جس چیز کا نمونہ موجود نہیں، اس میں ایسا تناسب قائم رکھنا آدمی کا کام نہیں،

قلعہ، یہ قلعہ سلطان صلاح الدین کے عہد کا ہی، قلعہ کی اصل عمارت میں نہیں دیکھ سکا، البتہ محمد علی پاشا کی مسجد دیکھی بڑی شان و شوکت کی ہے، چھت اور دیواروں پر طلائی نقش و نگار ہیں، تمام مسجد میں نہایت عمدہ ترکی قالین کافرک ہی، مسجد کے قریب وہ عجیب و غریب کنواں ہے، جس کو عوام نے چاہ یوسف اور زندان یوسف مشہور کر رکھا ہے، اور لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں، چونکہ سلطان صلاح الدین کا اصل نام یوسف ہے، اس لئے مجاوروں کو عوام کے بہکانے کا اچھا ذریعہ ہاتھ آ گیا ہے، لطف یہ ہے کہ اس میں ایک قبر بنا رکھی ہے، اور اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر بتاتے ہیں، مجاہد صاحب نے مجھ کو بھی دھوکہ دینا چاہا، اور جب میں نے کہا کہ حضرت یوسف یہاں کہاں؟ تو برجستہ فرمایا کہ مجھ کو سہو ہوا یہ اس قیدی کی قبر ہے جو حضرت یوسف کے ساتھ قید خانہ میں داخل ہوا تھا، اور ان سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی،

یہ کنواں درحقیقت عجیب و غریب ہے، اس کے عمق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۳۰۰ میٹرھیاں اتر کر اس کی جگت ملتی ہے، میٹرھیاں بڑے کج و پیچ سے بنائی گئی ہیں، اور راستہ اس قدر تاریک ہے کہ بغیر شمع کے کچھ نظر نہیں آ سکتا، چنانچہ

جو لوگ اس کی سیر کو جاتے ہیں، مجاور شمع لے کر ان کے ساتھ ہوتا ہے، جگت پر پہنچ کر میں نے کنسکری پھینکی تو دیر کے بعد اس کی آواز آئی، جس سے معلوم ہوا کہ پانی بہت فاصلہ پر ہے،

اینٹک خانہ، یعنی عجائب خانہ، یہ عجائب خانہ، محمد علی پاشا خدیو مصر نے ۱۸۳۵ء میں قائم کیا، شہر سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر سرکاری باغ ہے جو کئی میل لمبا چوڑا ہے، عجائب خانہ اسی میں واقع ہے، اس میں بے شمار کمرے ہیں اور نہایت خوبصورتی سے مرتب ہیں، یہاں حضرت عیسیٰؑ سے بہت پہلے کی یادگاریں موجود ہیں، تشریاتی پیالے، مرتبان اور اس قسم کے سینکڑوں برتن ہیں جو کئی کئی ہزار برس کے ہیں، سب عجیب و غریب دو لاشیں ہیں جن پر ہزاروں برس گزر چکے اور اب تک اصلی ہیئت کے ساتھ قائم ہیں ان کو عربی میں مومیائی اور انگریزی میں می می کہتے ہیں، قدیم مصریوں کا دستور تھا کہ لکڑی یا پتھر کو کشتی کی وضع پر تراش کر اس میں مردوں کی لاشیں رکھتے تھے، اور خالی جگہ کو چونہ وغیرہ سے بھر کر اوپر کی سطح پر مردہ کی تصویر بنا دیتے تھے، لاشوں میں ایک خاص قسم کا مصاحم لگایا جاتا تھا، جس کی وجہ سے بدن سڑنے لگنے سے محفوظ رہتا تھا، اس قسم کے بہت سے تابوت یہاں موجود ہیں اور انہی کو مومیائی یا می کہتے ہیں ان میں سے دو یا تین تابوت کھل گئے ہیں، یعنی اوپر کا چونہ اور مصاحم ہٹ گیا ہی، اور اس وجہ سے تمام جسم صاف نظر آتا ہے، میں نے بہت غور سے ان لاشوں کو دیکھا باوجود ہزاروں برس گزرنے کے جسم پر بوسیدگی کا ذرا بھی اثر نہیں، سر کے بال اور ناخن بدستور قائم ہیں، ان کو دیکھ کر دل پر عجیب تاثر ہوتی ہے، اور درحقیقت ان سے بڑھ کر عبرت کا مرقع اور کیا ہوگا؟

سجن یوسف۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کا قید خانہ، یہی قید خانہ ہی، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور جو حضرت یوسفؑ کے جمال مبارک کی وجہ سے رشک ارم تھا، درجمن بود زینحا و بہ حسرت می گفت یاد زنداں کہ در وانجن آریے ہست علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ صحیح روایات اور قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت یوسفؑ جس قید خانہ میں قید ہوئے تھے وہ یہی مقام ہے، مجھ کو سخت افسوس ہے کہ میں اس عبرت انگیز اور متبرک مقام کی سیر نہ کر سکا، میں نے اس کا تذکرہ صرف اس وجہ سے کر دیا ہے، کہ ہمارے ہموطنوں میں سے خدا کسی کو یہاں پہنچائے تو میری طرح اسکی زیارت سے محروم نہ رہے!

اسلامی قدیمی یادگاریں بھی یہاں کثرت سے ہیں، مسجدوں کی تو کچھ انتہا نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں ہیں، ان میں سب سے قدیم جامع عمرو بن العاص ہے جو حضرت فاروقؓ کے عہد خلافت کی یادگار ہے، شہد حسین ایک مسجد ہے، جس کی نسبت مشہور ہے، کہ حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک اس میں مدفون ہے، معلوم نہیں کہ یہ روایت کہاں تک صحیح ہے، لیکن یہاں کے عام لوگ اسی بنا پر مسجد کا نہایت احترام کرتے ہیں، حکومت کی طرف سے بھی اس کے لئے بڑا اہتمام ہے، شاندار وسیع اور خوبصورت مسجد ہے، اس پر تکلف اور ساز و سامان نے اور بھی اس کی رونق بڑھا دی ہے، تمام مسجد میں ٹرکی قالین بچھا ہوا ہے اور غالباً بہت جلد جلد بدلا جاتا ہے، کیونکہ میں نے جب دیکھا تو کھنگلی اور فرسودگی کا مطلق اثر نہ تھا،

سب سے زیادہ عجیب و غریب مسجد سلطان حسن کی مسجد ہے جو قلعہ کے قریب ہے، اس مسجد کی تعمیر میں متصل تین برس تک میں لاکھ درہم دیا پنچزار روپے روزانہ صرف

ہوئے ۱۷۵۰ء میں اسکی تعمیر شروع ہوئی اور ۱۷۶۰ء میں انجام کو پہنچی، اس کو مدرسہ سلطانی حسن بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس کے چار طرف بڑے بڑے ایوان ہیں، جن میں ائمہ اربعہ کے فقہاء فقہ و حدیث کا درس دیتے ہیں، مورخ مقریزی نے لکھا ہے کہ "تمام ممالک اسلام میں کوئی مذہبی عمارت اس کے مثل تعمیر نہیں ہوئی" اگرچہ میں اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کر سکتا، لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ دنیا کی کوئی مسجد اس قدر بلند اور مرتفع نہیں ہے، افسوس اور سخت افسوس ہے کہ ایسی عجیب و غریب یادگار بالکل ویران ہو رہی ہے، رات کو اس میں چراغ تک نہیں جلتا، اور دروازہ ہر وقت بند رہتا ہے، میں دروازہ کھلوا کر اندر گیا تو ہر طرف وحشت برستی تھی، اسلامی سلطنت میں ایسی عظیم الشان مسجد کی یہ بے قدری نہایت قابلِ تعجب ہے،

مزارات اور مشاہد بھی کثرت سے ہیں، اور ان کے مصارف کے لئے بہت سی اوقات ہیں، حضرت زینبؓ (حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہن) حضرت کلثومؓ امام شافعیؒ، امام لیث کے مقبرے بڑی شان و شوکت کے ہیں، میں نے امام شافعیؒ کے مزار کی زیارت کی، اور مزارات کی زیارت کا بھی ارادہ تھا، لیکن وہاں پہنچ کر جو حالت دیکھی اس سے طبیعت کو وحشت ہوئی، اور متاسف ہو کر واپس آیا، مصر والوں نے ہفتہ کے خاص خاص دن قرار دے رکھے ہیں جن میں ان کے اعتقاد کے موافق حضرت زینبؓ و امام شافعیؒ وغیرہ کی رومیوں عالم بالا سے اپنے مزارات کی طرف متوجہ ہوتی ہیں، ان خاص دنوں کو حضرة کہتے ہیں، اور جس کے حضرة کا جو دن ہوتا ہوتا ہے اس دن ان کے مزار پر بڑی بھڑ بھڑ ہوتی ہے، کثرت سے لوگ زیارت کو آتے ہیں، اور قبر کو بوسہ دے کر اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں،

اس وقت لوگوں کی جو حالت ہوتی ہے، اس میں شرک و بت پرستی میں اگر کچھ فرق ہے تو ایسا دقیق ہے کہ مجھ جیسے ظاہر میں کو نظر نہیں آسکتا تھا، مجھ کو ہندوستان ہی کی قبر پرستی کا رونا تھا، لیکن مصر پہنچ کر تمام اسلامی دنیا کی نسبت یہ شعریا آیا،

زپائے تابسرتش ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست
قدیم زمانہ کے مدرسے جن کا اجمالی ذکر میں نے گذشتہ قسط میں کیا ہے، اب بھی موجود ہیں، لیکن ویران ہوتے جاتے ہیں، راہ چلتے چلتے اتفاق سے ایک مدرسے میں میرا گذر ہوا، اگرچہ وہ محض ایک معمولی مدرسہ تھا، لیکن عمارت خوش نما اور بہت اونچی تھی، چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے کمرے، بیچ میں صحن، صحن میں دیوار کیا ریاں اور کھجور کے چند درخت ہیں، غرض اس کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا، کہ چھوٹے سے مدرسہ کا ویران ہونے پر یہ حال ہے تو بڑے بڑے مدرسے زیادہ پریشان، موزوں اور خوبصورت رہنے ہوں گے،

مطابع و اخبارات

چونکہ مصر کی مطبوعہ کتابیں تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئیں ہیں اور عربی کتابوں کے چھاپنے اور پھیلانے میں مصر نے عام ناموری حاصل کی ہے، اس لئے ان مطبوعوں اور یہاں کے کتب فروشوں کا مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے، مطابع یہاں نہایت کثرت سے ہیں اور بعض بعض قابلِ تعریف ہیں، بالخصوص بلاق کا سرکاری مطبع عظیم الشان مطبع ہے، اور صحت و صفائی و خوبی کا اندو

عمدگی طبع کے لحاظ سے اپنا آپ نظیر ہے، یہ مطبع ۱۸۲۷ء میں محمد علی پاشا کے حکم سے قائم
 ہوا، اور اُس وقت اس میں چار سو آدمی کام کرتے تھے اب بھی نہایت رونق پر ہے لیکن افسوس
 اور سخت افسوس ہے کہ ملک کے مذاق کے خراب ہو جانے کی وجہ سے عمدہ اور نادر ^{لمضن}
 کتابیں کم چھپتی ہیں، کتب خانہ خدیویہ میں جو نایاب قلمی کتابیں موجود ہیں، ان میں سے
 اگر سو دو سو کتابیں بھی چھاپ دی جائیں تو دنیا معلومات مفیدہ سے مالا مال ہو جائے
 میں نے بعض رشتہ خیز مطبع والوں سے اس باب میں گفتگو کی انھوں نے جواب دیا کہ اس قسم
 کی کتابیں عام پسند نہیں، عام پسند کتابیں البتہ بار بار چھپتی ہیں، اور بک جاتی ہیں، مثلاً
 کے طور پر انھوں نے کہا کہ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف جو آٹھ برس پہلے چھپی تھی
 اسکی جلدیں آج تک نہیں نکلیں افسوس اور شرم کی بات ہے کہ کتب خانہ خدیویہ کی
 نادر کتابیں یورپ جا کر چھپتی ہیں، اور وہاں سے شائع ہوتی ہیں، سید عابد اللو احد ^{طوبی}
 ایک مشہور تاجر ہیں، یورپ والوں نے ان سے معاملہ کر رکھا ہے، وہ ان کے حسب
 فرمائش کتابوں کی نقل لکھوا کر یورپ کو بھیجتے ہیں، چنانچہ سید عابد اللو احد نے
 مجھکو تین چار کتابوں کے قلمی اجزاء دکھائے جو انھوں نے یورپ بھیجنے کے لئے نقل کر کے
 البتہ مصر کا یہ احسان ہے کہ کتابیں نہایت ارزاں ہیں جس کی وجہ سے انکا ^{نفع}
 بہت عام ہے، میں نے بہت سی کتابیں خریدیں جو نو لکھوری مطبوعات سے بھی کم
 قیمت تھیں، جن لوگوں کو مصر کی کتابیں مطلوب ہیں، ان کو چاہئے کہ براہ راست مصر
 سے منگوائیں، بمبئی سے نہ منگوائیں، جہاں کے تاجر جو گئے نفع پر بھی قاعدتاً نہیں کرتے
 مصر کی کتابوں کے لئے سید عابد اللو احد ^{طوبی} سے خط و کتابت کرنی چاہئے، ان کا پتہ
 یہ ہے، مصر، قاہرہ، قریب البجا مع الازہر، روپیے منی آرڈر کے ذریعہ سے بے ^{تکلف}

بھیجے جاسکتے ہیں،

اجارات جو عربی زبان میں نکلتے ہیں تیس سے اوپر ہیں، ان میں المویذ المقطم،
التقدم، اہرام زیادہ نام آور ہیں، ان کے علاوہ ۲۵-۳۰ اجارات اور سا
فرنج اور انگریزی زبان میں نکلتے ہیں،

انگریزی گورنمنٹ کی بدولت یہاں کے اجاروں کو آزادی حاصل ہے، اس لئے
یہ اجارات ہر قسم کے معاملات پر نہایت آزادی سے لکھتے ہیں، اور خوب لکھتے ہیں،
چونکہ عربی زبان میں پائلیس پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں، اور ہمارے ہندوستان کے
علماء اس قسم کے مضامین پر چار سطریں بھی نہیں لکھ سکتے، اس لئے بعض بزرگوں کا
خیال تھا کہ پائلیس کے خیالات اس زبان میں پوری طرح ادا ہی نہیں ہو سکتے، لیکن مصر کے
اجارات نے اس خیال کو قطعاً باطل کر دیا ہے،

ماہوار رسالے بھی متعدد ہیں اور بعض بعض بڑی قابلیت سے شائع ہوتے ہیں،

ان میں سے مقطعت اور الملأل زیادہ کامیاب ہیں، الملأل ہمارے لجنہ
الادبے میں آتا ہے، آٹھ روپے سالانہ قیمت ہے، میں سفارش کرتا ہوں کہ او
ارباب ذوق بھی اسکی خریداری فرمائیں اور فائدہ اٹھائیں،

۱۷ یہ ایک انجمن ہے جو ہمارے مدرسہ العلوم میں ڈیڑھ سال سے قائم ہوئے ہینڈ میں اسکے تین چار
اجلاس بحث طلب مضامین پر ہوتے ہیں اور جس قدر تقریریں اور سچیں کی جاتی ہیں، عربی زبان میں کی جاتی ہیں
بلکہ اس کی تمام کارروائی عربی زبان ہی میں ہوتی ہے، شاید تمام ہندوستان میں اس قسم کی یہ پہلی مجلس ہو
قدیم۔ اس عربیہ کو اس انجمن کی تقلید کرنی چاہئے،

تھیٹر

تھیٹر ہیاں دو تین ہیں، ایک سرکاری ہے جو خدیو اسماعیل پاشا کے عہد میں تعمیر ہوا تھا، یہ بڑے تکلف اور شان و شوکت کا ہے، لیکن اس زمانہ میں بند تھا، اس لئے یہ اس کی سیر نہ کر سکا، ایک اور تھیٹر ہے جو کسی عیسائی کمپنی کا ہے، میں نے ایک دفعہ اسکی سیر کی، پر دسے اور ساز و سامان اچھے ہیں، تماشا یہ تھا کہ نیویا دیا، یونان در مقام یاد نہیں کی بلکہ اور قیصر روم میں حدود مملکت کے متعلق جھگڑا ہے، قیصر نے ملک سے بعض نئے ملک طلب کئے، بلکہ نے انکار کیا، اس پر دو تین بار دو بدل ہوئی، یہاں تک کہ جنگ چھڑ گئی اور بڑا معرکہ ہوا، عورت جو ملک بنی تھی اس کا لباس بالکل یورپین تھا، کمر میں نیگی تلوار تھی اور نہایت زیب و تہی تھی، ایکٹ بھی اس نے خوب ادا کیا تھا، قاصد سے قیصر کا پیغام سنا، اس کا ٹپ کر اٹھنا، تلوار کو جنبش دینی اور پرخینط لہجہ میں یہ الفاظ کہنے کیف نرضی بهذا الذل والہون، ساتھ ہی عرب جاہلیہ کے چند فخر آمیز اشعار کا پڑھنا واقعی عجیب اثر پیدا کرتا تھا، اشعار اس نے گانے نہیں تھے، بلکہ غنیط اور ادعا کے لہجہ میں ادا کئے تھے، لڑائی کے وقت دونوں فوجیں ہاتھوں میں تلواریں لیکر دست بدست لڑیں، تلواروں کے وار صاف نظر آتے تھے، اور جو لوگ زخمی ہو ہو کر گرتے تھے ان کی لڑکھڑاہٹ اور بے اختیار زمین پر گرنے سے معلوم ہوتا تھا، کہ واقعی زخمی ہو کر گرتے ہیں، سب سے زیادہ مجھ کو جو چیز پسند آئی وہ یہ تھی کہ اخیر میں سب نے خدیو کی سلامتی کا گیت گایا، پورا گیت یاد نہیں، مگر یہ الفاظ ضرور تھے، لعیش تمرو والنفع عم من الخدیو المحترم اسی طرح اور متعدد

ہم قافیہ الفاظ تھے، ہر ہر فقرہ پر آواز کا چڑھاؤ آتا، عربی لہجہ کے ساتھ نغمہ طرازی، اصولِ موسیقی کا لحاظ اور سب سے بڑھکر یہ خیال کہ اس جوش سے خدیو کی سلامتی کا راز گانے والے سب عیسائی ہیں، میرے دل پر عجیب اثر کرتا تھا۔

تھیٹر، ہندوستان کا ہو، خواہ عرب اور مصر کا، میرے نزدیک اسکی شرکت و قاروشائستگی کے خلاف ہے، لیکن اسلامی سلطنت کی ہر چیز عزیز معلوم ہوتی تھی،

شعر

اُس نقشِ پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل میں کو چہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

کلائب نہیں

انجمنیں یہاں کثرت سے ہیں اور ان کے مختلف مقاصد ہیں، وہ خیراتی ہیں جن کا مقصد غریبوں کی امداد و اعانت ہے، لیکن تعجب ہے کہ ان میں ایک بھی مسلمانوں کی نہیں، علمی انجمنیں بھی متعدد ہیں، جن میں جمعیتہ العلماء المصریہ جو ۱۸۵۹ء میں قائم ہوئی، اور المجمع العلمی الجغرافی جس کو خدیو اسماعیل پاشا نے ۱۸۶۵ء میں قائم کیا، زیادہ نامور اور فائدہ رساں ہیں، ڈیٹنگ کلب یعنی مناظرہ کی مجلسیں نہایت کثرت سے ہیں اور ان کی وجہ سے مصریوں نے لکچر و اسپچ کے فن میں بہت ترقی کی ہے، ایک مجلس میں میں خود شریک ہوا، صدر کی جانب ایک بلند چوڑا تھا، جس پر صدر انجمن اور سکریٹری کی کرسیاں بچھی تھیں، عام حاضرین بچوں پر تشریف فرماتے، میرے سامنے

۱۵۔ اس انجمن نے جغرافیہ کے متعلق نہایت نامور تحقیقات اور معلومات فراہم کیں، جو مستقل رسالہ کی صورت

میں چھپ کر شائع ہوئی ہیں، اس انجمن کا ایک خاص مکان اور کتب خانہ اور دیگر لوازمات ہیں،

چار پانچ شخصوں نے گفتگو کی، ان کی تقریریں ایسی برجستہ پُر زور اور یح فصیح تھیں کہ مجھ پر ایک حیرت سی طاری تھی، تعجب یہ ہے کہ مصریوں کی عام بول چال نحو کے لحاظ سے محض غلط بلکہ بے معنی ہوتی ہی، لیکن اس قسم کے موقعوں پر نہایت شستہ عربی بولتے ہیں اور تکلف و آورو کا نام نہیں ہوتا، اس قسم کی مجلسوں اور اخبارات کی آزادی کی وجہ سے مصریوں میں جو عام زندہ دلی آزادی خیالات، جرات اور حوصلہ مندی پیدا ہو گئی ہے، اڑکی مالک بلکہ کل موجودہ اسلامی حکومتوں میں اس کا پرتوتک نہیں،

مولد نبوی

مصر والوں کو حقیقت میں اس بات پر ناز کرنا چاہئے کہ مولد کے اصلی معنی اگر سمجھے تو انہی نے سمجھے، یہاں مولد کا طریقہ یہ ہے کہ شہر سے باہر ایک وسیع خطہ زمین ہے جس کو ایک معزز خاتون نے اسی کام کے واسطے وقف کر دیا ہے، اس میدان میں تین طرف نہایت ترتیب اور سلیقہ سے خیمے اور شامیاں نصب ہوتے ہیں اور بیچ کی زمین بطور صحن کے چھوڑ دی جاتی ہے، صحن بالکل دائرہ کی ہیئت میں ہوتا ہے، اس کے ہر چار طرف سرخ جھنڈیاں کھڑی کی جاتی ہیں خیمے اور شامیاں چوتکہ عموماً پاشاؤں اور امراء کے ہوتے ہیں، نہایت تکلف اور نفاست سے آراستہ کئے جاتے ہیں ہر پاشا اور امیر اپنا خیمہ جدا گانہ طرز سے آراستہ کرتا ہے، جھاڑو فانوس کی روشنی ہوتی ہے، اور کثرت سے ہوتی ہے، ہر خیمہ میں شربت یا چائے یا اور کوئی اس قسم کی چیز ہوتی ہے، بیمار ہتی ہے جس وقت کوئی شخص اگرچہ وہ عام تماشائی ہو خیمہ میں داخل ہوتا ہے تو فوراً چائے یا شربت سے اس کی تواضع کی جاتی ہے،

خدیو کا خیمہ جس میں ان کی طرف سے ان کا نائب شریک ہوتا ہے، سرخ ہوتا ہے اور نہایت پریشان اور پر رونق ہوتا ہے، ہر خیمہ میں خاص خاص گروہ کے فقرا اور صوفی جمع ہوتے ہیں اور اپنے اپنے طریقہ کے موافق ذکر کرتے ہیں، ذکر کا طریقہ ہندوستان کے فقرا سے بالکل جدا ہے، سب لوگ حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ذکر کے خاص الفاظ ایک ساتھ بلند آواز سے کہتے ہیں ان الفاظ کے ساتھ رکوع کے قریب جھک کر اور گردن کو عجیب طور پر حرکت دیتے ہیں، اگر کوئی شخص دور سے دیکھے تو اس کو ورزش کا دھوکا ہو، درویشانِ رقا ص کا طریقہ اور بھی عجیب ہے، اور سچ یہ ہے کہ فقر و تصوف کی تفحیمک تو ہیں ہے، ان لوگوں کا لباس ایک خاص وضع کا ہوتا ہے پوری ہیئت تو خیال میں نہیں لیکن اس قدر یاد ہے کہ نیچا جامہ اور کمر میں سبز ٹپکا ہوتا ہے، یہ لوگ صفت باندھ کر بیٹھے ہیں اور ان میں جو شخص ذکر کرنا چاہتا ہے وہ وسطِ محل میں جا کر ناچنا شروع کرتا ہے، لوگوں کا بیان ہے کہ ناچ کے تمام اصول ادا کئے جاتے ہیں لیکن میں نے جو دیکھا اسی قدر تھا کہ وہ شخص ایک جگہ کھڑا ہو کر پھر کی طرح چکر لگاتا تھا، قریباً ایک گھنٹہ اسی طرح ناچتا رہا، لیکن ہاتھ یا کسی اور عضو کو حرکت نہیں ہوتی تھی، ایک اور گروہ تھا، جس کا طریقہ کسی قدر اس سے مختلف تھا، ان لوگوں کے جانے اونچے اور زیادہ گھردار تھے، قریباً جس طرح گھاگھرہ والی پلٹن، ناچنے کے وقت یہ لوگ دونوں ہاتھ پھیلا کر ناچتے تھے۔

مجھ کو سخت افسوس ہوا کہ اس یہودہ طریقہ کو یہ لوگ عبادت سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہ لوگ غوث، قطب، ابدال، اوتاد کے رتبہ تک ترقی کرتے ہیں، ع و للناس فیما یعشقون مذاہب،

در ویشانِ رقاص کا ذکر ضمناً آگیا تھا، اب میں اصل واقعہ یعنی مولد کی کیفیت کی طرف رجوع کرتا ہوں، پہلی تاریخ سے یہ اجتماع شروع ہوتا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ بارہویں کی شب کو اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ کشمکش سے جگہ نہیں ملتی، صبح کو سب لوگ خصوصاً نائب الحکومت، قاضی، مفتی، شیخ الازہر، مشہد حسین میں جمع ہوتے ہیں اور ایک عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے حالات پڑھتا ہے، ولادت کے ذکر کے وقت معمول کے موافق قیام ہوتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد مجلس ختم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ مولد کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے،

مولد کا یہ طریقہ اس لحاظ سے مجھ کو بہت پسند آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر جس جوش اور مسرت کا اظہار ہوتا چاہئے، وہ اسی طریقہ سے ہونا چاہئے، چھوٹی چھوٹی مجلسوں میں یہ اجتماع، شان و شوکت، سر و سامان کہاں؟ لیکن دو تین باتیں قابل اعتراض ہیں، اول یہ کہ گیارہویں اور بارہویں کو آتش بازی ہوتی ہے اور یہ امر ایسی مقدس رسم کے شایاں نہیں، دوسرے یہ کہ لوگوں کا اجتماع دیکھ کر اس مجمع کے قریب سڑکوں پر تھیٹر وغیرہ قائم ہو جاتے ہیں، حکومت کو چاہئے کہ ان کو قطعاً روک دے،

اہل کمال اور مفید تصنیفات

قسطنطنیہ کی طرح یہاں بھی علماء و مصنفین کے دو گروہ ہیں، اور دونوں کا مذاق بالکل الگ الگ ہے، ازہر کے شیوخ اور تلامذہ میں سے بعض بعض اپنے فن یعنی نحو و فقہ میں کمال خیال کئے جاتے ہیں، لیکن ان کے کمال کا تمام تر مدار صرف جزئیات کے حفظ پر ہے، جس میں تحقیق و اجتهاد کا شائبہ نہیں، خود شیخ ازہر جن کو امام الفتن کہا جاتا

ہے، کسی فن میں ان کی کوئی محققانہ تصنیف نہیں، نہی تعلیم نے بھی اگرچہ اب تک کوئی صاحب کمال نہیں پیدا کیا، لیکن اس میں تحقیق و اجتہاد کی جھلک پائی جاتی ہے، اور تصنیفات میں یورپ کا انداز ہے، میں ان دونوں گروہوں میں سے بعض مشاہیر کا حال لکھتا ہوں،

علی پاشا بیک

مصر کے سرنشتہ تعلیم میں جو کچھ اصلاح و ترقی ہوئی ہے، انہی کی بدولت ہوئی ہے، سو لہ برس کی عمر تھی کہ یہ ۱۲۵۵ھ میں مدرسہ مہندس خانہ میں داخل ہوئے، ۱۲۶۰ھ میں محمد علی پاشا کے بیٹوں کے ساتھ فرانس کا سفر کیا اور کئی برس وہاں رہ کر مستعد و ڈگریاں حاصل کیں، ۱۲۸۵ھ میں انکو دفتر مدارس اور نظارت اوقاف کی خدمت سپرد ہوئی، اسی زمانہ میں انھوں نے بہت سی علمی کام کئے، خانگی مکاتب کی اصلاح کی، اصلاح میں صدر مدارس قائم کئے، دارالعلوم کی بنیاد ڈالی، کتب خانہ خدیویہ قائم کیا، ۱۲۸۵ھ میں ڈاکٹر تعلیم مقرر ہوئے، اور تعلیم کو نہایت ترقی دی، خود بھی صاحب تصنیف و تالیف ہیں، مقرری کی خط و آثار کا نہایت عمدہ کملہ لکھا ہے۔ شہنشاہ فرانس اور شاہ آسٹریا نے انکو اعزاز کے تمنے بھیجے ہیں، انکی ملاقات کا بہت شائق تھا، لیکن بدقسمتی سے اس زمانہ میں خدیو کے ساتھ اسکندریہ چلے گئے تھے، تین چار مہینے ہوئے انھوں نے انتقال کیا، ان کے جنازہ میں تمام اعیان سلطنت شریک تھے، حال میں ان کی سوانحی لکھی گئی اور شائع ہوئی ہے،

علی پاشا ابراہیم

یہ نہایت روشن ضمیر تعلیم یافتہ شخص ہے، ۱۲۶۰ھ میں تعلیم کی غرض سے فرانس

گیا اور پانچ برس رہبر اعلیٰ درجہ کی ڈگری حاصل کی، ۱۲۹۶ء میں ڈاکٹر تعلیم مقرر ہوا، معلمین کے مدارس اول اسی نے قائم کئے، سلطنت فرانس نے اس کو اوفیسر کے درجہ کا تمغہ بھیجا جو مشہور اہل کمال کے سوا کسی کو نہیں دیا جاتا،

امین باب فکری

ہائی کورٹ کے جج ہیں، فرانس میں تعلیم پائی ہے، سوئڈن میں جو اورٹیل کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں سلطنت مصر کی طرف سے وکیل مقرر ہو کر گئے تھے، چنانچہ حالات سفر میں ایک کتاب لکھی ہے، جس کے دیکھنے سے ان کی قوت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے، اس کتاب کی قیمت آٹھ روپے ہے، اور واقعی قابل سیر کتاب ہے،

احمد زکی

محکمہ ترجمہ کے سکریٹری ہیں، فرینچ نہایت عمدہ جانتے ہیں، غلامی کے مسئلہ پر ایک رسالہ فرینچ میں لکھا تھا جو نہایت مقبول ہوا اور فرانس کے مشہور اخبارات اور ارباب تصنیف نے اس پر آرٹیکل اور ریویو لکھے، چنانچہ اصل رسالہ مع ریویو وغیرہ کے عربی میں ترجمہ ہو کر چھپا ہے، جس کا نام الرق فی الاسلام ہے، ان کی او بھی مفید تصنیفات ہیں، لندن میں جو اخیر اورٹیل کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس میں یہ وکیل مقرر ہو کر گئے تھے،

شیخ محمد عبد

پرانے تعلیم یافتہ ہیں، فن ادب میں تمام مصر و شام ان کو استاد الفن تسلیم کرتا ہے،

مقاماتِ بدیع کی شرح نہایت قابلیت سے لکھی ہے، روشن ضمیری کے ساتھ نئے مذاق سے آشنا ہیں جس کا سبب سید جمال الدین افغانی کا فیضِ صحبت ہے، سید موصوف کے ایک سالہ کا عربی میں ترجمہ کیا ہے، اور اس کے دیباچہ میں مختصر طور پر ان کی سوانحی لکھی ہے، میں اس کے بعض فقرے اس مقام پر لکھتا ہوں، جس سے شیخ موصوف کی مہارت فن اور زورِ تحریر کا اندازہ ہوگا، ہمارے ملک میں جو لوگ فن ادب کو لے بیٹھے ہیں، ان کو اس طرز کی تقلید کرنی چاہئے، اور واقعات نگاری کا یہ اسلوب اختیار کرنا چاہئے جہاں سید موصوف دجال الدین افغانی کے حلیمہ اور اخلاق و اوصاف کا ذکر آگیا ہے وہاں لکھا ہے:

اما خلقہ فتمثل لناظر عربیا محضات ربعة فی طولہ ووسطی بنیۃ قعی فی لونہ
عصبی دموی فی مزاجہ عظیم لراس فی اعتدال، عریض الجبہ فی تناسب ووسع
الوعینین، ضخم الوجہات، رحب الصدر، ہشیش عند اللقاء، امام خلقہ علامۃ القلب
سائدۃ فی صفاتہ ولہ حلم عظیم وسیع ما شاء اللہ ان یسع الی ان یدان منہ احد
لیس شرفہ اودنیۃ فینقلب الحلم الی غضب فیلما ہو حلیم ابواب اذا
ہو اسد و ہاب و ہو کریم یدزل ما یدہ قوی الاعتماد علی اللہ لایبالی ماتاتی
یہ صروف الدھر کمال لمن لانیہ صعب علی من خاشتہ ولہ سلطۃ علی دقائق المعانی
و تجدیدھا و ابدانھا فی صورتھا اللائقۃ لھا کان کل معنی قد خلق لہ کل موضوع یلقی لہ
یدخل للبحث فیہ کان صنع ید یدہ فیاتی علی اطرافہ و محیط جمیعہ اکنافہ،

میں ان سے ملا تھا، دیر تک لطف کی صحبت رہی، ازہر کی ابری تعلیم پر افسوس کرتے رہے، لیکن اس کے ساتھ نئی تعلیم کے بھی سخت شاک تھے، اور کہتے تھے کہ کھو چل سید افسوس ہے کہ گورنمنٹ مصر نے انکو عمدہ قضا پر مامور کیا ہے، وہ سرشتہ تعلیم کیلئے

زیادہ موزوں تھے، چنانچہ خود بھی اس کا افسوس کرتے تھے،

شیخ حمزہ فتح اللہ

پرانے تعلیم یافتہ اور پرانے خیالات کے آدمی ہیں، فن ادب کے بڑے استاد ہیں دارالعلوم میں ادب کا جو نصاب پڑھایا جاتا ہے، انہی کا انتخاب ہے، سر شمسہ تعلیم کے اسپیکر ہیں، سوڈن کی اور نیٹل کانفرنس میں مصری سفارت کے ممبر مقرر ہو کر گئے تھے، اور کانفرنس میں عورتوں کے حقوق کے متعلق ایک رسالہ پیش کیا تھا، جس کا نام حقوق النساء فی الاسلام ہے، یہ رسالہ سرکاری مطبع میں چھاپا گیا ہے، اگرچہ اصل موضوع پر بہت کم لکھا ہے اور جس قدر لکھا ہے وہ بھی مولویانہ لکھا ہے، تاہم عبارت نہایت استادانہ، بلند اور پُر زور ہے،

مجھ سے ان سے نظارۃ المعارف کے دفتر میں ملاقات ہوئی، دیر تک علمی تکرر رہے، رسالہ مذکور کی پانچ جلدیں تحفہ کے طور پر عنایت کیں، کچھ می سے اٹھ کر اپنے مکان پر لے گئے اور اصرار کر کے کھانا کھلایا، کھانا نہایت سادہ یعنی خشک روٹی اور کھجوریں تھیں، چونکہ وہ عربی زبان کے استاد ہیں اور عرب کے ساتھ ان کو خاص محبت اور لگاؤ ہے، ان کا سادہ عربی کھانا ایک اثر پیدا کرتا تھا،

لطیفہ، میں اور شیخ موصوف کھانا کھا رہے تھے کہ قریب سے بیچوں بیچوں کی آواز آئی! میں حیران تھا کہ یہ انکرالاصوات کہاں سے آتی ہے، دیکھا تو ایک حجرہ میں گدھا بندھا ہے معلوم ہوا کہ یہاں گھر میں گدھا بانڈھنا معیوب نہیں، اگرچہ میں بازار میں کثیر لوگوں کو حتیٰ کہ انگریزوں کو گدھے پر سوار پھرتے دیکھ چکا تھا، بلکہ خود بھی دو ایک بار یہ شہر

حاصل کر چکا تھا، تاہم مجھ کو یہ توقع نہ تھی کہ بھلے آدمیوں کے ہاں گھوڑوں کی طرح گدھوں کا بھی صطل خانہ ہوتا ہے،

سفر کا خاتمہ اور عربوں کے فیاضانہ اخلاق

مصر کی روانگی کے ساتھ گویا میرے سفر کا بھی خاتمہ ہو گیا، کیونکہ اسکے بعد نہ کوئی نئی آبادی دیکھی نہ کوئی جدید واقعہ پیش آیا، میں نے سفر کا تمام زمانہ (خلافتِ توقع) نہایت لطف و آرام، دلچسپی اور اطمینان کے ساتھ بسر کیا، لیکن اس موقع پر یہ بتانا میرا فرض ہی کہ یہ لطف و آرام مجھ کو کیوں نصیب ہوا؟ اور کن لوگوں کی وجہ سے ہوا؟ ان سوالوں کا صرف ایک جواب ہے، یعنی عربوں اور ترکوں کے فیاضانہ اخلاق، حقیقت یہ ہے کہ عربوں کی کریم الاخلاقی سے مجھ کو سابقہ نہ پڑتا تو سفر کی دلچسپیوں کا کیا ذکر ہے، زندگی دو بھر ہو جاتی یہ ظاہر ہے کہ کسی شہر میں جا کر رہنا، کھانا پینا، ملنا جلنا، خرید و فروخت، سیر و تفریح، حالات کی تحقیق و جستجو، دریافت طلب امور کی تلاش، غرض تمام باتیں زبان کے جانتے پر موقوف ہیں، اور میں ترکی زبان سے بالکل ناواقف، عربی زبان جس قدر جانتا تھا وہ بھی بیکار یا قریب قریب بیکار تھی، اس قدر دولت مند بھی نہ تھا کہ بیدریغ روپیوں کے صرف سے اس کمی کا تدارک کر سکتا، ایسی حالت میں چھ مہینے کا زمانہ اس لطف و آرام سے بسر کرنا کہ گویا میں وطن ہی میں تھا، صرف ترکوں اور خاص کر عربوں کی عنایت تھی، ترجاتی یہ کرتے تھے، بازار سے چیزیں یہ لا دیا کرتے تھے، لوگوں سے تعارف یہ کراتے تھے، لے شام و مصر کے اکثر مسلمان عرب کی نسل سے ہیں، اس وجہ سے ہیں تمام شامیوں اور مصریوں کو بلحاظ اختصار عرب سے تعبیر کرتا ہوں،

قابل سیر مقامات کے رہبر یہ بنتے تھے، دل لگی کی صحبتوں میں شریک یہ ہوتے تھے غرض کوئی ایسا کام اور ایسی ضرورت نہ تھی جس کے یہ کفیل نہ تھے، اور لطف یہ کہ بے غرض بے سبب صرف مہمان پرستی اور غریب نوازی کے لحاظ سے تمام وہ جزئی واقعات جنہیں مجھ کو ان لوگوں کے فیاضانہ اخلاق کا تجربہ ہوا ان کا بیان کرنا ناممکن ہے، نمونہ کے طور پر دو تین واقعے لکھتا ہوں، شیخ عبد القحاح، شیخ علی ظلیان، خوجی آفندی، عبد الباسط آفندی، شیخ عبد حکیم آفندی، عبد السلام آفندی کی فیاضیوں کے واقعات جن کو میں پہلے لکھا آیا ہوں، اس موقع پر ایک بار پڑھ لینا چاہئے،

جس زمانہ میں میں قسطنطنیہ میں مقیم تھا، عبد السلام آفندی کے برادر عمر اوشاکر آفندی مقدمہ کی ضرورت سے قسطنطنیہ میں آئے، عبد السلام آفندی نے انکو اپنے پاس ٹھہرانا چاہا، لیکن انکے کمرہ میں جگہ نہ تھی مجھ سے کہا کہ تم اپنے ساتھ ٹھہرا لو، میں نے انکی خاطر سے گوارا کیا، میری روانگی کا زمانہ قریب آیا تو انھوں نے کہا کہ میں بھی آمادہ سفر ہوں، ساتھ ہوتا تو خوب تھا، لیکن اس وقت میرے پاس روپیے نہیں، گھر سے کچھ روپے منگوائے ہیں، ان کے آنے کا انتظار ہے، چونکہ وہ خاص بیت المقدس کے رہنے والے تھے، مجھ کو خیال ہوا کہ ان کی وجہ سے آسائش و آرام کے علاوہ بیت المقدس میں مجھ کو ہر ایک چیز کی تحقیق و اطلاع میں بہت مدد ملے گی، میں نے ان سے کہا کہ روپیے مجھ سے لے لیجئے وہاں چل کر آکر دیکھے گا، انھوں نے انکار کیا اور باوجود اصرار کے کسی طرح رضامند نہ ہوتے تھے، لیکن میں نے اس قدر مجبور کیا کہ وہ انکار نہ کر سکے، اور میں نے اسی وقت ہاران کے حوالہ کئے، عبد السلام آفندی اس وقت مکان پر نہ تھے، شام کو باہر سے آئے تو یہ بات میں یہ تذکرہ آیا، انھوں نے یہ واقعہ سنکر سرپیٹ لیا، اور نہایت پریشان ہوئے اور با

بار کہتے تھے، کہ "شو فعلت شو فعلت یعنی تم نے یہ کیا غضب کیا؟ شاکر گو میرا بھائی
 ہے لیکن نہایت آوارہ ہے، اور اسی نے تم سے فریب دیکر روپے لئے، لطف یہ کہ
 روپے تو میرے معرض خطر میں تھے، لیکن عبد السلام آفندی کو مجھ سے بڑھکر اضطراب
 تھا، شاکر آفسندی گھر میں آئے، تو عبد السلام آفندی نے ان کو سخت ملامت
 کی اور ان سے دستاویز لکھوا کر اس پر اپنی اور ایک اور شخص کی گواہی لکھی، مجھ کو الگ لیجا کر
 کہا کہ "تومی بدنامی کا معاملہ ہے، اس لئے مجھ کو اپنے بھائی کی پردہ دری کرنی پڑتی ہے، یہ
 لڑکا (شاکر) آوارہ مزاج اور بد معاملہ ہے اسکی کوئی ذاتی جائداد بھی نہیں، اس کا
 چچا عبد الرزاق اس کا کفیل ہے، یہ دستاویز انہی کے حوالہ کرنا وہ تلو روپے دیدینگے،
 غرض دوسرے دن شاکر اور میں ساتھ جہاز پر سوار ہوئے، ہمرنایں پہنچے تو
 شاکر کے نام ان کے وکیل کا تار آیا کہ فوراً واپس آؤ، شاکر نے مجھ سے کہا کہ میں تلو چھوڑ
 کیونکر جاسکتا ہوں، میں نے انکار دیکر مناسب نہ سمجھا اور خوشی بلکہ باصرار ان کو واپس
 بھیجا، بیت المقدس پہنچکر سیدھا عبد الرزاق کے پاس گیا، اور مجھ کو اس پر قہر مجبوری
 اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے میرے ساتھ سخت بد اخلاقی کی اسکی
 شکایت نہیں کہ روپے نہیں دیئے، تعجب یہ ہے کہ کج اخلاقی سے پیش آئے، دوسرے
 دن میں نے مفتی صاحب دجن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، کے پاس جا کر ان سے سارا قصہ
 کہا اور دستاویز دکھلائی، مفتی صاحب نے عبد الرزاق کے پاس آدمی بھیجا، انھوں نے
 کہا بھیجا کہ اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں ہے، دو چار دن کے بعد البتہ ادا کر سکتا
 ہوں، مفتی صاحب کو چونکہ اطمینان تھا وہ یہ کہہ کر چپ ہو رہے کہ ضرور مل جائیں گے
 لیکن اور لوگ جو وہاں موجود تھے، اور عبد الرزاق کے فائدان کے

میرے سخت برہم ہوتے تھے اور غصہ میں آکر کہتے تھے، واللہ بیع لحدتہ ویودی یعنی وہ اپنی ڈار مچی بیچے اور روپیے ادا کرے،

دوسرے دن میں مفتی صاحب کے پاس گیا تو انھوں نے پوری رقم یعنی دو سو سو روپے اپنے پاس سے دیئے، میں نے کہا، "آپ اپنی جیب سے دیتے ہیں تو میں لینا نہیں چاہتا" فرمایا کہ نہیں عبدالرزاق نے مجھ پر حوالہ کر دیا ہے، لیکن اگر وہ نہ بھی دیتے اور میرے پاس روپے نہ بھی ہوتے تو میں اپنا یہ جیب سچکر دیتا، باوجود اس کے مفتی صاحب او دیگر حاضرین کو سخت ندامت تھی، وہ لوگ مجھ سے نہایت اسحاق سے معذرت کرتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ "ہماری آنکھ تم سے برابر نہیں ہوتی، میں جب رخصت ہو کر چلا تو مفتی صاحب نے کچھ دور تک مشابعت کی اور کہا کہ المرء حرمناک ان تستروا عینہا فاند من شیم الکرام یعنی مجھ کو امید ہے کہ آپ ہمارے عیب پر پردہ ڈالیں گے کیونکہ سر کا کام پر وہ پوشی ہے، مفتی صاحب اور ان ہمنشینوں کو عبدالرزاق کے برتاؤ پر جو ندامت تھی، اور جس طرح وہ بار بار مجھ سے معافی چاہتے تھے اس کا اثر اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں،

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اسکندریہ پہنچکر (جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں) ناواقفیت کی وجہ سے مجھ کو سخت پریشانی ہوئی، چونکہ ریل میں دیر تھی ایک قوم خانہ میں جو اسٹیشن سے متصل تھا جا بیٹھا، وہاں ایک شامی عرب تشریف رکھتے تھے، مجھ کو غیر ملک کا آدمی سمجھ کر یا معلوم نہیں کیوں بڑے تپاک سے پیش آئے وہ قاہرہ کو جا رہے تھے میں ان سے کہا کہ میں ہمسفر ہوں اور چونکہ ناواقفیت کی وجہ سے مجھ کو ہر موقع پر نقصان اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ قاہرہ تک میرا آپ کا ساتھ رہے انھوں نے

کہا کہ بالراس و بعین، ان کی وجہ سے مجھ کو تمام سفر میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی، قاہرہ پہنچے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ مجھ کو کسی ہوٹل کا نام بتائیں جو جامع ازہر کے قریب ہو، اور فیس بھی زیادہ نہ ہو، میں نے تو صرف پتہ بتانے کو کہا تھا، وہ دور و زت تک میرے ساتھ ہوٹل میں مقیم رہے، تیسرے دن کہا کہ "میں ایک ضرورت سے قاہرہ آیا ہوں اور دو تین دن میں مجھ کو واپس جانا ہے، اگر آپ اجازت دیں تو رخصت ہوں" یہ کہہ کر ہوٹل کے خانساہاں کو دو دن کا کرایہ اور کھانے کی فیس حوالہ کی، میں نے ہر چند اصرار کیا کہ میری فیس آپ کیوں دیتے ہیں نہ مانا اور کہا کہ آپ اس وقت تک ہمارے مہمان تھے، یہ کہہ کر رخصت ہوئے اور مجھ کو سخت افسوس رہا، کہ دوبارہ ان سے ملاقات نہیں ہوئی،

حال کی عربی زبان

چونکہ سفر نامہ کے لوازم میں ایک یہ بھی ہے کہ جس ملک کے حالات لکھے جائیں وہاں کی زبان مروجہ سے بھی بحت کی جائے، اسلئے حال کی عربی زبان کی نسبت جو تمام اضلاع شام اور مصر کی زبان ہے کچھ لکھنا ضرور ہے، اس سے ہمارے ہموطنوں کو بھی فائدہ پہنچے گا، جو مصر و شام کے اخبارات کے نہایت شائق ہیں، لیکن مروجہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے ان سے متمتع نہیں ہو سکتے،

موجودہ عربی، قدیم عربی سے اس قدر مختلف ہے، کہ ہمارے ملک کا کوئی بڑا عالم اگر مصر و شام کا سفر کرے تو اس کو وہاں کی زبان

کے سمجھنے میں قریباً وہی دقت ہوگی جو ایک عامی کو ہو سکتی ہے، زبان موجودہ کی وہ خصوصیتیں جن کی وجہ سے وہ قدیم زبان سے مختلف ہو گئی ہے، مختصر طور پر ذیل میں درج ہیں،

(۱) بہت سے الفاظ اس قدر مختصر کر لئے گئے ہیں کہ جب تک کوئی شخص نہ بتائے اصلی الفاظ کی طرف ذہن منتقل نہیں ہو سکتا، اس قسم کے چند الفاظ یہ ہیں،

لفظ تبدیل شدہ	اصل	معنی
شئو	أُشَيْئٌ	کلمہ استفہام
موش	مَا هُوَ شَيْءٌ	حرف نفی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے،
مَا عَلِيْشَ	مَا عَلَيْكَ شَيْءٌ	کچھ ہرج نہیں، کچھ مضائقہ نہیں،
بِلَا شِ	بِلَا شَيْءٍ	مفت، اور پہلے لفظ کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے، یعنی کچھ ہرج نہیں،
هَيْكٌ	هَكَذَا	اس طرح،
هَادُوْلٌ	هَذِهِ هُوَ لَاءٌ	یہ لوگ،
قَدِيْشٌ	قَدْرِيْ شَيْءٌ	کس قدر،

(۲) الفاظ کے اول یا اخیر میں بعض حروف زیادہ کر لئے ہیں، جس سے لفظ کی صورت بالکل بدل جاتی ہے، مثلاً شام میں تمام افعال مضارع کے اول ب زائد کر دیتے ہیں، ان الفاظ کو ما قول، ما عرف یوں کہتے ہیں ما یا قول، ما یا عرف، مصر میں الفاظ کے اخیر میں شس بڑھاتے ہیں، مثلاً

یاخذ کے بجائے یاخذُش،

(۳) حروف کا تلفظ نہایت خراب ہو گیا ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ عربی تلفظ کی تمام خصوصیتیں مٹ گئیں، قاف کے بجائے ہمزہ، جیم کے بجائے گاف، ذال کے بجائے وال، عین کے بجائے ہمزہ بولتے ہیں، اور نہ صرف جاہل اور عامیوں کا یہ تلفظ ہے، بلکہ علماء اور اشراف بھی ان حروف کو اسی طرح ادا کرتے ہیں، ایک دفعہ مصر میں میں نے ایک طالب العلم سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں، بولے: "گائٹ من نگشہ اجاء من جمعة" یعنی میں جمعہ مسجد سے آرہا ہوں،

(۴) بہت سے قدیم الفاظ ہیں جن کا طرز استعمال بدل گیا ہے، مثلاً جب کسی شخص کی تعریف یا اس کا شکریہ ادا کیا جائے تو وہ جواب میں کہے گا، استغفر اللہ، یعنی میں کس قابل ہوں، یا کوئی تعجب انگیز بات کسی کے سامنے بیان کی جائے تو وہ کہے گا، امانت یا مثلاً یہ کہنا ہو کہ تم کو اس سے کیا غرض؟ تو کہیں گے شو بلاٹ، شو-ای-شیء کا مخفف ہے، اور بدو ہی لفظ ہے جسکو ہم لایبدا کے ساتھ استعمال کرتے ہیں،

(۵) یورپ کے الفاظ نہایت کثرت سے استعمال میں آگئے ہیں، اور چونکہ کسی قدر ان میں تغیر کر یا گیا ہے، عربی داں اور انگریزی دانوں کے سمجھنے میں وقت ہوتی ہے اس قسم کے چند الفاظ مثلاً درج ہیں

الفاظ معربہ	الفاظ اصلی	الفاظ معربہ	الفاظ اصلی
تلغراف	ٹیلیگراف	فوتوغراف	فوٹوگراف

الفاظ معربہ	الفاظ اصلی	الفاظ معربہ	الفاظ اصلی
بروجرام	پروگرام	بوستہ	پوسٹ، ڈاک
قوماندان	کمانڈر	باریز	پیرس (دورالسلطنت فرانس)
قوماسیون	کمیشن	سینغارہ	سگرٹ
اُفوکا تو	ایڈوکیٹ	انگلتر	انگلستان
شلیں	شلنگ	امبرا طور	امپیر
غاز	گیس	لوندارہ	لسدن
یازا بورت	پاپورٹ	ژورنال یا جرنل	جرنل
اوردوبا	یورپ	جُمباژ	جمناسٹک
میکانٹ	مشین (کل)		

اب ہم زبانِ حال کے الفاظ کی ایک مختصر سی فرہنگ درج کرتے ہیں، اس میں اکثر ایسے الفاظ بھی ہیں جو آج سے پانچ چھ برس پہلے ایجاد ہو چکے تھے، لیکن چونکہ تصنیفات وغیرہ میں ان کو رواجِ عام حاصل نہیں ہوا تھا، وہ بھی نئے الفاظ خیال کئے جاتے ہیں، خاص اس قسم کے الفاظ پر میں (ق) کی علامت لکھونگا جس سے یہ مطلب ہے کہ وہ قدیم الفاظ ہیں،

لفظ	معنی	لفظ	معنی
الف		اجراخانہ (ترکی لفظ ہے)	دواخانہ
امضاع	دستخط	(ق) اسطول	جنگی جہاز یا جہاز و نجاہ
المات (جرمنی لفظ ہے)	سلطنت جرمنی	اؤوند یا اودہ	کمرہ (مکان کا)

لفظ	معنی	لفظ	معنی
آغا، جمع اغوات	خواجہ سرا	باش کاتب (ترکی ہی)	میر منشی
امتیاز	لائسنس	ت	
اغراض	اسباب	تکہ	ازار بند
ادب خانہ	پاخانہ	ترعہ	بڑا مالاب
انتبکہ خانہ	قدیم ایشیا کا عجائب خانہ	تمو نیات عسکر یہ	قواعد ر فوج،
اشتراک الجریۃ	اخبار کی خریداری اور	تشخیص	تھیسٹری میں ایک کتا
	اخبار کی قیمت کو بدل	تذکرہ	پروانہ ٹکٹ، سند
	الاشتراک کہتے ہیں،	تطعیم الجدری	چھپک کا ٹیکا
		تمو نیات جدیدہ	وزرش
		ب	
بتامہ	آلو	ش	
(ق) برطلہ جمع برتا طیلہ	رشتوت	ثورک	بغاوت
بلدیہ	مینوسپلٹی	(ق) ثریا	جھاڑ (روشنی کا)
باغریہ	دخانی جہاز	ثوب	لمبا کرتہ
		ج	
(ق) برنامج (فارسی لفظ ہے)	فہرت	(ق) جریدہ جمع جرائد	اخبار
براد	چاندان	(ق) جین	پنیر
بیتُ العاء	پاخانہ	جون	بانات
(ق) بدوی	سویرا		
بکیر	سویرا		پہلی فوج کی خواہ کے جبر کو کہتے ہیں،

لفظ	معنی	لفظ	معنی
جمعیت	انجمن	دق، دبان	کپتان جہاز
جمرک دیا، گمرک ترکی، جنگی	جنگی	روایہ	ناول، قصہ
جنبینہ	باغ	رومان (انگریزی لفظ ہے)	ناول، قصہ
ح		ریش	نب۔ انگریزی قلم کی زبان
حوائج	یہ کھڑے جو دھونے کیلئے دیتے جانتے ہیں کشتی	رابطۃ الرقبہ	نکٹائی
رق، حراقہ	ہمارے پڑوں کی کشتی	رصاص	بندوق کی گولی
رق، حلیب	وووہ	رسم	تصویر نقشہ
حزب الاحرار	لیبرل پارٹی	ز	
خ		زقار	پیٹی
خریطہ	نقشہ و جغرافیہ کا)	س	
دق، خان	سراٹھے ہوٹل	دق، ساعت	گھڑی جس کا وقت معلوم ہوتا ہے
د		سکتہ الحدید	ریلوے
دلیجانس (عربی نہیں ہے)	شکر	سکورہ (انگریزی، اخذ ہے)	بیمہ کرنا
دائرہ	محکمہ، صیفہ	سجادہ	قالین، وری
دقیقہ	منٹ	سیاسیت	پالیٹکس
ر		سرحد	چارپائی
ر		ش	

معنی	لفظ	معنی	لفظ
	ط	کمپنی	شورکے
		کاٹا دھس انگریز کھانا	شورکے
ٹرکی ٹوپی	طربوش	کھاتے ہیں	
سینی	طبسی	چھتری	شمسہ
	ظ	ریل	شمند و فر
		پوٹ نٹو، پڑا صندوق	(فریح زبان حال کا لفظ ہے)
نفاقہ	ظرف	چھوٹی کشتی	شظہ
	ع		(رق) شظورہ
ٹوبہ	رق، علبہ		
روٹی	رق، عیش		
پاؤروٹی	عیش افرنجی	عطار کی دوکان	رق، صید لذت
بیڑہ جہازیت	عمیادہ	تالاب	رق، صہریج
گاڈی	رق، عربیہ	ووٹ	صوت
"	عجلہ		
اجتہار کا کالم	عمد		
ممبر (کیٹی)	عضو جمع اعضا		
	ع		
		چراغ، لپ	ضو
		ہکس	رق، ضریبہ
		پولس	ضبطیہ
کپڑے کی دھلائی	غسیل	افسرفوج	ضابطہ، جمع ضباط

لفظ	معنی	لفظ	معنی
لبن	وہی	مُفِئِش	انسپکٹر
		مَحْفَظَة	نوٹ بک یا دوپٹہ کی کتاب
		مَتَّحِف	عجائب خانہ
مَصَارِي	فلوس، پیسے	مُشَمَّع	موم جامہ
مُسْتَشْفٰی	اسپتال	مَسْكُوب	سلطنت روس
مِرْقَا	گھاٹ، بندرگاہ	مَرْكَن	گلدان
مُومَسَات	رندیاں، کسبیاں	رَق، مَخْدَا	تیکہ
مِقْصَص	تہنچی	مِقْلَمَة	قلم تراش چاقو
رَق، مُزَيِّن	بجام	مَلْعَقَة	چمچ
مُوتَمَر	کانفرنس	رَق، مِظَلَّة	پھتری
مِنْدُوب	ڈیگیٹ سیر، ویل	مَحْرَمَة	رومال
مَخْجَر	قرنطینہ	رَق، مَنْدِيل	”
مَامُورِيَّة	نوگری	مَنْشَف	تولینہ
مَدْفَع	توپ	مَرْكُوب	جوٹا
مَضْبُطَة	مموریل، عرضداشت	مَدَا سَه	سلیپر۔ گھر میں پابندی
مَعْمَل	کارخانہ		کے جوئے
مَعْرُض	نمایش گاہ	مَحْطَة	ریل کا اسٹیشن
مَنْصُورَة	ایک عمدہ کا نام ہے		

لفظ	معنی	لفظ	معنی
رق، مجلہ	میگزین، علمی رسالہ	معاش	نیشن
مدارعہ	آہن پوش جہاز	مجاور	قدیم مدارس طالب العلم کے
محکمہ	عدالت	محل الآداب	پاخانہ
محکمۃ الحقوق	عدالت دیوانی	مکارہ	چرنی
محکمۃ الجزاء	عدالت فوجداری	مادۃ	دفعہ (قانونِ مجرمہ کی کتاب)
محکمۃ الاستیناف	عدالت اپیل	معارف	سرشتہ تعلیم
محکمۃ التعمیر	ہائیکورٹ	مجموعہ	ایچو (پوسے قد کی موت)
محامی	وکیل	مزایدہ	نیلام
رق، مینا	گھاٹ		
رق، مرکب	جہاز		
مُمَثِّل	ایکٹر	فہاری	انجیر لورڈ و طالب علم، انکو فہاری بھی کہتے ہیں۔
مسوکرہ انگریزی (فونڈ)	رجسٹری شدہ خط یا پارسل وغیرہ	نیشات جمع نشانات	تمغہ
میزانینہ	بیٹ	رق، ناموسیۃ	پنگ
مصلحۃ	محکمہ صیغہ جیسے مصلحۃ	نمسا	سلطنت اسٹریا
	ابوسط بمعنی ڈاکخانہ	ناریۃ	آتشازی
	لہ جاہلیتہ میں اس کتاب کو کہتے تھے، جس میں حکمت و غنلت ہو	نظارۃ	وورین
	کے مضامین ہوں، نابغہ کا شعر ہے	رق، نظارۃ	سرشتہ صیغہ
	مجلہ ذات الالہ و دینہم،	ناظر	سکرپٹری،
	قدیم نمایرجون غیر العواقب		

معنی	لفظ	معنی	لفظ
ہلکٹ	ورقتہ	حقہ	نارگیلہ (فارسی)
ملاقات کا کارڈ	ورقۃ الزیارت		
رسید	دق، وصول		و
ہلکس	ویرکو	تمنہ	وسلم
	(عربی نہیں ہے)	جہاز	وابور یا فالور
کاغذ	ورق		(عربی نہیں ہے)



www.marfat.com